سب کے لیے تعلیمی مہم پروگرام

سب پڑھیں ۔ سب بڑھیں

مفت تقسیم

درجہ ۔ 8

ماضی سے حال

حصّہ ۔ 3

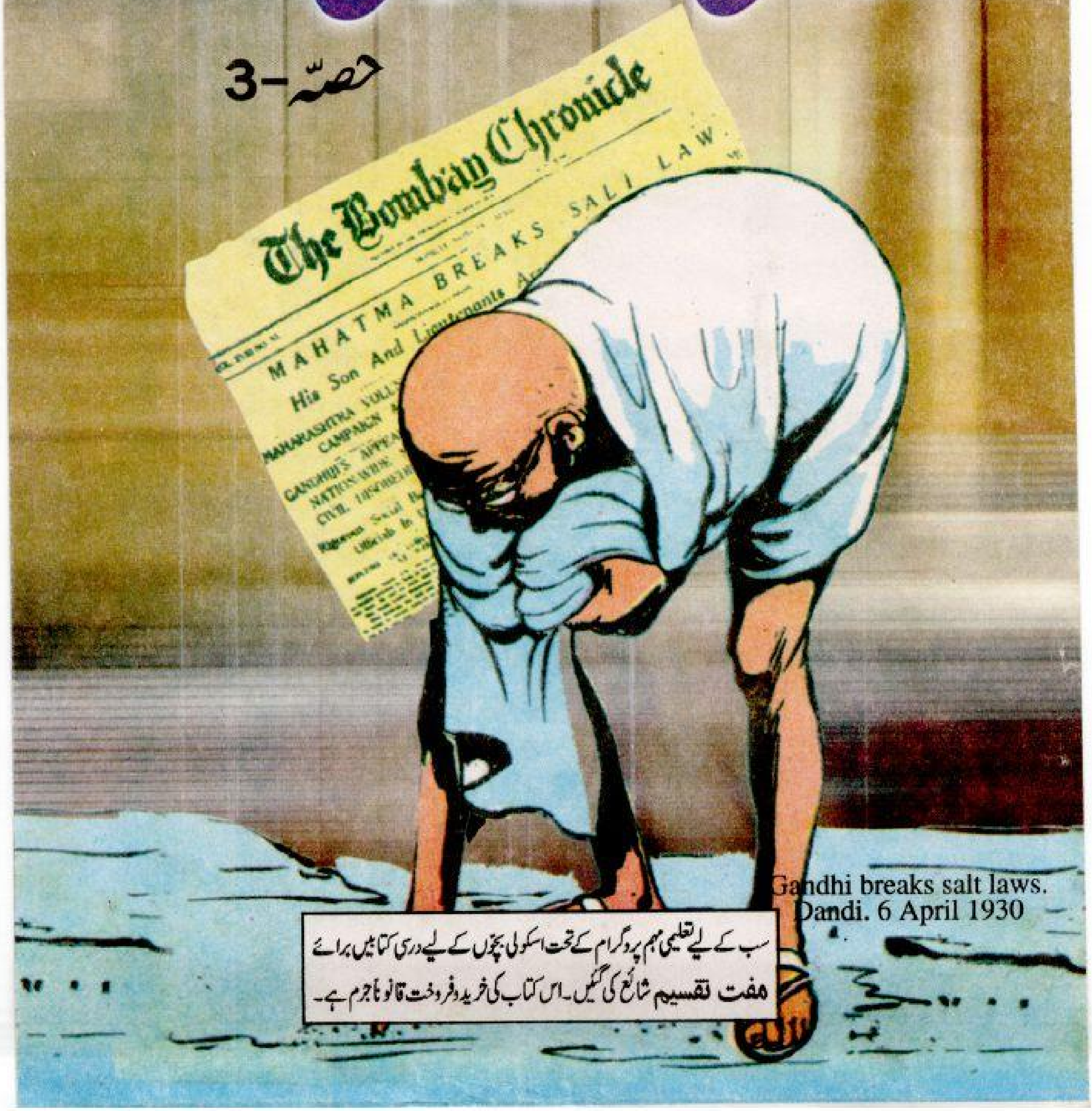

Gandhi breaks salt laws.
Dandi. 6 April 1930

سب کے لیے تعلیمی مہم پروگرام کے تحت اسکولی بچّوں کے لیے درسی کتابیں برائے
مفت تقسیم شائع کی گئیں ۔ اس کتاب کی خرید و فروخت قانوناً جرم ہے ۔

بہار معیاری تعلیمی مہم (بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل) کی
جانب سے چلائی جارہی بیداری مہم
"سمجھیں ـ سیکھیں"
معیاری تعلیمی مہم کے بیس رہنما اصول

1. اسکولوں کا وقت سے کھلنا اور بند ہونا۔
2. وقت پر تعلیمی سیشن کا انعقاد۔
3. ہر ایک بچہ اور استاد کی اسکول کے وقت میں، اسکول میں موجودگی۔
4. ہر ایک بچہ اور ہر ایک استاد سیکھنے۔سکھانے کے عمل میں غرق ہو۔
5. اساتذہ کو بچوں کے تعلیمی معیار کی واقفیت اور اس کے تئیں مستعدی۔
6. مسلسل اور گہرائی کے ساتھ صلاحیتوں کی جانچ۔
7. درجہ۔1 کے لئے خاص طور پر کل وقتی اساتذہ۔
8. اسکول کے سبھی درجات میں بلیک بورڈ کا مکمل طور سے استعمال۔
9. سبھی درجات میں روزانہ کے تعلیمی ٹائم ٹیبل کی دستیابی اور اس کا استعمال۔
10. آخری گھنٹی میں کھیل کود، آرٹ اور ثقافتی سرگرمیاں۔
11. اسکول میں دستیاب کرائی گئیں کہانی کی کتابیں اور کھیل کود کے سامانوں کا استعمال۔
12. Menu کے مطابق دوپہر کے کھانے (Mid-day meal) کی پابندی کے ساتھ روزانہ تقسیم۔
13. فعال بچوں کا پارلیامنٹ اور مینا منچ۔
14. صاف ستھرے بچے اور صاف ستھرا اسکول۔
15. دستیاب پینے کے پانی کا انتظام اور بیت الخلاء کا استعمال۔
16. اسکول کے احاطے میں باغبانی۔
17. اسکولوں میں دستیاب کرائے گئے گرانٹ کا استعمال۔
18. سبھی بچوں کے پاس اپنے اپنے درجہ کی درسی کتابوں کی دستیابی۔
19. اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کی پابندی سے ہونے والی میٹنگ میں تعلیم کے معیار (Quality) پر چرچا۔
20. اسکول میں ہر ایک درجہ کے اساتذہ اور کارکنین کے ساتھ تبادلۂ خیال۔

ماضی سے حال

(تاریخ) حصہ-3

برائے درجہ-8

• تیار کردہ •

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT)، پٹنہ

• شائع کردہ •

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ، پٹنہ

ڈائرکٹر (پرائمری ایجوکیشن) محکمہ تعلیم ،حکومت بہار سے منظور

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT) پٹنہ کے تعاون سے پوری ریاست بہار کے لیے

سبھی کے لئے تعلیمی مہم پروگرام (S.S.A.) کے تحت
اسکولی بچوں کے لئے درسی کتابیں برائے

مفت تقسیم

شائع کی گئیں ۔اس کتاب کی خرید وفروخت قانوناً جرم ہے۔

© بہار اسٹیٹ ٹیکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

S.S.A. 2015-16 : 49,831

شائع کردہ

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

پاٹھیہ پستک بھون، بدھ مارگ، پٹنہ۔800001

مطبوعہ: گلوبل پرنٹ ایسوسی ایٹ، جامن گلی، سبزی باغ، پٹنہ۔۴ (ٹکسٹ کے لئے .H.P.C کا 70
GSM Cream Woveواٹر مارک اور سرورق کے لئے .H.P.C کا .G.S.M 130 وہائٹ
واٹر مارک کاغذ استعمال میں لایا گیا)(Size (24x18 cm

پیش لفظ

محکمہ تعلیم، حکومت بہار کے فیصلے کے مطابق، اپریل 2009ء سے پہلے مرحلہ میں ریاست کے درجہ IX کے طلباء وطالبات کے لئے نئے نصاب کو نافذ کیا گیا۔ اسی کے تحت تعلیمی سال 11-2010 کے لئے درجہ I، III، VI اور X کی تمام لسانی اور غیر لسانی درسی کتابوں کا نصاب نافذ کیا گیا۔

اس نئے نصاب کے تحت قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (NCERT)، نئی دہلی کے ذریعہ تیار کردہ درجہ X کے حساب (ریاضی) اور سائنس نیز صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT)، بہار، پٹنہ کے ذریعہ تیار کردہ درجہ I، III، VI اور X کی تمام درسی کتابیں بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ کی جانب سے سرورق کی ڈیزائننگ کر کے شائع کی گئیں۔ اس سلسلے کی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے تعلیمی سال 2012-2011 کے لئے درجہ II، IV اور VII کی نئی درسی کتابیں صوبے کے طلباء وطالبات کے لئے فراہم کی گئیں اور تعلیمی سال 2012-13 کے لئے درجہ V اور VIII کی نئی کتابیں دستیاب کرائی گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ درجہ II، IV اور VII کی کتابوں کا نیا ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن بھی اسی سال ایس سی ای آر ٹی، بہار پٹنہ کے تعاون سے شائع کیا گیا۔

ریاست بہار میں معیاری اسکولی تعلیم کے لئے معزز وزیر اعلیٰ، بہار جناب جیتن رام مانجھی، وزیر تعلیم جناب برشن پٹیل اور محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری جناب آر۔ کے۔ مہاجن کی رہنمائی کے تئیں ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

این سی ای آر ٹی، نئی دہلی اور ایس سی ای آر ٹی، بہار، پٹنہ کے ڈائرکٹر صاحبان کے بھی ممنون ہیں، جن کا بیش قیمت تعاون ہمیں ملا۔

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ طلباء، سرپرستوں، معلموں نیز ماہرین تعلیم کے تبصروں اور مشوروں کا ہمیشہ خیر مقدم کرے گا، تاکہ ریاست کا ملک کے تعلیمی شعبہ میں بلند مقام حاصل ہو سکے۔

دلیپ کمار I.T.S.
مینجنگ ڈائرکٹر
بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

حرف آغاز

پیش کردہ کتاب 'ماضی سے حال حصہ۔ III ' درجہ۔VIII قومی تعلیمی پالیسی 1986 کے تحت اور N.C.F. 2005 پر مبنی ہے, جو صوبائی تعلیمی تحقیقی اور تربیتی کونسل بہار پٹنہ کی تجاویز کے مطابق BCF 2008 کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہے۔

اس کتاب کو تیار کرنے کے لئے صوبائی، تعلیمی تحقیق وتربیتی کونسل بہار کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ورکشاپ منعقد کیا گیا جس میں بہار کے اساتذہ کی جماعت اور دیگر مضامین کے ماہرین کا تعاون شامل حال رہا۔

چونکہ یہ درسی کتاب جدید دور کی ہندوستانی تاریخ سے متعلق ہے اس لئے اس کا مقصد ہندوستان میں، کمپنی حکومت کا قیام، استحکام، سامراجواد اور قبائلی سماج کی بناوٹ، اس عہد میں ہندوستانی دستکاری وصنعت، شہریت اور نئے شہروں کی نمود برٹش حکومت اور تعلیم اور خواتین کی حالت اور اس میں اصلاح سے طلبہ کو واقف کرانا ہے۔ اس کتاب میں 1857ء کی فوجی بغاوت کو بنیاد بنا کر ہندوستان کی قومی تحریک سے بھی طلبہ کو واقف کرایا گیا ہے۔ ساتھ ہی طلبہ بہار کے ان گمنام شہیدوں کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کریں گے جن کا ذکر تاریخ کے صفحات میں دب کر رہ گیا ہے۔ انیسویں صدی میں ہندوستان کی قومی تحریک اور صنعتی، تعلیمی اور ثقافتی ترقی میں بہار کی خدمات کو سمجھنے میں بھی یہ کتاب طلبہ کی مدد کرے گی۔ اس کتاب کے ذریعہ طلبہ یہ جانکاری بھی حاصل کریں گے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں علاقائی ترقی اور قومی اتحاد کے فروغ کے لئے حکومت کے کیا منصوبے ہیں تاکہ ملک میں امن اور یکجہتی قائم ہو سکے۔

اس درسی کتاب کا آخری باب 'جدید ہندوستان' کے معروف مورخ ڈاکٹر کالی کنکر دت کی سوانح، شخصیت اور تحریر پر مبنی ہے۔ جس کا مقصد طلبہ میں تاریخ نویسی اور ان کے مطالعہ کے تئیں دلچسپی پیدا کرنا ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ طلبہ میں قومیت کے جذبات کو فروغ دینا اور انہیں قومی اتحاد، سیکولرازم اور سماجواد جیسے آئینی تصورات کی راہ پر گامزن کرنا بھی ہے۔

پیش کردہ درسی کتاب کے ذریعہ اساتذہ اور طلبہ کے بیچ باہمی تعاون کے رخ کو اپناتے ہوئے تدریسی مرحلہ کو خوش گوار، بچوں پر مرکوز، سہل اور موثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ طلبہ میں دلچسپی اور کارکردگی کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر سبق کے بیچ میں جابجا سرگرمیوں اور کارکردگیوں سے متعلق سوالات کئے گئے ہیں۔

اس درسی کتاب کی تدوین میں بہار تعلیمی منصوبہ کونسل پٹنہ اور یونیسیف بہار پٹنہ کا تعاون قابل ذکر ہے۔ اس کتاب کے مخطوطہ کو تیار کرنے میں (NCERT) قومی تعلیمی تحقیق وتربیتی کونسل نئی دہلی، ترےمورتی بھون نئی دہلی، صوبائی رکارڈ بہار، پٹنہ، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ اور ایل ایس کالج لائبریری مظفر پور کا تعاون بھی اہم رہا ہے۔ مخطوطہ تیار کرنے میں صوبائی تعلیمی تحقیقی اور تربیتی کونسل کے شعبہ ارکان اور دیگر ملک گیر اداروں کے ذریعہ تیار کردہ کتابوں کے علاوہ کئی پبلشروں کی کتابیں حوالہ جاتی کتابوں کی شکل میں مفید ثابت ہوئیں۔ کتاب لکھنے کے سلسلہ میں بھاگلپور کے کلکٹر جناب نرمدیشور لال، جناب سنتوش کمار، ایس ڈی او پالی گنج، ڈاکٹر سمیر سنہا، لکچرر سندروتی مہیلا کالج بھاگلپور اور معروف ادیب شیو کمار کے ذریعہ حاصل تعاون بھی کافی مفید اور اہم ثابت ہوئیں۔

توقع ہے کہ تاریخ کی یہ کتاب درجہ VIII کے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ اس کتاب کے لئے کونسل صالح تنقید اور مفید مشوروں کا استقبال کرے گی۔ اگر کسی خامی کی نشان دہی کی گئی تو دوسری اشاعت میں دور کی جائے گی۔

حسن وارث

ڈائرکٹر

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت بہار، پٹنہ

رہنما کمیٹی برائے فروغ درسی کتب

☆ جناب راہل سنگھ

اسٹیٹ پروجیکٹ ڈائریکٹر بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل، پٹنہ

☆ جناب امت کمار

اسسٹنٹ ڈائرکٹر، پرائمری ایجوکیشن، محکمہ تعلیم، حکومت بہار

☆ جناب رام شرنا گت سنگھ، جوائنٹ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم، حکومت بہار، پٹنہ

☆ ڈاکٹر گیان دیومنی ترپاٹھی

پرنسپل میتری کالج آف ایجوکیشن اینڈ مینجمنٹ، حاجی پور

☆ جناب حسن وارث

ڈائرکٹر ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ

☆ جناب مدھوسودن پاسوان

پروگرام آفیسر، بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل، پٹنہ

☆ ڈاکٹر سید عبدالمعین

صدر، لیکچرس ایجوکیشن، ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ

☆ ڈاکٹر شویتا شانڈلیہ

ایجوکیشن اکسپرٹ، یونیسیف، پٹنہ

ماہرین موضوعات :

ڈاکٹر پروفیسر امتیاز احمد، ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری، پٹنہ

ڈاکٹر گوتم پانڈے، صوبائی چیف

عظیم پریم جی، فاؤنڈیشن، راجستھان

مجلس مصنفین :

ڈاکٹر سنیتا شرما، لکچرر، بی ڈی ایوننگ کالج، پٹنہ

ڈاکٹر مادھوری دویدی، معلّمہ، پٹنہ کالجیٹ اسکول، پٹنہ

ڈاکٹر پورن ناتھ کمار، معلم بالیکا مڈل اسکول، مچھوا ٹولی، پٹنہ
ڈاکٹر نریندر ناتھ، معلم مڈل اسکول، راج ہری، پریا، گیا
جناب انجنی کمار، معلم پرائمری اسکول، شیر پور، بوئی ٹولی، گیا
جناب گیان رنجن، معلم ہائر سکنڈری اسکو، شکور آباد، جہان آباد

اشتراک (ہندی) :

ڈاکٹر ویر کماری کجور، لکچرر، ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ

نظر ثانی (ہندی) :

ڈاکٹر نہار نندن پرساد سنگھ، سابق وائس چانسلر، بھیم راؤ امبید کر یونیورسٹی، مظفر پور
ڈاکٹر رتنیشور مشرا، سابق صدر شعبہ تاریخ، ایل این متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ

اردو مترجمین :

ڈاکٹر نثار احمد فیضی، استاد، ڈاکٹر ذاکر حسین ہائی اسکول، +۲، سلطان گنج، پٹنہ
ڈاکٹر شکیل اختر، شعبہ عربی ادب، اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی، پٹنہ

نظر ثانی (اردو) :

ڈاکٹر اقبال اختر، سابق پروفیسر پوسٹ گریجویٹ شعبہ اردو، اے این کالج، پٹنہ
جناب سید اسمٰعیل حسنین نقوی، سابق ریڈر کم لینگویج اکسپرٹ، شعبہ تعلیمات، بی ٹی سی، پٹنہ

فہرست

نمبرشمار	ابواب کے عنوانات	صفحات
1.	کب کہاں اور کیسے	1-22
2.	ہندوستان میں انگریزی حکومت کا قیام	23-41
3.	دیہاتی زندگی اور سماج	42-55
4.	سامراج واد اور قبائلی سماج	56-72
5.	دستکاری اور صنعت	73-84
6.	انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد (غدر 1857)	85-98
7.	برٹش حکومت اور تعلیم	99-114
8.	ذات پات کے نظام کا چیلنج	115-127
9.	خواتین کی حالت اور اصلاح	128-142
10.	انگریزی حکومت اور شہری تبدیلیاں	143-165
11.	فن کے میدان میں تبدیلیاں	166-184
12.	قومی تحریک (1885-1947)	185-215
13.	آزادی کے بعد منقسم ہندوستان کی پیدائش	216-236
14.	ہمارے مورخ کالی کنکر دت (1905-1983)	237-240

باب۔1

کب، کہاں اور کیسے

گذشتہ درجوں میں ہم نے یہ جان لیا ہے کہ مطالعہ کی سہولت کے لئے تاریخ کو قدیم، وسطیٰ اور جدید تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چھٹے درجہ میں آپ نے قدیم اور ساتویں درجہ میں عہد وسطیٰ میں ہوئی خاص تبدیلیوں اور خصوصیات کے بارے میں جانا۔اب آٹھویں درجہ میں ہم خاص طور سے جدید دور میں ہوئی تبدیلیاں اوران کی معلومات ہمیں جن ذرائع سے ملتی ہیں اس کے بارے میں واقفیت حاصل کریں گے۔ ہر اک عہد میں ہونے والی تبدیلیاں ہی اس عہد کی خصوصیت ہوتی ہیں۔آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہماری دنیا شروع سے لے کر آج تک کبھی بھی یکساں حالت میں نہیں رہی۔ یہ ہم لوگوں کی اجتماعی سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ان تبدیلیوں کی وجہ سے ہمارے سماج، اقتصادی نظام، سیاست، فن، ثقافت وغیرہ اکثر تمام حلقوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

آپ درجہ 6 اور 7 میں پڑھی گئی باتوں کی بنیاد پر ایک مذاکرہ کریں۔

- **قدیم عہد میں انسان کی زندگی میں ہونے والی پانچ اہم تبدیلیاں کیا ہو سکتی ہیں؟**
- **عہد وسطیٰ میں معاشرتی اور سیاسی حلقوں میں ہوئی پانچ اہم تبدیلیاں کیا ہوسکتی ہیں؟**

جدید عہد میں بہت ساری تبدیلیاں ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں ہمارے ملک کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی ہوئیں۔ یہ تبدیلیاں کب اور کیسے شروع ہوئیں اور انہوں نے دنیا کو کس طرح متاثر کیا۔ آیئے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

نشاۃ ثانیہ:

عہد جدید کو جنم دینے والی کئی تبدیلیوں کا آغاز سب سے پہلے یورپ میں ہوا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں اٹلی میں ایک نئی تحریک شروع ہوئی۔ جسے 'دوبارہ بیداری' کہا جاتا ہے۔اس تحریک نے لوگوں کو آزادی سے سوچنے اور قدیم اصولوں پر

سوال اٹھانے کے لئے متحرک کیا۔ نتیجہ کے طور پر سائنسی اصولوں کی توسیع ہوئی۔ سائنسی اصول کے معنی ہیں سوال پیش کر کے عملی سطح پر حقیقت کو جاننا۔ سوالیہ نشان لگانے کی اس آزادی نے لوگوں کو اپنے حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے بھی متحرک کیا۔ مذہبی حلقوں میں لوگ توہم پرستی پر مبنی قابل اعتراض کوششوں کے خلاف آواز اٹھانے لگے۔ تجارت، تعلقات اور دیگر رابطوں کے ذریعہ دنیا کے دیگر حصوں میں بھی اس نکتۂ نظر کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

تصویر۔1 : پرتگالیوں کے ذریعہ سمندری راستے کی تلاش

تصویر۔2: واسکوڈی گاما

تحقیقی سفر :

تسلیم شدہ روایات کی سچائی جانچنے کے ساتھ ساتھ اس وقت نئی چیزوں کی تلاش کی بھی کافی کوشش کی گئی۔ اسی وقت اپنے علاقے سے باہر کی دنیا کے بارے میں جاننے کا بھی رواج ہوا۔ اس کے تحت یورپ کے جہاز راں اور ملاحوں نے دنیا کے دیگر ممالک تک پہنچنے کی کوشش کی۔ ایشیا اور امریکہ کے ممالک تک پہنچنے کے لئے سمندری راستوں کی تلاش بھی انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کوششوں سے یورپ کے کچھ لوگ کچھ ایسے ممالک تک پہنچ گئے جن کے بارے میں انہیں اور دنیا کے بہت سارے لوگوں کو کوئی جانکاری نہیں تھی۔ آپ نے اسپین کے مشہور جہاز راں کولمبس کے بارے میں سنا ہوگا جس نے اس وقت 1492ء میں امریکہ براعظم کی تلاش کی۔ پرتگال کے جہاز راں واسکوڈی گاما کے بارے میں بھی آپ نے سنا ہوگا کہ اس نے 1498ء میں یورپ سے ہندوستان تک کا سمندری راستہ تلاش کیا تھا۔ (اس کے بارے میں خاص طور سے آپ اکائی۔۲ میں پڑھیں گے)۔ نئے راستوں اور زمینی حصوں کی تلاش کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے ممالک کا ان نئے ممالک کے ساتھ

تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔

سرمایہ کاری اور صنعتی انقلاب :

تصویر-3 : کارخانہ

ان تجارتی تعلقات سے یورپ کے تاجروں نے نفع کمایا۔ رفتہ رفتہ ان کے پاس سرمایہ جمع ہونے لگا۔ اس سرمایہ کو انہوں نے دوبارہ تجارت میں لگایا۔ اس طرح پندرہویں صدی عیسوی کے آخر تک یورپ میں ایک نئے سماجی نظام کی پیدائش ہوئی جسے سرمایہ دارانہ نظام کہتے ہیں۔ اس نئے سماجی نظام کی اہم خصوصیت تھی سرمایہ داروں اور مزدوروں کے دو نئے طبقوں کا وجود۔ سرمایہ دار تجارت کے لئے تیار سامانوں کے مالک تھے۔ اوران کا خاص مقصد تھا نفع کمانا۔ مزدور لوگ سامانوں کو تیار کرتے تھے اور سرمایہ داروں سے مشاہرہ حاصل کرتے تھے۔ سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ اپج کے طریقوں میں بھی تبدیلی ہونے لگی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ عہد وسطی میں کپڑے جولاہے اپنے ہاتھوں سے بنتے تھے۔ عہد جدید میں کپڑے جولاہوں کے علاوہ مشینوں سے بھی تیار کیے جانے لگے۔ مشینوں کے استعمال کا یہ عمل انگلینڈ میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں شروع ہوا اور پھر دھیرے دھیرے دیگر ممالک میں بھی پھیلتا چلا گیا جسے صنعتی انقلاب کا نام دیا گیا۔

نوآبادیاتی نظام اور سامراجی نظام :

صنعتوں کے قیام کی وجہ سے ان ممالک میں سامانوں کی پیداوار کافی تیزی سے ہونے لگی۔ اب ان تیار سامانوں کو بیچنے کے لئے بازار کی ضرورت تھی۔ ساتھ ہی ان سامانوں کو تیار کرنے کے لئے کچے مال کی بھی ضرورت تھی۔ ان دونوں ہی

> انہیں بھی جانیں!
> سامراجی نظام : فوجی یا دیگر طریقے سے غیر ملکی زمین کے صوبوں کو اپنے ماتحت بنا کر اپنا سیاسی غلبہ قائم کرنا

ضرورتوں نے یورپ کے ممالک کو اپنے ملکوں سے باہر کی دنیا میں پاؤں پھیلانے پر مجبور کردیا۔ ان ممالک کو محسوس ہوا کہ اگر وہ دوسرے ممالک کے اقتصادی نظام پر قابو پالیں گے تو انہیں اپنی صنعتوں کے لئے نہ صرف یہ کہ کچا مال سستی قیمت میں ملنے لگے گا بلکہ ان کے تیار مال کے لئے بازار بھی دستیاب ہوجائے گا۔ اس سے سامراجی نظام کا آغاز ہوا۔ اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں شروع ہوا یہ عمل ایشیا افریقہ اور جنوبی امریکہ کے زیادہ تر ممالک اقتصادی اور سیاسی طور پر یورپ کے صنعتی ممالک قبضے میں آگئے۔ اس طرح محکوم ممالک 'کالونی' یا 'نوآبادیات' کہے گئے۔ وسیع پیمانے پر نوآبادیات کے قیام سے وہ عہد عہد نوآبادیات کے نام سے موسوم کیا گیا۔

امریکی اور فرانسیسی انقلاب :

دنیا میں ہورہی ان تبدیلیوں کے درمیان اٹھارہویں صدی کے آخری عشروں میں دو اور اہم تبدیلیاں ہوئیں۔ پہلے کا تعلق امریکہ کی تحریک آزادی سے اور دوسرے کا تعلق فرانس کے انقلاب سے ہے۔ امریکہ کی تلاش کے بعد وہاں یورپ کے ممالک نے اپنا قبضہ جمالیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہاں کے لوگوں نے ہی یورپی ممالک کی حکومت کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ اسی طرح فرانس کے لوگوں نے بھی شاہی خاندان اور طبقۂ امراء کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ ان دونوں ممالک میں ظلم، استحصال اور ناانصافی کے خلاف متحد ہوکر کی گئی جدوجہد کامیاب رہی۔ اس کے بعد ان ممالک کے لوگوں نے اپنے اپنے ممالک میں جمہوری نظام کی حکومت قائم کی۔ آزادی اور مساوات ان

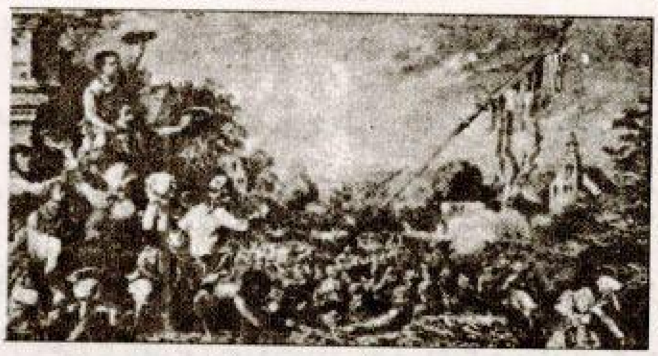

تصویر۔4 : شمالی امریکہ میں برٹش نوآبادیات کے لوگ 'آزادی کا اعلان' کا جشن مناتے ہوئے

کے رہنما اصول بن گئے۔ فرانس اور امریکہ کی ان تحریکوں کا کئی ممالک کے لوگوں پر بڑا اثر پڑا۔ اس کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ رفتہ رفتہ ایک مخصوص حلقہ میں رہنے والے لوگوں نے جو طویل مدت سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے، اور جو ایک جیسی زبان بولتے تھے۔ ان کی ایک قوم کی شکل میں پہچانے جانے کی روایت شروع ہوئی۔

ظلم اور استحصال کے شکار ہمارے ملک میں کس طرح کی حکومت ہے؟ اس کے رہنما اصولوں پر مذاکرہ کریں۔

جدید دور اور ہمارا ملک :

> **انہیں بھی جانیں!**
> اکثر اٹھارہویں صدی کے نصف آخر کو (1750 کے بعد) جدید دور کا آغاز مانا جاتا ہے۔ جدید لفظ کا استعمال جب وقت کے تناظر میں کیا جاتا ہے تو اس کے معنی ماضی کا قریب ترین وہ حصہ جو گذشتہ تقریباً تین سو سالوں پر محیط ہے۔

اس طرح یورپ میں ہوئی ان تبدیلیوں سے متاثر ہوکر دیگر ممالک کے لوگوں نے نئے طریقے سے غور وفکر کرنا شروع کردیا۔ نئے نوآبادیات کی تلاش میں جب یورپی ہمارے ملک میں آئے تو ہمارے ملک پر بھی ان تبدیلیوں کا اثر پڑا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ہمارا ملک کس طرح ٹکڑوں میں تقسیم ہوا تھا۔

اسی زمانے میں یورپ کے تاجر ہندوستان کے مختلف حصوں میں تجارت میں مصروف تھے۔ ان میں سے جو تجار انگلینڈ سے آئے وہ تجارت کرتے کرتے رفتہ رفتہ ہمارے ملک کے حکمراں بن بیٹھے۔ انہوں نے ہمارے ملک کے علاقائی نوابوں اور راجاؤں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی۔ (ان کے بارے میں تفصیل سے آپ اکائی ۲ میں پڑھیں گے) آئندہ کے دو سو سالوں تک ہمارے ملک پر ان کی حکومت رہی۔ ہمارے ملک میں انگریزی حکومت آنے سے انگریزی تعلیم اور نئے خیالات کا داخلہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی لوگوں میں بیداری آئی۔ آگے کی اکائیوں میں آپ دیکھیں گے کہ کس طرح

انگریزوں نے ہمارے ملک کے اقتصادی ذرائع کو اپنے نفع کے لئے استعمال کیا۔ اپنی ضرورت کی چیزوں کو سستی قیمتوں میں خریدا۔ برآمد کے لئے یا اپنے فائدے کے لئے نئی فصلوں کی کھیتی کرائی۔ آگے آپ یہ بھی جانیں گے کہ طویل مدت تک انگریزی حکومت کے نتیجے میں۔ ہمارے ملک کی قدروں، روایات، پسند اور ناپسند، رسم و رواج اور طور طریقوں میں اہم ترین تبدیلیاں آئیں۔ جب ایک ملک پر کسی دوسرے ملک کے غلبہ سے اس طرح کی سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں آتی ہیں تو اس عمل کو کالونی آبادکاری کہتے ہیں۔ اور اس صورت حال کو نوآبادیاتی نظام کہا جاتا ہے۔

دور کے اس فرق سے الگ ہٹ کر کچھ مؤرخین معاشی اور سماجی عوامل کی بنیاد پر بھی ماضی کے مختلف ادوار کی خصوصیات متعین کرتے ہیں۔ اس طرح کئی انگریز مورخوں نے ہندوستانی تاریخ کے مختلف عہد کے حصوں کو اپنے نظریے سے بانٹنے کی کوشش کی ہے۔ 1817ء اسکاٹ لینڈ کے ماہر معاشیات، مورخ اور سیاست داں، فلسفی جیمس مل نے تین حصوں میں (ہسٹری آف برٹش انڈیا) 'برطانوی ہند کی تاریخ' نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے ہندوستان کی تاریخ کو ہندو مسلم اور برٹش تین دور کے حصوں میں تقسیم کیا۔ یہ تقسیم اس خیال پر مبنی تھی کہ حکمرانوں کا مذہب ہی صرف اہم ترین تاریخی تبدیلی کا باعث ہوتا ہے۔ اس تعین کو اس وقت لوگوں نے تسلیم بھی کر لیا۔

کیا آپ ہندوستانی تاریخ کو سمجھنے کے اس طریقے سے متفق ہیں؟ درجہ میں مذاکرہ کریں۔

جیمس مل کو محسوس ہوتا تھا کہ ایشیائی ممالک ترقی اور تہذیب کے معاملے میں یورپ سے کافی پیچھے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں ہندو اور مسلمان تاناشاہوں آمریت پسندوں (تاناشاہی) کی حکومت تھی۔ ہندوستان کے لوگ اتنے پسماندہ اور غیر مہذب تھے کہ انگریزی حکومت میں ہی ان کی فلاح ہو سکتی تھی۔ انگریز ہندوستانیوں سے برتر اور بہتر تھے۔ ایک طرف تو وہ ہندوستانی تاریخ کو ہندو اور مسلم عہد میں تقسیم کرتے ہیں۔ جبکہ اپنے لئے برٹش لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ عیسائی لفظ کا استعمال نہیں کرتے۔ لفظ برٹش سے غالباً وہ اپنے اتحاد اور قومیت کا احساس دلانا چاہتے تھے۔

ذرا سوچئے کیا تاریخ کے کسی عہد کے حصے کی مدت کو ہندو، مسلم اور عیسائی دور کہا جاسکتا ہے؟ کیا کسی بھی مدت میں کئی طرح کے مذاہب ایک ساتھ نہیں چلتے ؟ کیا کسی مدت میں دیگر مذاہب کے لوگوں کی زندگی اور طور طریقوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ؟ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بھی مدت کی تاریخ کسی ایک طرح کے لوگوں سے تنہا نہیں بنتی بلکہ سماج کے سارے لوگوں کو ایک ساتھ مل کر چلنے سے بنتی ہے۔

تاریخ کو ہم الگ الگ عہد کے حصوں میں بانٹنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ مذاکرہ کریں۔

تاریخ کو جانیئے :

آپ نے گذشتہ درجوں میں پڑھا ہے کہ مؤرخ تاریخ کو جاننے کے لئے جن ذرائع کا استعمال کرتے ہیں اسے تاریخی ذرائع کہتے ہیں۔ درجہ چھ اور درجہ سات میں بھی آپ نے تاریخی ذرائع کے بارے میں پڑھا تھا۔ عہد قدیم اور عہد وسطیٰ کے کچھ تاریخی ذرائع کو یاد کرتے ہوئے درج ذیل چارٹ کو بھرنے کی کوشش کریں :

	قدیم عہد	عہد وسطیٰ
ذرائع	کتبات	مخطوطات
.1		
.2		
.3		
.4		
.5		

یاد رہے کہ عہد قدیم یا عہد وسطیٰ کے ذرائع تو تقریباً ایک ہی تھے۔ لیکن عہد قدیم کی بہ نسبت عہد وسطیٰ کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ پرانے قسم کے ذرائع کے علاوہ عہد وسطیٰ میں کچھ نئے ذرائع سامنے آئے۔ آگے آپ پائیں گے کہ عہد جدید میں ان ذرائع کی تعداد اور نوعیت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ ایسا کیوں ہوا؟ آیئے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

ساتویں درجہ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ انیسویں صدی کے پہلے اوائل میں چھاپہ خانے نہیں تھے۔ کلرک یا نقل نویس ہاتھ سے ہی مخطوطات کے نسخے تیار کرتے تھے۔ بعد میں انیسویں صدی کے وسط تک چھپائی تکنیک کے ذریعہ سے سرکاری محکموں کی کارروائیوں کے کئی نسخے بنائے جانے لگے۔ ان اہم ترین دستاویزات کے نسخے کو آپ آج بھی کتب خانوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

محافظ خانوں (ریکارڈ روم) میں سرکاری دستاویزوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ان میں سرکار کے منصوبوں اور محصولات سے متعلق دستاویز، پولس اور سی آئی ڈی رپورٹ مختلف سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں کے ریکارڈ، مختلف کمیشنوں کے ریکارڈ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ آج بھی ہر ضلع میں ایک ایک ریکارڈ روم ہوتے ہیں۔ انہیں آپ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تحصیل کے دفتر، کلکٹریٹ، کمشنر کے دفتر اور کچہری وغیرہ کے ریکارڈ روم بھی اہم ہیں۔

آپ اپنے ضلع کے ریکارڈ روم میں جا کر اپنے ضلع سے متعلق کیا کیا جانکاریاں حاصل کرنا چاہیں گے؟ ان جانکاریوں کی ایک فہرست بنائیں۔

اسی طرح کتب خانوں میں برسوں پہلے کے پرانے اخبار، ذاتی ریکارڈ، ڈائریاں، نجی دستاویز وغیرہ چیزیں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ عظیم شخصیات کی زندگی اور خودنوشت بھی تاریخ کے مطالعے میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ ان کتابوں سے ہمیں ان لوگوں کے حالات کے بارے میں خصوصی جانکاری ملتی ہے۔ جنہوں نے سیاست انتظامیہ اور سماجی خدمت کے حلقہ میں اہم ترین خدمات انجام دی ہیں۔ ساتھ ہی ان کتابوں سے ہمیں اس وقت کے معاشرے میں ہو رہی مختلف سرگرمیوں کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے۔

خودنوشت اور سوانح کے بارے میں اپنے استاد کی مدد سے مذاکرہ کریں۔

اپنے ملک کے دارالسلطنت دہلی میں قومی محافظ خانے، نہرو میموریل لائبریری اور پٹنہ میں واقع سچید انند سنہا لائبریری، بہار صوبائی محافظ خانے جیسے اداروں میں آپ جا کر ان سامانوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ادھر حال کے دنوں میں گذشتہ نسل کے

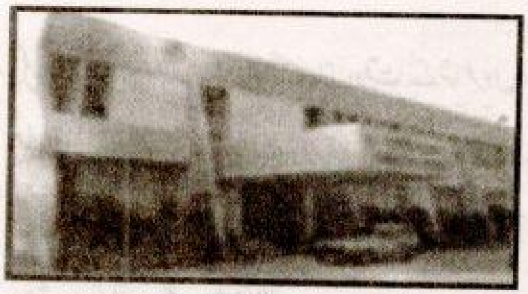

تصویر۔5 : پٹنہ واقع بہار ریکارڈ روم

اہم لوگوں کی تقریریں، انٹرویو اور یادگاروں کے ریکارڈ رکھنے کی روایت بھی کچھ میوزیم میں شروع کی گئی ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا تک پورے ملک کا نقشہ تیار کرنے کے لئے بڑے بڑے سروے کئے جانے لگے۔ سروے میں زمین کی سطح، مٹی کی خاصیت، وہاں ملنے والے پیڑ پودوں اور جانداروں اور مقامی فصلوں کا پتا لگایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ پیڑ پودوں کا سروے، علم حیات سے متعلق سروے، آثار قدیمہ سے متعلق سروے، انسانیات سے متعلق سروے، جنگل کا سروے وغیرہ کئی دوسرے سروے بھی کئے جاتے تھے۔ آج یہ تمام سروے اہم تاریخی ذرائع ثابت ہو سکتے ہیں۔

تصویر۔6 : شریفہ کا پودا

انیسویں صدی کے آخر میں ہر دس سال میں مردم شماری بھی کی جانے لگی۔ مردم شماری کے ذریعہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں رہنے والے لوگوں کی تعداد، ان کا مذہب، ذات، کاروبار اور تعلیمی سطح وغیرہ کے بارے میں اطلاعات جمع کی جاتی ہیں۔ ان اطلاعات کی بنیاد پر ان کی فلاح کے لئے مستقبل کے منصوبے تیار کئے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں پہلی اور آخری مردم شماری کب ہوئی؟ آخری مردم شماری میں پوچھے گئے کچھ سوالوں کو اپنے استاد کی مدد سے جمع کریں۔

ان سارے تاریخی ذرائع کے علاوہ ایک عام جاہل آدمی، آدیباسی، کسان، کھدانوں میں کام کرنے والے مزدور، فٹ پاتھ پر زندگی گزارنے والے غریب کیا سوچتے تھے۔ ان کے تجربات کیا تھے۔ اسے جاننے کے لئے ہم لوگوں کو بھی اور کوشش

کرنی پڑے گی۔ اس کے لئے ہمیں اس وقت کے شاعروں اور ناول نگاروں کی تخلیقات، مقامی بازاروں میں فروخت ہونے والی مقبول عام کتابیں، سفرنامے وغیرہ چیزوں کو ٹٹولنا ہوگا۔ آپ نے عظیم ناول نگار منشی پریم چند کے بارے میں ضرور سنا ہوگا۔ ان کی کئی تخلیقات جیسے غبن، گئودان اور کفن میں ایک معمولی آدمی کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کی تخلیقات میں اس عہد کے معاشرے کی تصویر بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

کچھ لوگ کہانیاں، ناول اور تاریخی واقعات پر مبنی فلم بھی بناتے ہیں۔ ان فلموں کے ذریعہ سے ہم تفریح کی شکل میں ماضی کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں۔

اگر آپ نے کچھ کہانیاں اور تاریخی واقعات پر مبنی فلم دیکھی ہے تو درجہ میں ساتھیوں کے درمیان اس کا تذکرہ کریں۔

تقریباً دو سو سال پہلے کیمرے کی ایجاد ہوئی تھی۔ ہندوستان میں اس کا استعمال **1850**ء کے دوران شروع ہوا تھا۔ **مغل حکومت** کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر ثانی کی تصویر دستیاب ہے۔ وہ پہلا اور آخری مغل بادشاہ تھا۔ جس کی تصویر کیمرے سے کھینچی گئی تھی۔ تاریخی ذرائع کی شکل میں افراد، مقامات اور چیزوں کی تصویریں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔

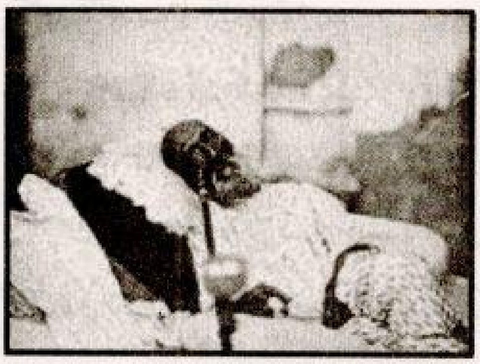

آپ نے ابھی تک تاریخی ذرائع کے بارے میں جانا۔ آیئے کچھ تاریخی ذرائع کو مختلف اخباروں، سی آئی ڈی رپورٹ اور کاغذات کے ذریعہ دیکھنے کی کوشش کریں۔

تصویر-7 : کیمرے سے لی گئی بہادر شاہ ظفر کی تصویر

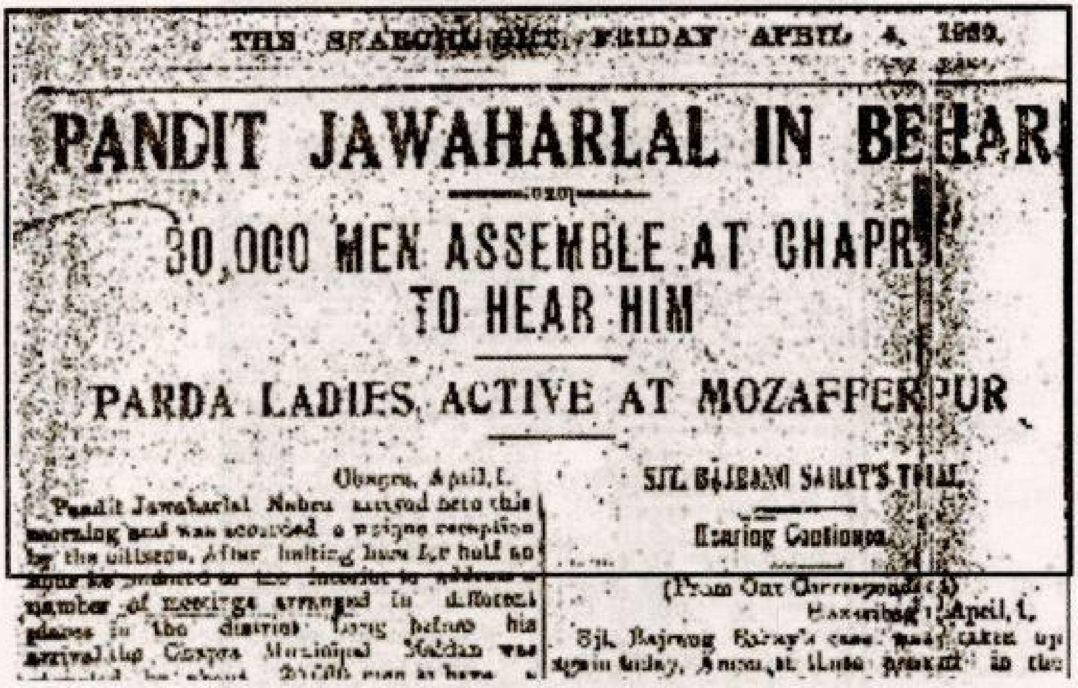

THE SEARCHLIGHT, FRIDAY APRIL 4, 1930.

PANDIT JAWAHARLAL IN BEHAR

30,000 MEN ASSEMBLE AT CHAPRA TO HEAR HIM

PARDA LADIES ACTIVE AT MOZAFFERPUR

SJT. BAJRANG SAHAY'S TRIAL

Hearing Continued

پنڈت جواہر لال نہرو کا بہار دورہ : تیس ہزار لوگ چھپرا میں جمع ہوئے تھے۔

• ذرائع •

31/مارچ 1930ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے چھپرہ سے اپنے جلسہ کا آغاز کیا۔ چھپرہ ریلوے اسٹیشن پر ڈاکٹر محمود اور تقریباً 400 کارکنوں نے ان کا استقبال کیا۔ 9 بجے صبح سے آس پاس کے علاقوں میں تقریباً آٹھ گاؤں میں جلسے ہوئے۔ انہوں نے تقریباً ہر جگہ لوگوں سے عدم تشدد کے طریقہ سے نمک قانون توڑنے کی گزارش کی۔ 31/مارچ کی رات کو بتیا کے لئے روانہ ہو گئے۔ اگلے دن پہلی اپریل کو بتیا میں تقریباً بیس ہزار لوگوں کے جلسہ کو مخاطب کیا۔ بتیا سے کار کے ذریعہ موتیہاری کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں دوپہر کو تقریباً دس ہزار لوگوں کے مجمع کو خطاب کیا۔ ہر جگہ لوگوں نے جوش وخروش سے ان کا استقبال کیا۔ اپنے بہار دورہ کے دوران انہوں نے سیتامڑھی، مظفرپور، حاجی پور اور چھپرہ ضلعوں میں لوگوں کو برٹش حکومت کے ذریعہ ممنوعہ نمک قانون توڑنے کے لئے متحرک کیا۔ 3/اپریل کو انہوں نے سارن ضلع میں چوکیداروں سے انگریزوں کی خدمت ترک کر دینے کی گزارش کی۔

• محکمہ سی آئی ڈی کی رپورٹ 1930 میمو نمبر۔3639 (ہندی سے ترجمہ)

BEHAR PREPARES FOR STRUGGLE

RALLYING ROUND CONGRESS BANNER

(From Various Correspondents)

PT. JAWAHAR LAL NEHRU

PANDIT JAWAHAR LAL'S TOUR

کانگریس کے پرچم تلے بہاری جدوجہد کے لئے تیار

SATYAGRAH IN BIHAR

CAMPAIGN IN FULL SWING IN SARAN

11 CHAUKIDARS AND ONE DAFADAR RESIGN

NARAYAN BABU GETS ONE YEARS' S. I.

Pt. Dharat Misir And Others Arrested

بہار میں ستیہ گرہ پورے ابال پر 11 چوکیدار اور ایک دفعدار نے انگریزی خدمت سے استعفیٰ دیا

आज

काशी चैत्र शुक्ल १० सं० १९८७ मंगलवार सौर २५ ... सं० १९८६ वै० ता० ८ अप्रैल सन् १९३० ई०

महात्माजीने नमककानून तोड़ डाला !

न रोकटोक, न पुलिस ।

बम्बई और अन्य स्थानोंमें भी सत्याग्रह ।

... और खेड़ा जिलेमें प्रमुख कार्यकर्ता गिरफ्तार ।

महात्माजीका संदेश

सत्याग्रहकी आम इजाजत ।

काशीमें सत्याग्रह

मंगलवार ८ अप्रैलसे आ...

आज

20 अप्रैल 1930

छपरा जिलेमें सत्याग्रह ।

७ कार्यकर्ताओंको सजा ।

१ दफादार और ११ चौकीदारोंके इस्तीफे ।

श्री राजेन्द्रप्रसाद गांव गांवमें नमक बनानेको कह गये ।

(संवाददाता द्वारा)

छपरा (सारन), ७ अप्रैल ।

आज

1930

बिहारमें दमनचक्र ।

पटनेमें चार गिरफ्तारियां ।

चम्पारनमें ११ कार्यकर्ताओंको सजा

पटना, १६ अप्रैल

पटना नगर कांग्रेस कमेटीके सभापति श्री अम्बिकाकान्त सिंह आज तीन स्वयंसेवकोंके साथ गिरफ्तार किये गये। ये लोग नमक बनानेके लिये ... को जा रहे थे। पुलिसने और इन्होंको भी यह कह कर रोका कि आपलोगोंने लैसेन्स नहीं लिया है, इसलिये पुलिस कानूनका उल्लंघन कर रहे हैं।

مختلف اخباروں میں شائع خبروں میں آپ کیا یکسانیت پاتے ہیں۔ درجہ میں استاد کی مدد سے مذاکرہ کریں

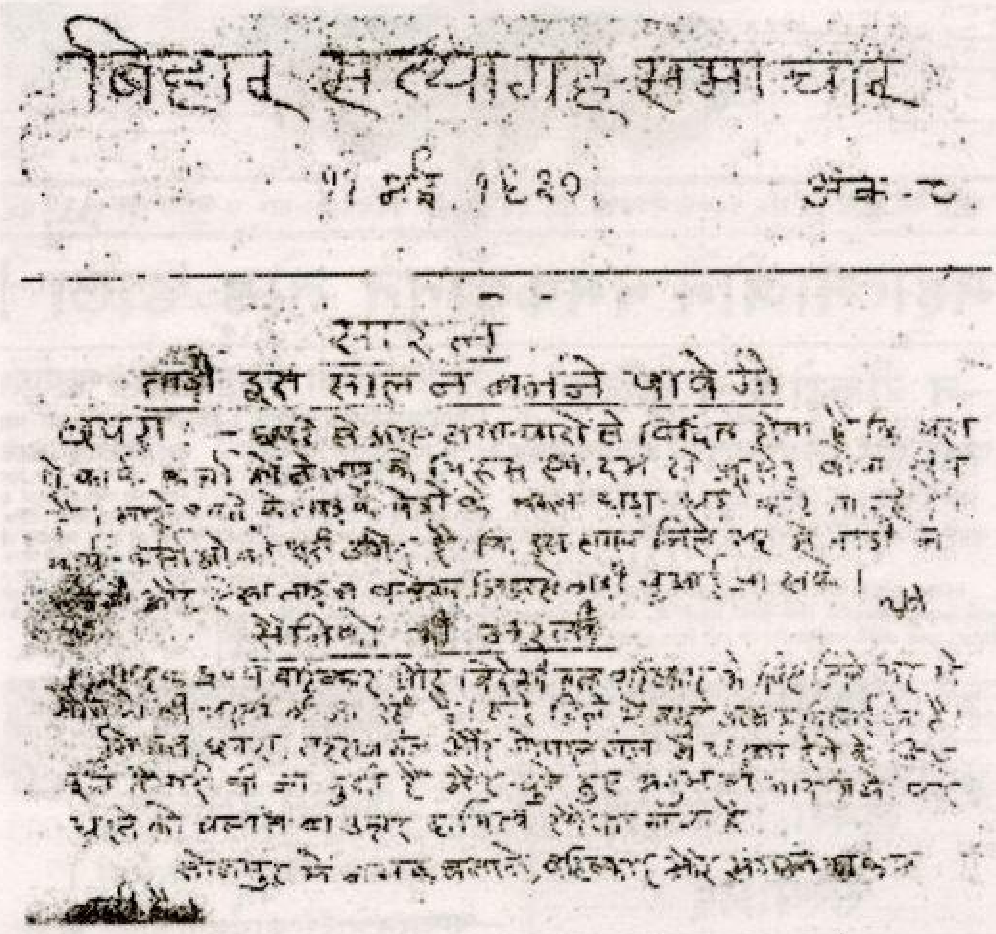

बिहार सत्याग्रह समाचार

११ मई, १९३०. अंक - ८.

सारन

सैनिकों की भरती

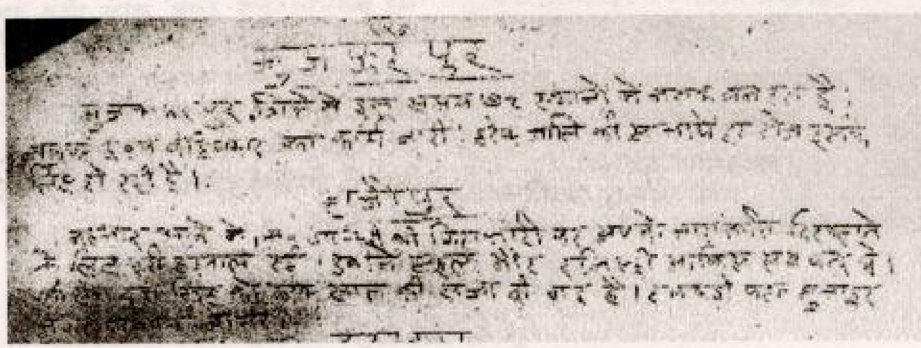

मुजफ्फरपुर

हजारीबाग

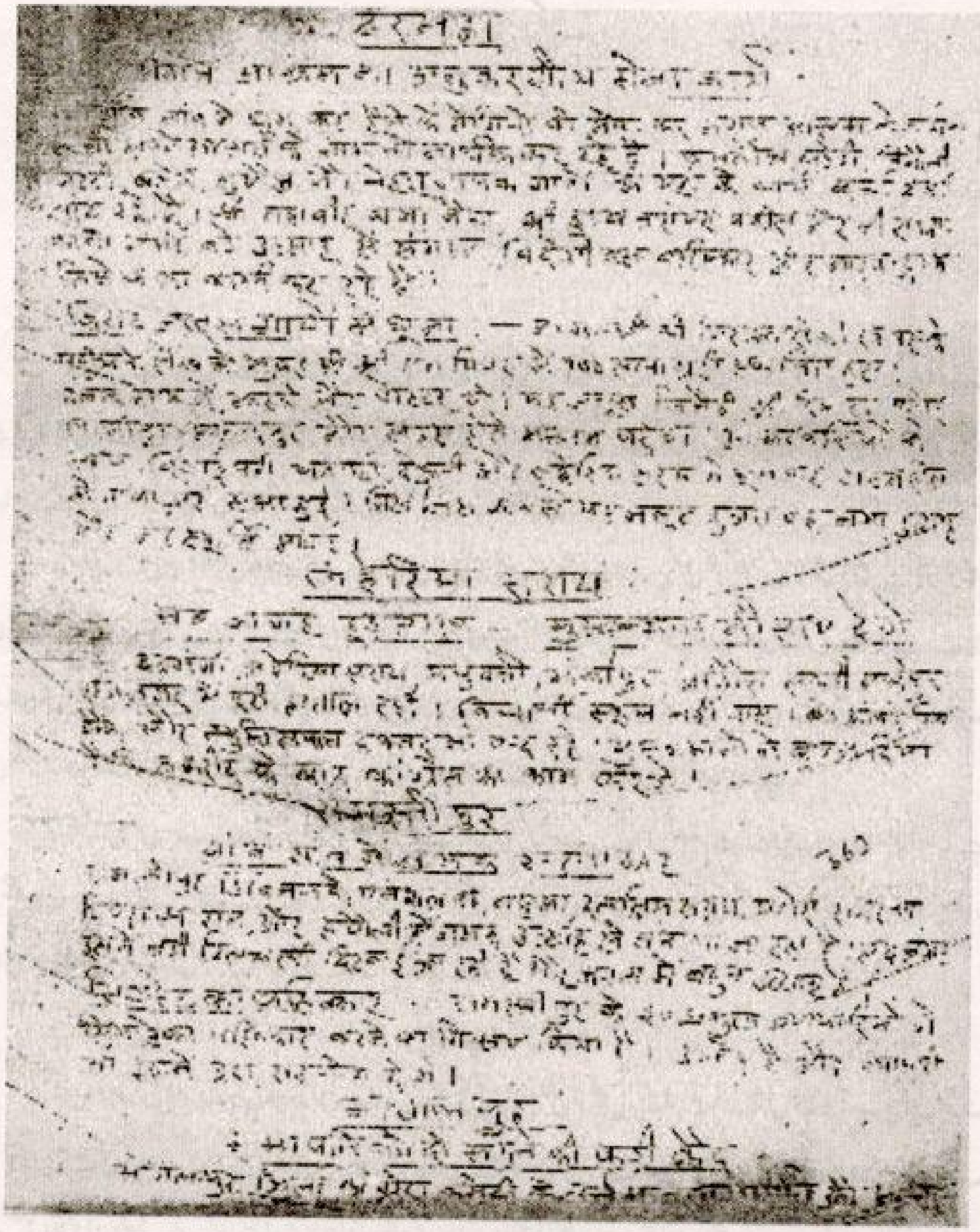

آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ جی۔18/1930

• ذرائع •

وائسرائے کے نام گاندھی جی کا خط

ستیا گرہ آشرم سابرمتی

2/مارچ 1930

پیارے دوست!

گزارش ہے کہ اس سے پہلے کہ میں سول نافرمانی تحریک شروع کروں اور شروع کرنے پر جس خطرے کو اٹھانے کے لئے میں اتنے سالوں سے ہچکچا تا رہا ہوں، اسے اٹھاؤں، اس امید سے میں آپ کو یہ خط لکھنے جا رہا ہوں۔ اگر مصالحت کا کوئی راستہ نہیں نکل سکے تو اس کے لئے کوشش کر کے دیکھیں۔

عدم تشدد میں میرا یقین تو ظاہر ہی ہے۔ جان بوجھ کر میں کسی بھی جاندار پر کسی بھی طرح کا تشدد نہیں کر سکتا تو پھر انسانی تشدد کی بات ہی کیا ہے؟ پھر بھلے ہی ان لوگوں نے میرا یا جنہیں میں اپنا سمجھتا ہوں، ان کا میں نے بڑے سے بڑا نقصان ہی کیوں نہ کیا ہو اس لئے جو بھی ہو میں برٹش حکومت کو ایک مصیبت سمجھتا ہوں تاہم میں یہ کبھی نہیں چاہتا کہ ایک بھی انگریز کو یا ہندوستان میں حاصل شدہ اس کے ایک بھی مناسب مفاد کو کسی طرح کا نقصان پہنچے۔

تو پھر میں کس سبب سے انگریزی حکومت کو لعنت سمجھتا ہوں؟ وجہ یہ ہے اس حکومت نے ایک ایسا نظام قائم کیا ہے کہ جس کی وجہ سے ملک ہمیشہ کے لئے بڑھتے ہوئے نتائج میں برابر چوسا جاتا رہے اس کے علاوہ اس نظام کا فوجی اور دیوانی خرچ اتنی زیادہ تباہی لانے والا ہے کہ ملک اسے نکالے۔

اگر آپ نہ سنیں گے تو!

لیکن اگر درج بالا برائیوں کو دور کرنے کا کوئی علاج آپ تلاش کر لیں گے اور میرے اس خط کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوگا تو اس مہینے کی گیارہویں تاریخ کو میں اپنے آشرم میں جتنے ساتھیوں کو لے جا سکوں گا اتنے ساتھیوں کے ساتھ نمک سے متعلق قانون کو توڑنے کے لئے قدم بڑھاؤں گا۔ غریبوں کے نقطۂ نظر سے یہ قانون مجھے سب سے زیادہ ظالمانہ معلوم ہوتا ہے۔ آزادی کی یہ لڑائی خاص کر اسی ناانصافی کے احتجاج سے ہی شروع کی جائے گی۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی۔ جی۔ 1930/29 (ہندی سے اردو ترجمہ)

وقت کے ساتھ تبدیلی:

درجہ سات میں ہم لوگوں نے پڑھا تھا کہ وقت کے ساتھ ہمارے سماج میں کئی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں کبھی الفاظ کے معنی، کبھی جگہوں کے نام، کبھی جغرافیائی حدود اور طرز حیات کے تناظر میں ہوتی رہتی ہیں۔

برصغیر ہند میں جدید ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان، نیپال، بھوٹان اور مالدیپ شامل ہیں۔ ان میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش برطانوی ہند کا اٹوٹ حصہ تھے۔ میانمار (متعلقہ عہد کا برما) اور سری لنکا (اس عہد کا سیلون) بھی 1937ء تک انگریزوں کے ایشیائی سامراج کے حصہ تھا۔ آزادی کے بعد ہمارا ملک ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ بلوچستان، سندھ، مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال پاکستان میں چلے گئے۔ بعد میں پاکستان کا مشرقی حصہ الگ ہوکر بنگلہ دیش کے نام سے آزاد ملک بن گیا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں بہار اور اڑیسہ بھی بنگال صوبہ کا حصہ تھا۔ 1912ء میں بہار اور اڑیسہ کو بنگال سے الگ کر کے ایک نئے صوبہ کی شکل میں منظم کیا گیا۔ 1936ء میں اڑیسہ کو بہار سے الگ کر دونوں کو الگ صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ پھر 15 نومبر 2000ء کو بہار سے اس کے جنوبی پہاڑی علاقہ کو الگ کر کے جھارکھنڈ صوبہ بنایا گیا۔

موجودہ بہار

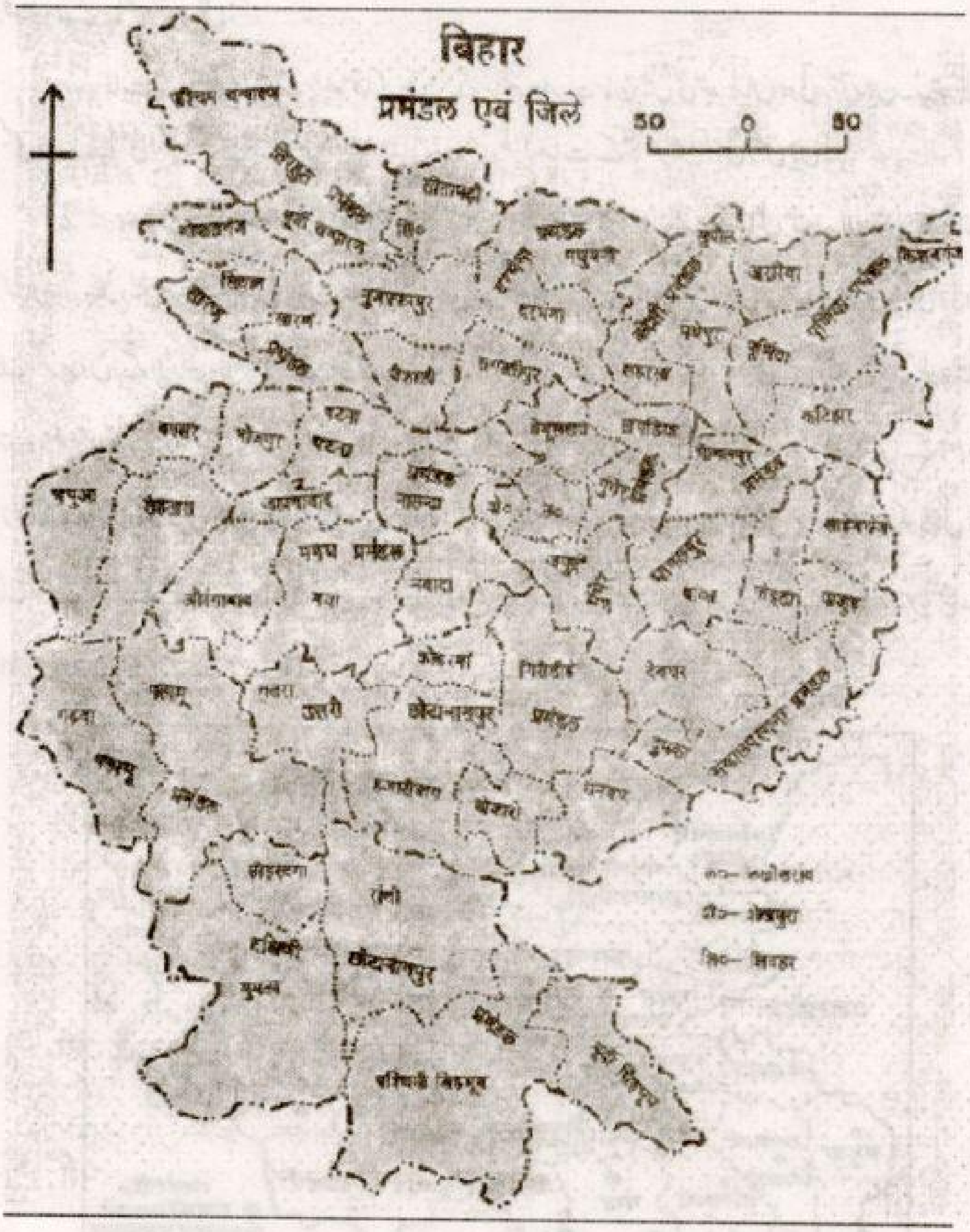

تقسیم کے قبل بہار

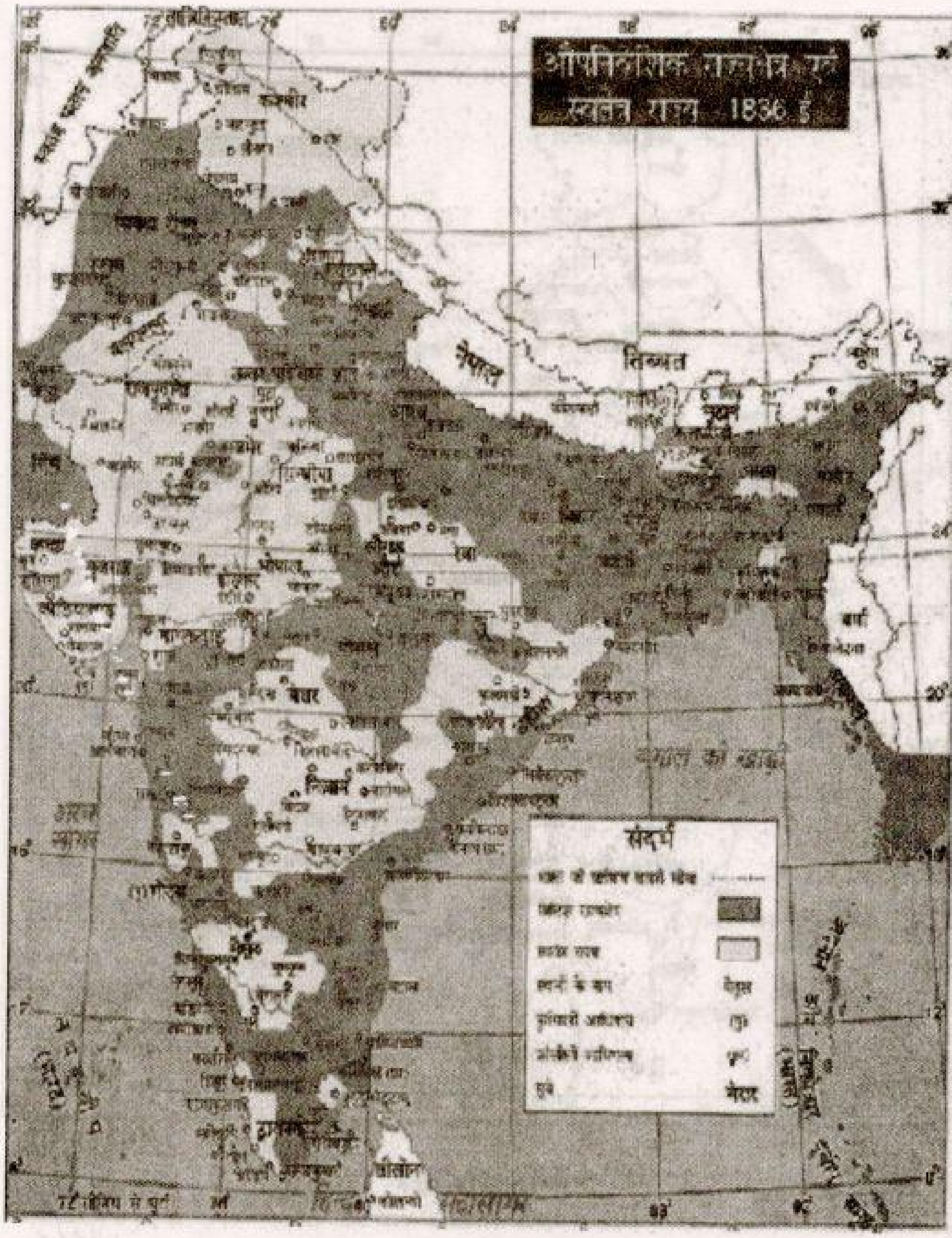

آزادی کے قبل کا ہندوستان

موجودہ ہندوستان

سرگرمیاں :

ہندوستان اور بہار کے ان چار الگ الگ نقشوں سے آپ کو کس طرح کی جانکاری حاصل ہو رہی ہے۔ سوچ کر بتائیے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. خالی جگہوں کو بھریئے :

(الف) سرمایہ داروں کا خاص مقصد تھا زیادہ سے زیادہ......................کمانا۔

(ب) پندرہویں صدی میں ایک نئی تحریک کی ابتداء ہوئی جسے......................کہتے ہیں۔

(ج) مشینوں کے ذریعہ سامانوں کی پیداوار کے عمل کو......................انقلاب کہتے ہیں۔

(د) ....میں سرکاری دستاویزوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

(ہ) وقت کے ساتھ ملک اور صوبہ کی......................سرحدوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

2. صحیح اور غلط بتایئے۔

(الف) سائنسی طریقہ کے معنی ہیں سوال پیش کر کے عملی تجربہ کے ذریعہ علم حاصل کرنا۔

(ب) انگریز مؤرخ جیمس مل کا ہندوستانی تاریخ کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا مناسب تھا۔

(ج) امریکی تحریک آزادی کے بعد وہاں کے لوگوں نے جمہوری طرز کی ابتداء نہیں کی۔

(د) تاریخی ذرائع سے ایک آدمی کے بارے میں بھی جانکاری ملتی ہے۔

(ہ) آزادی کے پہلے ہمارے ملک کی جو جغرافیائی سرحد تھی، آزادی کے بعد بھی وہی رہ گئی۔

آیئے غور کریں :

(i) عہد وسطیٰ اور جدید عہد کے تاریخی ذرائع میں آپ کیا فرق پاتے ہیں؟ مثالوں کے ذریعہ لکھئے۔

(ii) جیمس مل نے ہندوستانی تاریخ کو جس طرح ادوار میں تقسیم کیا اس سے آپ کہاں تک متفق ہیں؟

(iii) سرکاری دستاویزوں کو ہم کیسے اور کہاں کہاں محفوظ رکھ سکتے ہیں؟

(iv) یورپ میں ہوئی تبدیلیاں کس طرح جدید عہد کی تعمیر میں معاون ثابت ہوئیں؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) ہندوستان میں پہلی اور آخری مردم شماری کب ہوئی؟ معلوم کریں۔ اس کے ذریعہ کچھ ایسے عناصر اور اطلاعات کا تصور کریں جن کا استعمال ہم تاریخی ذرائع کی شکل میں کر سکیں۔

باب-2

ہندوستان میں انگریزی حکومت کا قیام

اس باب میں ہم انگلینڈ کی تجارتی کمپنی کے بارے میں پڑھیں گے جو ہمارے ملک میں بنیادی طور پر تجارت کرنے آئی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ اس ملک پر حکومت کرنے لگی۔ یہ سیاسی حادثہ اچانک پیش نہیں آیا۔س کے پس منظر میں حادثات کا ایک تسلسل تھا۔ہم اس پورے عمل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

درجہ 7 میں پڑھی گئی باتوں کی بنیاد پر بتائیں کہ :

(i) آٹھویں صدی میں کس ملک کے تاجر ہندوستان میں تجارت کرنے آئے تھے؟

(ii) 1707ء میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب کی موت کے بعد ہندوستان میں کون کون سی حکومت بنی؟

(iii) کچھ ایسے یورپی ممالک کے نام بتایئے جو پندرہویں سے سترہویں صدی کے درمیان تجارت کے مقصد سے ہمارے ملک میں آئے۔

ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارت:

ہندوستان اور یورپ کے درمیان قدیم زمانے سے ہی تجارتی تعلقات تھے۔ خشکی کے حصے سے ہونے والی اس تجارت میں عرب تاجروں کا کردار بہت اہم تھا۔ وہ ہندوستانی تاجروں اور کاریگروں سے سامان خرید کر عرب کے بازاروں میں لاتے تھے جہاں سے یورپ کے تاجر اسے خرید کر اپنے ملک کے بازاروں تک پہنچاتے تھے۔ اس طرح کی تجارت سے یورپ کے لوگوں تک یہ سامان پہنچتے پہنچتے مہنگے ہو جاتے تھے۔ ساتھ ہی اس تجارت میں یورپ کے تاجروں کا منافع بھی کم ہوتا تھا۔

پندرہویں صدی عیسوی کے آس پاس یورپ کے تاجروں نے بحر احمر سے ہوتے ہوئے خشکی کے راستے سے ہندوستان آنا شروع کیا۔ لیکن اس میں انہیں کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ خشکی کے راستے سے یورپ تک مال پہنچانے

میں وقت کافی زیادہ لگتا تھا اور ہمیشہ راستے میں لٹ جانے کا خوف لگا رہتا تھا بہت سارے مقامات پر انہیں چنگی بھی دینی پڑتی تھی اس کے علاوہ عرب کی تاجر جماعت ان کے لئے بہت طرح کی مشکلیں کھڑی کرتے تھے۔ اس لئے یورپ کے تاجروں کے لئے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ وہ ایشیا اور ہندوستان کے لئے ایک ایسے راستے کی تلاش کریں جس میں یہ ساری مشکلیں نہ ہوں۔

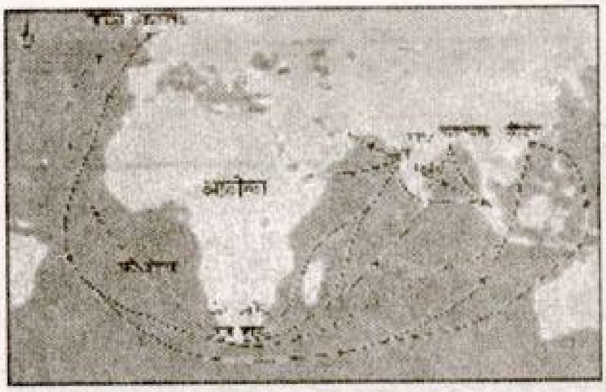

تصویر۔1 : اٹھارہویں صدی میں تک آنے والے راستے

آپ نے درجہ سات میں پڑھا ہے کہ اس سمت میں سب سے پہلی کامیابی پرتگال کے جہاز رانوں کو حاصل ہوئی۔ پرتگال کا جہاز راں واسکوڈی گاما 1498 میں یورپ سے ہوکر افریقہ کا چکر لگاتا ہوا تماشا انترد یپ (کیپ آف گڈ یوپ) کے راستے سے ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع کالی کٹ بندرگاہ پر پہنچا۔ کالی کٹ کے حکمران نے واسکوڈی گاما کو اپنے یہاں تجارت کرنے کی اجازت اور سہولت دی۔

واسکوڈی گاما ہندوسان سے جن چیزوں کو لے کر واپس لوٹا اسکو بیچ کر اس نے اپنے سفری اخراجات سے ساٹھ گنا زیادہ نفع کمایا اس سے پرتگال کے تاجر اور جہاز رانوں کو بہت حوصلہ ہوا اور ان کے ہندوستان آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آگے چل کر پرتگالی تاجروں نے ہندوستان میں کالی کٹ، گوا، دمن اور دیو اور ہگلی کے بندرگاہوں میں اپنی تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ انہوں نے ہندوستان میں سیاسی حکومت قائم کرنے کی کوشش بھی کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

واسکوڈی گامانے ہندوستان سے واپس جاتے وقت کن کن چیزوں کو خریدا۔ اس کی ایک فہرست بنائیے۔

ہندوستان میں پرتگالی تاجروں کی کامیابی نے یورپ کے دیگر ممالک کے تاجروں کو بھی متحرک کیا اور وہ بھی اسی راستے سے ہندوستان آنے لگے۔ اس طرح یورپ کے کئی ممالک میں ہندوستان اور ایشیا کے دیگر حصوں سے تجارت کرنے کے لئے

تجارتی کمپنیاں قائم کی گئیں۔ ان میں پرتگال کے علاوہ ہالینڈ، انگلینڈ، فرانس اور ڈنمارک کی کمپنیاں خاص تھیں۔ انہیں کمپنیوں میں سے ایک کمپنی نے آگے چل کر ہمارے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اتنا ہی نہیں اس نے ہمارے ملک پر تقریباً دو سو سالوں تک حکومت بھی کی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام :

31 دسمبر 1600ء کو انگلینڈ کے کچھ تاجروں نے لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی تھی۔ انگلینڈ کی ملکہ ایلزابیتھ اول نے اس کمپنی کو پندرہ سالوں کے لئے مشرق (ایشیائی ممالک) کے ساتھ تجارت کرنے کا اختیار دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگلینڈ کے صرف اسی کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کا اختیار تھا۔ انگلینڈ کا کوئی دیگر شخص یا تاجروں کی جماعت ہندوستان کے ساتھ تجارت نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح یہ کمپنی ہندوستان سے سامان خرید کر یورپ میں زیادہ قیمت میں بیچ سکتی تھی۔

لیکن ذرا سوچئے کہ کیا ایسٹ انڈیا کمپنی کو چیلنج کرنے والی دیگر یورپ کی کمپنیاں نہیں تھیں۔ پرتگال تو پہلے سے ہی ہندوستان کے ساتھ تجارت کر کے منافع کما رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہالینڈ فرانس اور ڈنمارک جیسے ممالک کی تجارتی کمپنیوں کے مفاد بھی انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے ٹکرانے لگے۔ تمام کمپنیاں ایک جیسی چیزیں جیسے باریک سوتی کپڑے، ریشم، ململ، نیل اور شورا وغیرہ خریدتی تھیں۔ یورپ میں سوتی کپڑوں کی پیداوار بالکل نہیں ہوتی تھی۔ وہاں سوتی کپڑوں کا استعمال گرمیوں میں کیا جاتا تھا۔ اور اونی کپڑوں کے اندر بستر کی شکل میں جاڑوں میں بھی کیا جاتا تھا۔ اس سے اونی کپڑے پہننے میں زیادہ ملائم اور آرام دہ ہوتے تھے۔ پورے یورپ میں ہندوستان کے مسالوں کی زیادہ مانگ تھی۔ ٹھنڈا ملک ہونے کی وجہ سے یورپ کے لوگوں کے کھانے میں گوشت کا استعمال کافی ہوتا تھا۔ جسے لذیذ بنانے کے لئے اور گوشت کو زیادہ دیر تک قابل استعمال بنائے رکھنے کے لئے ان مسالوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جاڑے کے موسم کی سخت سردیوں میں صرف انہیں

> انہیں بھی جانیں!
>
> تجارتی مزاج : تجارتی مزاج کا مطلب نفع کمانے کے مقصد سے کی گئی تجارتی سرگرمیاں ہیں۔ اس میں کسی ملک کی پونجی کا اندازہ اس کے پاس جمع قیمتی اسباب خصوصاً سونے کی مقدار پر منحصر کرتا ہے۔

مسالوں کے استعمال سے یورپ کے لوگ گوشت کھا سکتے تھے۔اسی طرح نیل کا استعمال کپڑا رنگنے کے لئے ہوتا تھا۔شورا بارود بنانے کے کام آتا تھا۔یورپ میں ان تمام چیزوں کی کمی تھی۔اس کے برخلاف یورپ میں پیدا ہونے والی بہت کم ہی چیزیں ہندوستان کے لوگوں کے کام آتی تھیں۔اس لئے یورپ کی کمپنیاں خاص طور سے سونا چاندی دے کر ہندوستان سے سامان خریدتی تھیں۔زیادہ سے زیادہ سامان خریدنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے ان تمام کمپنیوں میں ہوڑ لگی رہتی تھی۔اس کا سب سے زیادہ فائدہ ہندوستان کے کاریگروں اور چھوٹے تاجروں کو ہوتا تھا۔ان کا سامان تیار ہونے کے پہلے ہی فروخت ہو جایا کرتا تھا اور وہ بھی کافی اچھی قیمتوں پر۔

مگر اس ہوڑ کا دوسرا پہلو بھی تھا۔جو کمپنی زیادہ سامان لے کر یورپ کے بازار میں جاتی تھیں اسے زیادہ منافع ہوتا تھا۔ ساتھ ہی اگر ایک ہی طرح کے سامان ایک سے زیادہ کمپنی بیچتی تھی تو اس سامان کی قیمت بازار سے کم ہو جاتی تھی۔اس لئے یہ کمپنیاں ہمیشہ اس کوشش میں رہتی تھیں کہ دوسری کمپنیوں کو مقابلے سے باہر کردیں۔زیادہ منافع کمانے اور بازار کو ایک طرفہ قابو میں رکھنے کی ہوڑ میں ان کمپنیوں کے بیچ پر تشدد جھگڑے بھی ہونے لگے۔

آج کل کی تجارتی کمپنیاں زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لے کیا کرتی ہیں؟

ان کمپنیوں کے ذریعہ جو مال ہندوستان میں خریدا جاتا تھا انہیں جہازوں پر لادے جانے تک محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی تھی۔یہ خریدا گیا مال فیکٹری میں رکھا جاتا تھا۔اس وقت اس لفظ کے معنٰی سامان بنانے کی جگہ کی بجائے ایک ایسے گودام سے تھا جس کی قلعہ بندی ہو سکے۔جو دیواروں سے گھرا ہوا اور جہاں حملہ آوروں سے حفاظت ہو سکے۔ان فیکٹریوں کی حفاظت کے لئے فوجیوں کی بحالی کی جاتی تھی۔جنہیں یورپ کے طریقوں سے تربیت دی جاتی تھی۔تعداد میں کم ہونے کے باوجود یہ فوجی باضابطہ تربیت کی وجہ سے کئی ہندوستانی صوبوں کے مقابلے میں زیادہ لائق ہوتے تھے۔

انگریز فرانسیسی ٹکراؤ۔۔اٹھارہویں صدی کی ابتدا تک انگریزوں اور فرانسیسیوں نے دیگر یورپی کمپنیوں کو ان اہم ترین مقامات سے ہٹا دیا جو انہوں نے ایشیا اور یورپ کے بیچ کے تجارت کے لئے قائم کئے تھے۔اب انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا

کمپنی کا خاص مقابلہ سیدھے طور پر فرانس کی فرنچ ایسٹ کمپنی کے ساتھ تھا۔ انگلینڈ اور فرانس کی سرکاریں بھی اپنی اپنی کمپنیوں کو ٹکراؤ کی صورت میں حمایت ہر ممکن فوجی اور اقتصادی مدد کرتی تھیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان میں مغل حکومت کمزور ہو چکی تھی اور اس کی جگہ کئی چھوٹی بڑی حکومتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ وہ طاقتور نہیں تھیں اور ہمیشہ اپنی پڑوسی ریاستوں کے ساتھ جنگ کرتی رہتی تھیں۔ ان کمپنیوں نے انہیں حالات کا فائدہ اٹھایا۔ ان کمپنیوں نے ان حکومتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی ٹیکس میں چھوٹ کے علاوہ حکومت میں اختیار کے حصول کے لئے وہ ان حکومتوں کو فوجی مدد دینے کا وعدہ بھی کرتے تھے۔

انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں کئی مقامات جیسے سورت، مچھلی پٹنم، ہگلی، پٹنہ اور قاسم بازار وغیرہ میں اپنی فیکٹریاں قائم کیں۔ اکثر انہیں مقامات کے آس پاس فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کی بھی فیکٹریاں تھیں۔ اس کے علاوہ فرانسیسیوں نے مشرقی ساحل پر چندن نگر، بالا ور اور مغربی ساحل برما میں فیکٹریاں قائم کی تھیں۔ فرانسیسیوں کا مرکزی دفتر ہندوستان کے جنوب مشرقی سمندری ساحل پر پانڈیچیری (موجودہ پودوچیری) میں تھا۔ اس صوبہ میں انگریزوں کا خاص مرکز فورٹ سینٹ جارج (مدارس) میں تھا۔ اس وقت یورپ میں انگلینڈ اور فرانس کے درمیان حریفانہ مقابلہ تھا۔ یورپ میں جب ان دونوں ملکوں میں ٹکراؤ شروع ہوا تو ہندوستان میں بھی ان دونوں کمپنیوں کے بیچ ٹکراؤ کی ابتداء ہوئی۔ یہ ابتداء جنوبی ہند میں کرناٹک میں ہوئی۔

تصویر-2: ہگلی ندی کے کنارے انگریزی فیکٹری

کرناٹک مغل حکومت کا ایک صوبہ تھا جو تقریباً آزاد ہو چکا تھا۔ فرانسیسی کمپنی کا مرکزی دفتر ان کی سرحد کے کافی قریب تھا۔ 1740ء کے آس پاس کرناٹک کے نواب نے یہ دیکھ کر کہ اس کے صوبے میں فرانسیسیوں کی طاقت

بڑھتی جارہی ہے اس کے خلاف ایک فوج بھیجی اس جنگ میں کرناٹک کی فوج ہار گئی۔اس لڑائی کے نتیجہ نے ثابت کردیا کہ ایک چھوٹی فوج بھی، اگر اس میں اصول وضابطہ ہو انہیں پابندی سے تربیت اور مشاہرہ دیا جائے انہیں یورپ کی بنی ہوئی نئی بندوقیں دی جائیں تو ہندوستانی فوج کی بڑی تعداد کو ہرا سکتی تھی۔

1750ء کے آس پاس وراثت کا ٹکراؤ شروع ہوا جس سے فرانسیسی اور انگریز کمپنیاں آمنے سامنے آگئیں۔اس میں انگریز کمپنی اپنی پسند کے آدمی کو کرناٹک کا نواب بنانے میں کامیاب رہی اور فرانسیسیوں کو ایک بڑا جھٹکا لگا۔

تصویر۔ 3 : سراج الدولہ

انگریز اور بنگال : کرناٹک کے بعد ٹکراؤ کا حلقہ جنوب سے شمال مشرق کی طرف بنگال تک پہنچ گیا بنگال میں انگریزوں نے کولکاتہ میں اپنی فیکٹری قائم کررکھی تھی بنگال مغل حکومت کا ایک دولت منداور بڑا صوبہ تھا۔اس میں جدید بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھا مغلوں کی مرکزی حکومت کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر بنگال کے دیوان مرشد قلی خان نے اپنے کو ایک آزاد حکمراں کا اعلان کررکھا تھا۔ویسے وہ مغل شہنشاہ کو پابندی سے محصول بھیجتے رہے مرشد قلی خان کے بعد علی وردی خان 1740ء میں بنگال کا نواب بنا۔اس نے بنگال میں ایک کامیاب حکومت قائم کی۔علی وردی خان نے یورپ کے تاجروں کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اس کا ناتی سراج الدولہ نواب بنا۔سراج الدولہ بہت ہی بیدار مغز حکمراں تھا وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خطرناک ارادوں کو بھانپ چکا تھا اس لئے وہ کمپنی کو بہت زیادہ تجارتی مراعات دینے کے حق میں نہیں تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے سراج الدولہ ایک ناپسندیدہ شخص تھا اسی لئے انہوں نے سراج الدولہ کے خاندان میں سازشوں کا جال پھیلانا شروع کردیا۔ کمپنی کا مقصد سازشوں کے ذریعہ ایسا اختلاف اور نفاق پیدا کرنا تھا جس سے حکومت اس حد تک کمزور ہوجائے کہ وہ حکومت میں بھی دخیل ہوجائیں۔

اس کا وقت کا بنگال

ایک انگریز مورّخ ایس سی ہل اس وقت کے بنگال کے کسانوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے درمیان میں بنگال کے کسانوں کی حالت اس وقت کے فرانس یا جرمن کے کسانوں کی حالت سے بڑھ کر تھی۔ اگر اس وقت کے شہروں کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو بنگال کی راجدھانی، مرشد آباد کے بارے میں خود انگریز سپہ سالار کلایو لکھتا ہے :

''مرشد آباد کا شہر اتنا ہی لمبا، چوڑا، آباد، اور دولت مند ہے جتنا کہ لندن کا شہر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ لندن کے دولت مند سے دولت مند انسان کے پاس جتنی جائداد ہو سکتی ہے اس سے بے انتہا زیادہ جائداد مرشد آباد میں کئی لوگوں کے پاس ہے۔''

آج مرشد آباد شہر کی حالت کیا ہے؟ پتہ کریں۔

بنگال میں تجارت سے حکومت تک : بنگال میں پہلی انگریزی فیکٹری 1651ء میں ہگلی ندی کے کنارے قائم ہوئی۔ تجارت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے چاروں طرف کمپنی کے افسر اور تاجر بھی بسنے لگے۔ رفتہ رفتہ کمپنی نے اس آبادی کے چاروں طرف ایک قلعہ بنانا شروع کیا۔ اس

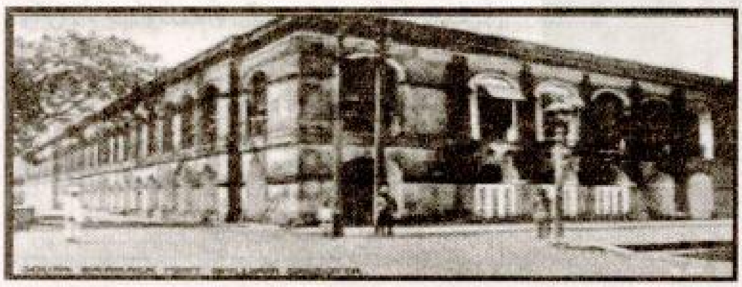

تصویر۔ 4 : فورٹ ولیم

قلعے کا نام فورٹ ولیم رکھا گیا۔ کمپنی نے اپنے تجارت کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے 1696ء میں 1200 سو روپے ادا کر کے تین گاؤں کی زمینداری یعنی محصول جمع کرنے کا اختیار حاصل کرلیا۔ یہ تین گاؤں تھے گووند پور، سوتا ناتی اور کالی کوتا۔

تینوں گاؤں کے ملنے کے بعد آگے چل کر انہیں کلکتہ کہا جانے لگا۔ اب اسے کولکاتہ کہا جاتا ہے۔

کمپنی کی فیکٹری مدراس اور بمبئی میں بھی تھی۔ آج ان جگہوں کو کس نام سے جانا جاتا ہے؟

کمپنی نے مغل شہنشاہ فرخ سیر سے 1717ء میں ایک شاہی فرمان حاصل کیا۔ اس کے مطابق کمپنی صرف تین ہزار روپئے سالانہ ٹیکس بغیر کسی مزید ٹیکس کے بنگال میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اس فرمان کے بعد کمپنی اس صوبے میں جو مال خریدتی تھی اس پر اسے کوئی ٹیکس نہیں دینا پڑتا تھا۔

ذرا سوچئے بغیر ٹیکس کی ادائیگی کے تجارت کرنے کے کیا نتائج ہوئے ہوں گے۔

تصویر۔ 5 : قاسم بازار

اس پورے نظام سے بنگال کے محصولات کو کافی نقصان ہو رہا تھا۔ کمپنی کو ملی اس چھوٹ کا فائدہ کمپنی کے کارکن اپنے ذاتی کاروبار کے لئے بھی کر رہے تھے۔ بنگال کے نواب سراج الدولہ کو یہ نظام پسند نہیں آیا۔ اس نے کمپنی کو بغیر ٹیکس تجارت کرنے سے منع کر دیا۔ اس نے کمپنی پر فریب کا الزام لگاتے ہوئے اس کے قلعہ بندی کی توسیع پر روک لگا دی۔ کمپنی بھی اب یہ سمجھ رہی تھی کہ اگر بنگال کی تجارت کو محفوظ رکھنا ہے تو سراج الدولہ کو نواب کے عہدے سے ہٹانا ہوگا۔ اس کے لئے کمپنی نے بنگال کی سیاست کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اس نے سراج الدولہ سے ناراض لوگوں کے ساتھ گانٹھ شروع کر دی۔ سراج الدولہ کی جگہ کمپنی ایک ایسا نواب چاہتی تھی جو اس کے اشاروں پر چل سکے۔ اس کے لئے کمپنی نے بنگال کے دو بڑے تاجر امین چند اور جگت سیٹھ کے ساتھ ساتھ نواب کے سپہ سالار میر جعفر کو اپنی طرف ملا لیا۔ کمپنی کی کوشش یہ تھی کہ سراج الدولہ سے ناراض لوگوں میں سے کسی کو نواب بنا دیا جائے۔

تصویر۔ 6 : پلاسی جنگ

جواب میں سراج الدولہ نے اپنے قریب (تیس ہزار) 30000 سپاہیوں کے ساتھ قاسم بازار میں واقع انگلش فیکٹری پر حملہ بول دیا۔ کمپنی کی فوج کی قیادت رابرٹ کلایو کر رہا تھا۔ آخر کار جون 1757ء میں مرشد آباد کے پاس پلاسی میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں نواب کی فوج ہار گئی۔ سراج الدولہ مارا گیا اور میر جعفر کو بنگال کا نواب بنا دیا گیا۔ اس لڑائی کے ساتھ ہندوستان میں کمپنی کی حکومت کے قیام کے امکانات مستحکم ہونے لگے۔

انہیں بھی جانیں

پلاسی کا اصلی نام فلاشی تھا جسے انگریزوں نے بگاڑ کر پلاسی کر دیا تھا۔ یہ جگہ پلاشی کے پھولوں کی وجہ سے پلاشی کے نام سے مشہور تھی۔ پلاش کے خوبصورت لال پھولوں سے گلال بنایا جاتا ہے۔ جس کا ہولی میں استعمال ہوتا ہے۔

یکم جنوری 1759ء کو انگلینڈ کے وزیر اعظم ولیم پٹ کے نام کلایو نے یہ خط لکھا :

انگریزی فوج کی کامیابی سے ایک عظیم انقلاب اس ملک میں برپا ہو چکا ہے۔ اس انقلاب کے بعد ایک معاہدہ کیا گیا ہے۔ جس سے کمپنی کو بڑے زبردست فائدے ہوئے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان سب باتوں کی طرف ایک حد تک انگریز قوم کا دھیان متوجہ ہو چکا ہے لیکن موقع ملنے پر کمپنی اس طرح کی کوششوں میں لگی رہے گی۔ جو اسے آج کل کے اتنے بڑے علاقے اور آگے کے زبردست امکانات

تصویر 7: رابرٹ کلائیو

دونوں کے مطابق ہو۔ میں نے کمپنی کو انتہائی زوردار لفظوں میں اس بات کی ضرورت بتادی ہے کہ انہیں اتنی فوج ہندوستان بھیج دینی چاہئے اور برابر ہندوستان میں رکھنا چاہئے جس سے وہ اپنے اس وقت کے دولت اور علاقے کو اور بڑھانے کے سب سے پہلے موقع سے فائدہ اٹھاسکے۔ دو سال کی محنت اور تجربے سے میں نے اس ملک کی حکومت کے بارے میں اور یہاں کے لوگوں کے مزاج کے بارے میں جو پختہ علم حاصل کیا ہے اس سے میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کا موقع جلدی ہی پھر آنے والا ہے۔

اس جیت کے بعد کمپنی کی ٹیکس فری تجارت پھر شروع ہوگئی۔ کمپنی چاہتی تو بنگال کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتی تھی۔ لیکن تجارت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ منافع کمانا اس کے لئے زیادہ اہم تھا۔ اس منافع کے علاوہ میر جعفر نے کمپنی کے بڑے افسران کو نذرانہ یا رشوت کی شکل میں بھاری رقم دی۔ کمپنی کے افسران کے مطالبوں کو پورا کرنے میں خزانہ خالی ہونے لگا۔ پھر بھی کمپنی مطمئن نہیں تھی۔ جلد ہی میر جعفر کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے اس کی مخالفت کی۔ اس مخالفت کے بعد کمپنی نے میر جعفر کو ہٹا کر اس کے داماد میر قاسم کو 1760ء میں بنگال کا نواب بنادیا۔ میر قاسم نے نواب بننے کی خوشی میں کمپنی کو بردوان، مدناپور اور چاٹ گاؤں ضلع کی زمینداری سونپ دی۔ لیکن دوسری طرف اس نے کمپنی پر اپنے مکمل انحصار کی حالت کو سمجھا۔ اس نے کمپنی کے شکنجے سے چھٹکارا پانے کے لئے کئی قدم اٹھائے۔ اس نے میر جعفر کے ان سبھی افسروں کو ہٹانا شروع کیا جو کمپنی سے ملے ہوئے تھے۔ اس نے بنگال کی معاشی حالت کو بھی سدھارنے کی کوشش کی۔ کمپنی اور اس کے افسران اور

عملے مغل شاہنشاہ فرخ سیر کے ذریعہ حاصل شاہی فرمان کے ذریعہ ملی مراعات کا بیجا استعمال کر رہے تھے۔ وہ بغیر چنگی دیئے ہی تجارت کرتے تھے، اس سے حکومت کو اقتصادی نقصان ہو رہا تھا اور ملکی تاجروں کو بھی دھکا لگ رہا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ ٹیکس فری تجارت نہیں کر سکتے تھے۔ مجبور ہو کر میر قاسم نے چنگی کی وصولی ختم کر دی تا کہ ہندوستانی تاجر بھی کمپنی کے تاجروں کی برابری میں تجارت کر سکیں۔

26 مارچ 1762ء کو میر قاسم نے انگریز ملازموں کے برتاؤ کی شکایت کی تھی

اس نے لکھا :

'کولکاتہ سے ڈھاکہ، قاسم بازار اور پٹنہ تک ہر ایک مقام پر، ہر ایک انگریز افسر، اس کے گماشتے اور ایجنٹ میرے ملازموں کی جگہ پر خود زمین دار، تعلق دار اور لگان وصول کرنے والے کا کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک ضلع، شہر اور گاؤں میں گماشتے اور دیگر ملازمین، چاول دھان، تیل، بانس اور پان وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں اور کمپنی کی دستک لئے ہوئے ہر ایک شخص اپنے آپ کو کمپنی سے کم نہیں سمجھتا ہے۔'

تصویر 8: میر قاسم

مرشدآباد پر کمپنی کا دباؤ بنا رہتا تھا۔ اس دباؤ اور قابو سے بچنے کے لئے میر قاسم اپنی راجدھانی مرشدآباد سے مونگیر لے گیا۔ مونگیر کی اس نے بڑی خوبصورت اور مضبوط قلعہ بندی کی اور قریب چالیس ہزار سپاہیوں کی فوج تیار کی۔ اپنے فوجیوں کو جنگ کے نئے طریقے سکھانے کے لئے اس نے یورپ کے تربیت کاروں کو بحال کیا۔ اتنا ہی نہیں اس نے مونگیر میں بندوقوں اور توپوں کے کارخانے قائم کئے۔ آج بھی آپ مونگیر میں میر قاسم کے عہد کا قلعہ دیکھ سکتے ہیں۔

انہیں بھی جانیں!

دستک وہ سند تھا جو انگریزی فیکٹری کا صدر کمپنی کے سامان کے بارے میں دیتا تھا جس سے اس سامان کی تجارت پر چنگی نہیں لگتی تھی۔

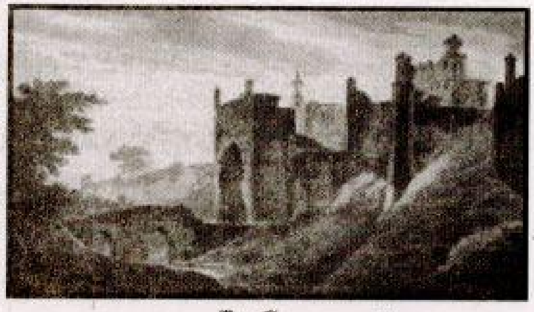

تصویر۔ 9 : مونگیر کا قلع

مونگیر کس ندی کے کنارے بسا ہے؟ اور مونگیر کن چیزوں کے لئے مشہور ہے؟ پتہ کریں۔

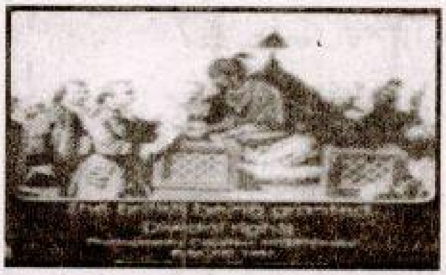

تصویر۔ 10 : 1765ء میں بنگال کی دیوانی حاصل کرتے

بلاشبہ میر قاسم کے ذریعہ اٹھائے گئے ان اقدام سے کمپنی کے افسران ناراض ہو گئے اور انہوں نے نواب کو ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ میر قاسم نے محسوس کیا کہ وہ تنہا کمپنی کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے، اس لئے اس نے مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی اور اودھ کے نواب شجاع الدولہ سے مدد مانگی۔ ان تینوں کی متحدہ فوج کی کمپنی کی افواج کے ساتھ

انہیں بھی پڑھئے !

بکسر : کہتے ہیں کہ وید کے منتروں کی تخلیق کرنے والے بہت سے رشی یہاں ہوئے۔ اس مقام کو ویدوں کا سرچشمہ کہتے ہیں۔ یہاں گوری شنکر مندر کے پاس ایک تالاب ہے، جس کا پہلا نام ادھسر یا پاپ کو دور کرنے والا۔ کہتے ہیں کہ ویدشرا نام کے ایک رشی نے درواشا رشی کو اکسانے کے لئے ویادھر کی شکل بنائی۔ اس پر چراغ پا ہو کر درواشا نے انہیں بددعا دے دی کہ تو ویادھر ہی بنا رہے۔ آخر میں اس تالاب میں نہانے سے ویدشرا اپنا اصلی شکل حاصل کر سکے۔ تب سے ہی اس تالاب کا نام ویادھر سر پڑ گیا۔ آگے چل کر اس شہر کا نام رفتہ رفتہ ویادھر سر سے بگھر سر اور آخر میں بکسر ہو گیا۔

مغربی بہار کے بکسر نام کے مقام پر 1764 میں لڑائی ہوئی۔ جس میں ہندوستانی افواج کو شکست ہوئی۔ اس ہار کے بعد 1765

میں شجاع الدولہ اور شاہ عالم نے الہ آباد میں کلایو کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے۔ معاہدے کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی مل گئی۔ اس سے کمپنی کو ان صوبوں سے ٹیکس وصولی کا اختیار حاصل ہو گیا۔

کمپنی کو دیوانی ملنے سے کیا کیا فائدے ہوئے ہوں گے؟

اس طرح کمپنی کے ایک بہت ہی اہم ترین مقصد کی تکمیل ہو گئی۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز سے ہی ہندوستان کے ساتھ کمپنی کی تجارت بڑھتی جا رہی تھی، لیکن اسے ہندوستان سے سامان خریدنے کے لئے اپنے ملک سے لائے گئے سونا اور چاندی کا ہی استعمال کرنا پڑتا تھا۔ اس سے انگلینڈ میں سونے اور چاندی کی کمی ہونے لگی تھی اور پورے انگلینڈ میں اس کی مخالفت بھی ہونے لگی تھی۔ یہاں تک کہ وہاں کی سرکار نے بھی کمپنی کو کسی اور متبادل کی تلاش کا حکم دیا تھا۔ بنگال کی دیوانی حاصل کرنا کمپنی کے لئے ایک اہم ترین متبادل تھا۔ اس سے ہونے والے منافع سے وہ ہندوستان سے سامان خرید کر انگلینڈ بھیج سکتے تھے اور انہیں چاندی لانے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ اس طرح بغیر اپنا کوئی پیسہ لگائے وہ ہندوستان کے لوگوں سے ہی پیسہ وصول کے ہندوستان کا ہی سامان سستے میں خرید کر یورپ بھیج سکتے تھے اور منافع کما سکتے تھے۔

تصویر۔ 11 : کمپنی کے لئے کام کرنے والا بنگال کا ایک سوار، ایک نامعلوم ہندوستانی مصور کے ذریعہ بنائی گئی تصویر، 1780

پلاسی جنگ کی فتح کے بعد اگر وہ چاہتے تو یہاں کے نواب بن سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حکومت چلانے کے الجھن سے بچ کر انہوں نے تجارت کرنا اور دولت کمانے کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن بنگال فتح کے بعد وہ ہندوستان میں ایک اہم ترین سیاسی طاقت کی شکل میں ابھرے اور رفتہ رفتہ پورے ہندوستان کی پوری اقتصادیات

پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش میں لگ گئے۔

بنگال کے بعد کمپنی نے ہندوستان کے دیگر صوبوں پر قبضہ جمانے کے لئے لڑائی کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی، معاشی اور ڈپلومیٹک ذرائع کو اپنایا۔ زیادہ تر صوبے کمپنی کی فوجی طاقت سے خوف زدہ ہوکر اس کی باتیں ماننے کو تیار ہوگئے۔ ایسے صوبوں پر اپنا قبضہ قائم کرنے کے لئے کمپنی نے ان کے ساتھ معاون معاہدہ کیا۔ اس کے تحت ہندوستانی حکمرانوں کو اپنے علاقے میں کمپنی کی فوج رکھنی پڑتی تھی۔ اس کا خرچ بھی انہیں ہی دینا پڑتا تھا اگر کوئی حکمراں خرچ کی رقم ادا کرنے پر مجبوری ظاہر کرتا تو جرمانے کے طور پر کمپنی اس کے علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیتی۔ معاون معاہدہ کو قبول کرنے والا پہلا حکمراں حیدرآباد کا نظام اور دوسرا حکمراں اودھ کا نواب تھا۔ ان دونوں حکمرانوں کو اپنی حکومت کے کچھ حصے کمپنی کو دینے پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی حکمرانوں کو اپنی حکومت میں ایک انگریز افسر بھی رکھنا پڑتا تھا۔ اس افسر کو ریزیڈنٹ کہا جاتا تھا۔ ریزیڈنٹ کے ذریعہ کمپنی، ان حکومتوں کے اندرونی معاملات پر نظر رکھتی تھی۔ اس حکومت کا اگلا راجا کون ہوگا، کس کس کو عہدہ دینا مناسب ہوگا وغیرہ معاملات بھی کمپنی کے افسران ہی طے کرتے تھے۔

کئی راجاؤں اور نوابوں نے کمپنی کے اس فریب کو سمجھ لیا۔ کمپنی کی حکومت کو چیلنج کرنے کے لئے انہوں نے بڑے پیمانے پر تیاریاں کیں۔ کمپنی بھی ایسے حکمرانوں سے طاقت کے زور پر نمٹنے کے لئے تیار تھی۔ آیئے کچھ ایسے ہندوستانی حکمرانوں کے بارے میں جانیں جنہوں نے ڈٹ کر کمپنی کا مقابلہ کیا۔

جنوبی ہند کی میسور حکومت (موجودہ کرناٹک) اس وقت کافی خوش حال اور طاقتور تھی۔ وہاں حیدر علی (1761 سے 1782ء) اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان (1782ء سے 1799ء) نے کامیابی سے حکومت کی۔ مالابار کے ساحل پر ہونے والی تجارت جہاں سے کمپنی کالی مرچ اور الائچی خریدتی تھی، میسور کے قبضہ میں تھا۔ 1785ء میں ٹیپو سلطان نے اپنی حکومت میں پڑنے والے بندرگاہوں سے چندن کی لکڑی، کالی مرچ اور الائچی کے برآمد پر روک لگادی۔ ٹیپو نے فرانیسیوں سے دوستی کرلی اور اپنی فوج کی جدت میں ان کی مدد لی۔ ان اقدام سے کمپنی اور میسور کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ کمپنی کے ساتھ ٹیپو کی

آخری لڑائی 1799ء میں سری رنگا پٹنم میں ہوئی جس میں ٹیپو سلطان بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

ٹیپو کی کہانی

بادشاہوں کی شخصیت اکثر سنی ہوئی کہانیوں سے بھی بنتی ہے۔ رائج الوقت کہانیوں میں ان کی شان وشوکت اور قوت کی خوب تعریف کی گئی ہے۔ 1782ء میں سلطان بنے ٹیپو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بار، وہ اپنے فرانسیسی دوست کے ساتھ جنگل میں شکار کھیلنے گئے تھے۔ وہاں ایک شیر ان کے سامنے آگیا ان کی بندوق نے موقع پر ساتھ نہیں دیا اور کٹار بھی زمین پر گر گئی۔ پھر بھی ٹیپو نے بغیر ہتھیار کے ہی شیر کا مقابلہ کیا اور پھر کٹار اٹھالی اور آخر میں انہوں نے شیر کو مار گرایا، اسی کے بعد انہیں 'شیر میسور' کہا جانے لگا۔

تصویر۔ 12 : شیرِ میسور ٹیپو سلطان

تصویر۔13

ٹیپو کی موت کے بعد انگریزوں نے میسور کی حکومت پرانے ووڈیار شاہی خاندان کے ہاتھوں میں سونپ دیا اور میسور حکومت کے کچھ علاقوں پر کمپنی نے قبضہ کرلیا اور وہاں کا نیا راجا مکمل طور پر کمپنی کے ماتحت ہوگیا۔

انگریز اور مراٹھے : مراٹھوں کے بارے میں آپ درجہ۔ 7 میں بھی پڑھ چکے ہیں کمپنی نے آگے مراٹھوں کی طرف توجہ دی۔ 1761 میں پانی پت کی تیسری لڑائی میں شکست کے باوجود مراٹھے ہندوستان کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کئے ہوئے تھے لیکن وہ آپس میں بنٹے ہوئے تھے۔ ان کی باگ ڈور سندھیا، ہولکر، گائیکواڑ اور بھونسلے جیسے الگ الگ شاہی خاندانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ کمپنی کے افسران اور افواج

تصویر۔ 14 : مہاراجا رنجیت سنگھ

نے مراٹھا سرداروں کی آپسی لڑائیوں کا فائدہ اٹھایا اور ایک کے بعد کئی لڑائیوں میں مراٹھوں کو کمزور کردیا۔ آخر کار 19-1817ء کی لڑائی میں مراٹھے پوری طرح ہار گئے اور مراٹھوں کا علاقہ بھی کمپنی کے زیر اثر ہوگیا۔

کمپنی اور پنجاب : اب کمپنی کی توجہ پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف گئی۔ 1799ء سے 1839ء تک پنجاب، کشمیر اور جدید ہماچل پردیش کے کچھ حصوں پر ان کی حکومت تھی۔ رنجیت سنگھ کی زندگی میں ہی ان کی حکومت کی توسیع کو کمپنی نے روک دیا۔ لیکن ان کی زندگی میں کمپنی پنجاب کو قابو کرنے میں ناکام رہی۔ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد پنجاب میں غیر یقینی صورت آگئی۔ اس حالت کا فائدہ اٹھا کر 1849ء میں کمپنی نے پنجاب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

تصویر۔ 15

انضمام پالیسی : براہ راست جنگ کے علاوہ ہندوستانی حکومتوں کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے کمپنی نے دیگر بہانے بھی تلاش کرنے شروع کئے۔ انضمام پالیسی بھی ایسا ہی ایک بہانہ تھا۔ اس پالیسی کے تحت اگر کسی حکمراں کی موت ہوجاتی تھی اور اس کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہوتی تو اس کی حکومت کو کمپنی اپنے قبضے میں لے لیتی تھی۔ اس پالیسی کے تحت 1848ء سے 1856ء کے درمیان ہندوستان کے کئی صوبے ستارا، سنبل پور، اودھے پور، ناگپور اور جھانسی کمپنی کے قبضے میں آگئے تھے۔

انگریزوں نے انضمام پالیسی کے ذریعہ جن ہندوستانی صوبوں کو اپنے قبضہ میں لیا اسے تصویر-15 میں تلاش کیجیے۔

کمپنی حکومت کا قیام : اس طرح 1856ء تک تقریباً پورے ہندوستان پر کمپنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ذرا غور کیجئے، 1600 میں قائم شدہ ایک تجارتی کمپنی کیسے اتنی بڑی حکومت کو اپنے قبضہ میں لینے میں کامیاب رہی۔ آیئے اس کی کامیابی کے کچھ اسباب پر غور کریں۔

جیسا کہ آپ نے درجہ۔7 میں پڑھا تھا کہ 1707ء میں اورنگ زیب کی موت کے بعد کئی نئے آزاد علاقائی حکومتوں کا نمود ہوا تھا۔ ان میں آپسی تال میل کی کمی تھی۔ ہر حکومت دوسروں کے علاقے ہڑپ کر اپنی حکومت کی توسیع کرنا چاہتا تھا۔ اتحاد کی کمی کی وجہ سے ہندوستانی حکومت ایک ایک کر کے آسانی سے کمپنی کے ہاتھوں ہارتی چلی گئی۔

کمپنی کی افواج کے پاس ہندوستانی افواج سے بہتر توپیں اور بندوقیں تھیں۔ ہندوستانی فوجیوں کی بہ نسبت اسے باضابطہ فوجی مشق کرایا جاتا تھا۔ ہندوستانی افواج کے مقابلے میں وہ زیادہ بااصول تھی اور انہیں باضابطہ مشاہرہ ملتا تھا۔

کمپنی کی کامیابی کے درج بالا اسباب میں سے آپ کے مطابق سب سے زیادہ اہم سبب کیا ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ آپ کسی اور سبب کے بارے میں بتا سکتے ہیں؟

اپنا مفاد سب سے اوپر : آپ نے دیکھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی جو ہم لوگوں کے ملک میں تجارت کرنے آئی تھی، کس طرح اس نے یہاں کی اندرونی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو ایک سیاسی طاقت کی شکل میں قائم کر لیا۔ یہاں کے اقتصادی ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملک کے حکمراں بن بیٹھے۔ اس ملک کا حکمراں بننے کے بعد اس ملک میں سامانوں کی پیداوار اور اس کے ہونے والے منافع کو کمپنی اپنی ضرورت اور فائدے کے مطابق طے کرنے لگی۔ آیئے اسے ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ سب سے پہلے کمپنی ہندوستان میں بنا ہوا کپڑا بیچ کر مالا مال ہو رہی تھی۔ پھر جب انگلینڈ میں کپڑے کے کارخانے لگ گئے تو وہ وہاں کا بنا کپڑا اور دیگر سامان بھی ہندوستان میں بیچنے لگے۔ ہندوستان سے وہ کپاس خرید کر اپنے ملک کے کارخانوں کو بیچتے۔ وہ ہندوستان میں کئی ضروری فصلیں اپجا کر انہیں دور دور بھیجتے۔ جیسے نیل، پٹسن، افیم، گنا، چائے، کافی وغیرہ۔ اس کے علاوہ کمپنی کاریگروں سے زور زبردستی سے بہت کم قیمت پر مال خریدنے کی کوشش کرتی۔ کاریگر گاؤں چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ کمپنی کسانوں سے بھی زیادہ مالگذاری وصول کرنے کی کوشش کرتی۔ یہ سب کس طرح

ہورہاتھا یہ آپ آئندہ اسباق میں پڑھیں گے۔ کمپنی کی آڑ میں حکومت میں لوٹ کھسوٹ، فریب، دھوکہ دھڑی ہونے لگی تھی۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. خالی جگہوں کو بھریئے :

(الف) ہندوستان اور یورپ کے بیچ خشکی کے راستے سے ہونے والی تجارت میں............اہم رول تھا۔

(ب) کمپنی کے ذریعہ خریدا گیا مال.......................میں رکھا جاتا تھا۔

(ج) ایک کے بعد ایک لڑائیوں میں مراٹھوں نے.....................کردیا۔

(د) ....انگریزوں کے ساتھ سب سے پہلے معاشی معاہدہ کو قبول کیا۔

(ہ) ....نے انضمام پالیسی کی تقلید کی۔

2. صحیح اور غلط بتایئے :

(الف) یورپ کے تاجر ہندوستان میں اپنا مال بیچنے اور بدلے میں یہاں سے سونا چاندی لینے آئے تھے۔

(ب) ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کا پورا اختیار مل گیا۔

(ج) ہندوستانی صوبے اتحاد کی کمی سے ایک ایک کر کے انگریزی حکومت کے تحت ہوتے چلے گئے۔

(د) ٹیکس فری تجارت سے بنگال کے محصولات کا کافی نقصان ہورہا تھا۔

(ہ) کمپنی کی افواج کی جیت ہوئی کیونکہ ان کے پاس ہندوستان فوج سے بہتر توپیں اور بندوقیں تھیں۔

آیئے غور کریں :

(i) یورپ کی تجارتی کمپنیوں نے کیوں ہندوستان کے سیاسی معاملے میں مداخلت کرنی شروع کی؟

(ii) انگریز بنگال پر کیوں قبضہ کرنا چاہتے تھے؟

(iii) کیوں اور کن حالات میں ہندوستانی حکمرانوں نے معاون معاہدہ کی شرائط کو قبول کی؟

(iv) پلاسی اور بکسر کی جنگوں میں آپ کسے فیصلہ کن مانتے ہیں اور کیوں؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) میر قاسم، حیدر علی۔ ٹیپو سلطان اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تصاویر اپنی جوابی کاپی میں چپکا کر ان کے بارے میں معلومات جمع کریں۔

باب۔3

دیہی زندگی اور سماج

(انگریزی حکومت اور ہندوستان کے گاؤں)

گذشتہ باب میں آپ نے جانا کہ کس طرح ایک تجارتی کمپنی نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی۔آپ نے یہ بھی جانا کہ اس کا واحد مقصد تجارتی منافع حاصل کرنا تھا۔اس نفع کے لئے ہی انگریزوں نے ابتدا میں تو ہندوستانی صوبوں کو اپنے قبضہ میں لیا اور آگے چل کر ایسے اصول وقوانین نافذ کئے جن سے حکومت اور ان کے منافع میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ان تمام باتوں کو آپ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔موجودہ سبق میں آپ اس بات کو جانیں گے کہ انگریزوں کی حکومت کا اثر ہندوستانی گاؤں پر کس طرح پڑا۔

برٹش حکومت سے قبل کے ہندوستانی گاؤں : ہندوستان کی زیادہ تر آبادی ہمیشہ گاؤں میں رہتی آئی ہے اور آج بھی کل آبادی کا 68 فیصد گاؤں میں ہی رہتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا معاشی نظام گاؤں پر ہی منحصر ہے۔گاؤں کے لوگوں کی محنت اور مزدوری سے بڑے بڑے صوبے اور حکومتیں قائم ہوئیں۔وہاں رہنے والے کسانوں کی سخت محنت سے حاصل آمدنی سے ہی یہ ملک خود کفیل اور خوش حال تھا۔زیادہ تر گاؤں میں سبھی طرح کے کام کرنے والے لوگ رہتے تھے جو گاؤں کی ضروریات کو پوری کرتے تھے۔اس وقت زمینداروں کا ایک بااثر طبقہ بھی گاؤں میں رہتا تھا جن کے پاس راجا کے ذریعہ دی گئی کافی زمینیں تھیں۔وہ لوگ ہی گاؤں سے مالگذاری (کھیتی کی پیداوار پر راجا کے ذریعہ کسانوں سے لیا جانے والا ٹیکس) کی وصولی کرتے تھے اور اس کے عوض حکومت کے دیگر کاموں کی دیکھ بھال کے لئے زمینیں ملتی تھیں۔

اس وقت گاؤں کے لوگ اپنی ضرورت کی زیادہ تر چیزوں کی پیداوار خود کرتے تھے۔یہاں کی اکثر آبادی کا کام کھیتی تھا۔کھیتی کے لئے زمین انہیں راجا سے ملتی تھی اس کے بدلے مالگذاری وصول کی جاتی تھی۔پوری زمین کا مالک راجا ہی ہوتا

تھا۔ زمیندار اور کسانوں کا اختیار زمین پر اسی وقت تک رہتا تھا جب تک راجا کو مالگذاری ملتی رہتی تھی۔ ایسا نہیں کرنے پر راجا کے ذریعہ دی گئی زمین فوراً چھین لی جاتی تھی۔

گاؤں میں عام طور سے لوگ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ چھوٹے موٹے جھگڑوں کا فیصلہ بھی آپس میں ہی ہو جاتا تھا۔ گاؤں میں راجا کا یا اس کے افسران کا زیادہ دخل نہیں ہوتا تھا۔ وہ صرف طے شدہ مالگذای وصول کرتے تھے۔ حکومت اپنے کارندوں اور زمین داروں کے ذریعہ سے کسانوں کا پورا خیال رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ان کسانوں کے ذریعہ کھیتی کا کام بند کر دیا جائے گا تو اس کی آمدنی کم ہو جائے گی۔ یہیں سے ان کے لئے اخراجات کے واسطے پیسہ، تاجروں کے لئے اشیاء اور فوج پولس اور دیگر کارندوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام ہوتا تھا۔ اس طرح گاؤں ہی حکومت کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ اس لئے برٹش حکومت نے بھی سب سے پہلے گاؤں پر ہی توجہ دی اور اس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے بارے میں غور کیا۔

انگریزوں کو مالگذاری وصولی کا اختیار ملا : گذشتہ باب میں آپ نے یہ جانا کہ کس طرح انگریزوں کو ایک بڑے اور خوشحال علاقہ (بنگال، بہار، اڑیسہ) سے مالگذاری وصولی کا اختیار مل گیا۔ اس سے ہندوستان سے تجارت کے لئے سامان خریدنے کے لئے اپنے ملک سے دولت لانے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن اب ہندوستان میں کئی اور طرح کے اخراجات ان کے سامنے آ گئے۔ ان میں سب سے اہم اپنے اختیار میں آئے علاقوں کی حکومت کا خرچ تھا۔ دوسرے انہیں اپنی حکومت میں اضافہ کے لئے مسلسل جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خرچ تھا۔ ان تمام اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ان کے پاس آمدنی کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ تھا بنگال کی مالگذاری وصولی میں ہونے والا منافع۔ مالگذاری وصولی کے لئے شروع میں تو انہوں نے پہلے سے چلے آرہے انتظام کو ہی برقرار رکھا۔ اس کے لئے ابتدا میں وہ پہلے سے موجود زمینداروں سے ہی کام لیتے رہے۔ لیکن ایسا زیادہ دنوں تک نہیں ہو سکا۔

زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی خواہش مند برٹش حکومت موجودہ نظام سے حاصل ہونے والی آمدنی سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کے لئے آگے چل کر انہوں نے مالگذاری وصولی کے اختیار کی نیلامی شروع کی۔ جو انسان کسی خاص

تصویر۔ 1 : انگریزوں کے وقت کا گاؤں

علاقے سے زیادہ مالگذاری وصول کرنے کی بولی لگاتا، اسے مالگذاری وصولی کا اختیار دے دیا جاتا۔ اسے آپ ٹھیکیداری نظام کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ نظام زیادہ دنوں تک نہیں چل پایا۔ اسی انتظام میں ٹھیکیداروں کو فائدہ ہو رہا تھا۔ وہ مقررہ رقم سے جتنا زیادہ وصول کرتے وہ ان کا ہوجاتا تھا۔ کسانوں کے لئے بھی یہ طریقہ بہت نقصان دہ تھا کیونکہ انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کس سال انہیں کتنی مالگذاری دینی ہے۔ دوسرے یہ کہ ٹھیکیداروں کی توجہ صرف پیسہ وصولی پر ہوتی تھی کھیتی کی پیداوار یا کسانوں کی آمدنی کیسے بڑھے اس کی فکر انہیں نہیں ہوتی تھی۔ کمپنی سرکار کے لئے بھی یہ ایک مسئلہ تھا۔ انہیں تجارت کے لئے مقررہ وقت پر ایک مقررہ رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر اس انتظام سے انہیں یہ پتہ نہیں چل پاتا تھا کہ آئندہ سال انہیں کتنی آمدنی ہونے والی ہے۔ انہوں نے کچھ برسوں تک اس نظام کو چلائے رکھا لیکن وہ ایک ایسا نظام چاہتے تھے جس سے انہیں زیاہ سے زیادہ اور پابندی سے مالگذاری کی شکل میں دولت حاصل ہوتی رہے۔

تصور کیجئے مالگذاری وصولی کا اختیار ملنے سے گاؤں میں کیا تبدیلیاں آئی ہوں گی۔ آپ کی نظر میں اب زمین کا مالک کون ہوگیا؟

مالگذاری نظام کی ابتداء : کئی طرح کی کوششوں کے بعد آخر میں 1789ء کے پاس کمپنی سرکار نے زمینداروں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ جس کے تحت ان کے ذریعہ کمپنی کو دی جانے والی مالگذاری دس سالوں کے لئے طے کردی گئی۔ یہ

رقم زمینداروں کے ذریعہ کسانوں سے وصولی گئی۔ مالگذاری کا9/10 حصہ طے کردیا گیا۔ آگے چل کر1793ء میں یہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کردی گئی اور اس رقم میں مستقبل میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ لہذا اسے مستقل بندوبست کا نام دیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اگر کسانوں کی پیداوار کو100 مانا جائے تو اس انتظام کے تحت انگریزی حکومت کو اس میں سے تقریباً45 فیصد حصہ حاصل ہوتا تھا۔ زمیندار اور اس کے کارندے اپنے لئے تقریباً15 فیصد حصہ وصولتے تھے اور باقی40 فیصد کسانوں کے پاس بچتا تھا۔ انگریزی حکومت نے زمینداروں سے یہ معاہدہ کیا کہ مستقبل میں اس رقم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ لیکن زمینداروں کو مالگذاری کی طے شدہ رقم مقررہ تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے سرکاری دفتر میں جمع کروانا لازمی تھا۔ ایسا نہیں کرنے پر ان کی زمینداری نیلام کردی جاتی تھی۔ سرکار کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ قحط یا سیلاب کی وجہ سے فصل برباد ہوگئی ہے یا پیداوار کم ہوتی ہے۔ زمینداروں کو ہر حال میں طے شدہ رقم مقررہ تاریخ میں جمع ہوتی تھی۔

یہ انتظام بنگال (موجودہ بنگال، بہار اور اڑیسہ) اور آندھرا پردیش کے کچھ علاقوں میں رائج کیا گیا۔1790 کے آس پاس تک یہی علاقے کمپنی کے ماتحت تھے۔ اس نظام کے نافذ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے دیہی معاشرے میں ایک نئی بات سامنے آگئی۔ زمیندار جو اب تک اپنے علاقے میں صرف مالگذاری وصول کرنے کے افسر ہوتے تھے اب زمین کے مالک بنادیئے گئے۔ یہ کمپنی سرکار کے افسروں کی بہت سوچی سمجھی پالیسی تھی۔ اس کے بعد اگر کوئی زمیندار مقررہ تاریخ تک پوری رقم کا انتظام نہیں کر پاتا تھا تو اس کے پاس یہ متبادل ہوتا تھا کہ وہ اپنی زمینداری کا کچھ حصہ گروی رکھ کر قرض لے لے اور اپنی ادائیگی کردے۔ یا پھر وہ اپنے علاقے کی کچھ زمین بیچ کر بھی پیسے کا انتظام کرسکتا تھا۔

ایسا کرنے کے پیچھے ایک دوسری سوچ بھی تھی۔ انگریز ایسا سوچتے تھے کہ زمین کے مالک بن جانے سے زمیندار کھیتی میں اصلاح اور پیداوار بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ ان کے اپنے ملک اور یورپ کے دیگر ممالک میں کچھ اسی طرح کا نظام تھا۔ ایک بات اور تھی کہ وہ ہندوستان میں اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہندوستانی لوگوں میں سے ہی اپنے لئے ایک حمایتی جماعت تیار کرنا چاہتے تھے۔ ایک جماعت جو انگریزوں کی موجودگی میں اپنا وجود دیکھتی تھی۔ اس کے لئے زمینداروں

سے بہتر جماعت ان کے لئے کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ اپنے علاقے کے گاؤں میں ان زمینداروں کے کافی اثرات تھے۔ اوران کے ذریعہ انگریزوں کے لئے ہندوستانی گاؤں کو قابو میں رکھنا بہت آسان تھا۔ آگے چل کر انگریزی حکومت کی یہ پالیسی کافی کامیاب ثابت ہوئی۔ بیسویں صدی میں جب ان کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو اس طبقہ کے زیادہ تر لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

مگر اس نظام کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ سرکار نے زمینداروں کو دی گئی زمین کے بدلے کتنی مالگذاری لی جاتی تھی یہ تو طے کر دیا لیکن کسانوں سے زمین دار کتنا وصولیں گے، یہ طے نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کئی زمیندار کسانوں سے ضرورت سے زیادہ پیسہ وصول کرنے لگے۔ جس سے کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ کافی بڑھ گیا۔ دوسرے یہ کہ وقت پر مالگذاری نہیں دینے کی وجہ سے کئی پرانے زمیندار جو اپنے کسانوں سے طاقت کے زور پر مالگذاری وصول نہیں کرتے تھے ان کی زمینداری چلی گئی اور ان کی جگہ ایسے لوگوں نے لے لی جنہیں گاؤں اور کسانوں کے مفاد سے کوئی مطلب نہیں تھا کئی زمیندار قرض کے بوجھ سے دب گئے اور دھیرے دھیرے ان کی زمینداری مہاجنوں اور تاجروں کے پاس چلی گئی۔

اس انتظام کے نافذ ہونے سے کمپنی سرکار کا مسئلہ تھوڑے دنوں کے لئے حل ہوگیا۔ لیکن 20-1815ء تک ان کے ماتحت کئی اور علاقے آگئے اور وہاں کے لئے مالگذاری کا انتظام طے کرنا تھا۔ مستقل انتظام کے رائج ہونے کے وقت سے کمپنی کے افسران میں اختلاف رائے تھا۔ ایک خیال تو اس کی حمایت میں تھا۔ جبکہ دوسری رائے والے لوگوں کو یہ لگتا تھا کہ اس سے کمپنی سرکار کو نقصان ہو رہا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ سرکار کو کچھ برسوں بعد مالگذاری کی رقم میں اضافے کا اختیار اپنے پاس رکھنا چاہئے تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ سرکار کا خرچ مسلسل بڑھتا جائے گا اور اسے پورا کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دوسری طرف افسران کو یہ بھی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ اس نظام میں سب سے زیادہ فائدہ زمینداروں کو ہو رہا تھا۔ انہیں بغیر کچھ کئے ہی اچھی دولت مل رہی تھی تو ان کے خیال میں کیوں نہ کسانوں سے ہی براہ راست رابطہ قائم کیا جائے۔ اس نقطہ نظر کے پس پردہ ایک انگریز ماہر اقتصادیات کے ریکارڈو کی سوچ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اب جب کچھ نئے علاقوں میں مالگذاری نظام طے کرنے کا وقت آیا

تو دوسرے خیال والے لوگوں کی جیت ہوئی۔

ریکارڈوں کے مطابق (ان کی کتاب کا نام Principles of Political Economy ہے جو 1821ء میں شائع ہوئی تھی) زمیندار خود پیداوار کے لئے کچھ نہیں کرتا ہے۔ مزدور اپنی محنت لگاتا ہے، سرمایہ دار اپنا سرمایہ لگاتا ہے۔ مزدوروں کا لیڈر صنعت کی تنظیم میں متحرک ہوتا ہے۔ زمیندار زمین کے لئے جو کرایہ پاتے ہیں، وہ محدود مقدار میں دستیاب زمین پر ان کے مکمل اختیار کی وجہ سے انہیں ملتا ہے۔ ان کے خیال میں پیداوار میں زمین کے مالکوں کا کوئی رول نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت کو ان کی آمدنی پر ٹیکس لگانا چاہئے۔ مناسب تو یہ ہوتا کہ زمین پر ان کے مالکانہ اختیار کو ختم کر کے انتظامیہ ساری زمین اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسے کھیت میں محنت کرنے والوں کو فراہم کرائے۔

سرگرمی : رکارڈوں کی رائے کے مطابق بڑے اور خوشحال کسانوں کی آمدنی پر آج ٹیکس لگانا کیا مناسب ہوگا؟ ذرا سوچیں۔

یہ نیا نظام جنوبی اور مغربی ہند میں 'رعیت داری نظام' کے نام سے شروع کیا گیا۔ اس میں کسانوں کے ساتھ براہ راست معاہدہ کیا گیا۔ ان علاقوں میں روایتی طور سے زمیندار نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے کمپنی سرکار نے کسی نئے شخص کو زمیندار بنا کر سیدھا کسانوں سے ہی رابطہ قائم کیا۔ اس نظام میں مالگذاری پیداوار کی بنیاد پر طے ہوئی۔ پہلے زمین کی خوبی دیکھی گئی پھر گذشتہ کچھ سالوں کی پیداوار کا اوسط نکالا گیا۔ اس میں کسانوں کی کھیتی پر ہونے والے اخراجات کو کاٹ کر جو بچتا تھا اس کا 50 فیصد مالگذاری کی شکل میں طے کر دیا گیا، مگر اسے مستقل نہیں بنایا گیا۔ ہر تیس سال کے بعد مالگذاری کی رقم میں تبدیلی کی جانی طے ہوئی۔ اس نظام میں کسانوں کو زمین کا مالک تسلیم کیا گیا تھا۔

محال واری نظام : پنجاب، دلی اور مغربی اتر پردیش کے علاقوں پر جب برٹش حکومت کا قبضہ ہوا تو وہاں انہوں نے سیدھا کسانوں کی جگہ گاؤں کے کافی بڑے زمین مالکوں یا خاندانوں جنہیں محال کہا جاتا تھا کو، اکائی مانا اور ان کے ساتھ

مالگذاری وصولی کا معاہدہ کیا۔ اس نظام کو محال واری نظام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں بڑے خاندان یا گاؤں کے سردار

> محل۔ پنجاب، ہریانہ، مغربی اتر پردیش کے علاقے میں بڑے گاؤں یا کچھ گاؤں کے مجموعہ کو محل کہتے ہیں۔

گاؤں بھر سے مالگذاری جمع کر کے سرکار تک پہنچاتے تھے۔ مالگذاری کی مقدار طے کرنے کا طریقہ یہاں بھی رعیت واری نظام کا تھا۔ پیداوار سے کھیتی کے خرچ کو گھٹا کر جو بچتا تھا اس کا تقریباً 50 فیصد مالگذاری طے کر دی گئی اور اسے بھی صرف 30 برسوں کے لئے ہی نافذ کیا گیا تھا۔

سرگرمیاں: محال واری نظام میں پورے گاؤں میں ایک خاندان کے ذریعہ مالگذاری وصولنے میں کس طرح کی دشواری ہوتی ہوگی؟ غور کر کے اظہار خیال کیجئے۔

ان تینوں قسم کے زمینی نظام کو اگر انگریزوں کے حکومت والے ہندوستانی علاقہ میں توسیع کے تحت دیکھیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کل کھیتی کے لائق زمین میں 19 فیصد مستقل بندوبست کے تحت تھا۔ 29 فیصد محل واری نظام کے تحت اور 52 فیصد رعیت واری نظام میں آتا تھا۔ اسے آپ نقشہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

نئی مالگذاری نظام کا دیہی زندگی پر اثر : سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نظام سے تقریباً نصف پرانے زمینداروں کی زمینداری ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کیونکہ انہوں نے مقررہ وقت پر مالگذاری جمع نہیں کی تھی۔ دراصل ان کے لئے کسانوں سے مالگذاری کے لئے زیادہ زور زبردستی کرنا ممکن نہیں تھا۔ کسانوں کے ساتھ ان کے پرانے تعلقات تھے۔ دونوں کے درمیان جذباتی سطح پر ایک تعلق تھا۔ اس سے فصل خراب ہونے یا قحط کی حالت میں مالگذاری کے لئے دباؤ ڈالنا ناممکن ہوتا تھا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ نئے نظام میں زمین کا مالک کسان یا زمیندار کو بنا دیا گیا تھا۔ اس سے مالگذاری وقت پر جمع کرنے کے لئے اسے بیچنے یا گروی رکھنے کا رواج شروع ہوا۔ اس کے نتیجہ میں گاؤں میں مہاجن کی شکل میں ایک منظم جماعت سامنے آ گئی۔ ان لوگوں کو زمین کے عوض روپیہ دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ جماعت گاؤں سب سے اہم ہوگئی کیونکہ گاؤں کے کئی کسان اور زمینداران سے قرض لیتے تھے۔ مالگذاری کی قیمت تینوں ہی نظام میں کافی اونچی تھی۔ اس لئے کسان کھیتی میں اصلاح کی کوشش میں بھی ناکام ہوگئے۔ رعیت واری اور محل واری میں تو کسان کھیتی میں کوئی اصلاح کرنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آئندہ ان کی مالگذاری کی قیمت بڑھا دی جائے گی۔ برٹش حکومت کو صرف مالگذاری سے مطلب ہوتا تھا۔ انہیں کھیتی میں اصلاح کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس طرح تینوں ہی نظام نے گاؤں کے کسانوں اور زمیندار دونوں کو ایک طرح سے برباد کر دیا۔ مضبوط ہوئے تو مہاجن یا نئے زمین کے مالک جنہوں نے پرانے زمینداروں کی جگہ لے لی تھی۔

1875ء کی دکن بغاوت!

مہاراشٹر کے پونا اور احمد نگر ضلع میں 1875ء میں کسانوں کے غصے نے بڑے پیمانے پر بغاوت بھڑکائی۔ ان علاقوں میں رعیت داری نظام نافذ تھا۔ یہاں کسان مالگذاری کی اونچی قیمت کی وجہ سے پریشان تھے۔ وقت پر مالگذاری ادا کرنے کے لئے وہ مہاجنوں سے اونچی شرح سود پر پیسہ لیتے تھے اور اس طرح وہ ان کے چنگل میں زندگی بھر کے لئے پھنس جاتے تھے۔ اس بغاوت میں کسانوں نے

مہاجنوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ ان کے خلاف عدم تشدد کے طریقے سے اپنی مخالفت شروع کردی۔ مہاجنوں کا سماجی بائیکاٹ ہوا۔ ان کے گھروں پر حملہ کر کے ان کی لال بہی کھاتہ کو لوٹا گیا اور اسے اجتماعی طور سے جلایا گیا۔ دراصل اس بہی میں ہی کسانوں کو دیئے گئے روپیوں اور اس کے سود کا پورا حساب کتاب ہوتا تھا۔ اس لئے کسانوں نے اسے جلایا۔ یہ ایک طرح سے مہاجنوں سے ان کے آزاد ہونے کی نشاندہی کرر ہا تھا۔ رفتہ رفتہ مہاجنوں نے ان علاقوں کو چھوڑ کر چلے جانا ہی بہتر سمجھا۔ اس طرح یہ بغاوت مہاجنوں کے استحصال کے خلاف کیا جانے والا عدم تشدد جدوجہد کی شکل میں جانا گیا۔

بازار کے لئے نئی فصلوں کی پیداوار : نئی مالگذاری نظام کے ساتھ ساتھ انگریزی سرکار کے افسران نے اپنی ضرورت کے حساب سے الگ طرح کی فصلوں کی پیداوار کے لئے بھی کسانوں کو متحرک کیا۔ یہ عام کھانے والی فصلوں سے الگ تھی۔ جن سے کارخانوں میں دوسرا سامان تیار کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر بنگال میں کسانوں کو پٹسن (جوٹ)، آسام میں چائے، بہار میں نیل، شورا اور افیم۔ وسطی یا مغربی ہندوستان میں کپاس وغیرہ فصلیں اپجانے کو کہا گیا۔ ان فصلوں کا کسانوں یا گاؤں کے لوگوں کے لئے کوئی خاص استعمال نہیں تھا۔ مگر بازار میں ان کی قیمت زیادہ ہوتی تھی اور کسان اسے بیچ کر نقد پیسے حاصل کر سکتے تھے۔ اس لئے انہیں نقدی فصل بھی کہا جاتا ہے۔ کمپنی کو ان فصلوں کی ضرورت اپنے ملک کے کارخانوں میں کچے مال کی شکل میں تھی اور کچھ دیگر فصلوں کو وہ دنیا کے دیگر ممالک میں بیچ کر اچھا منافع کماتے تھے۔

تمام طرح کی نقدی فصلوں میں انگریزوں کا زیادہ زور نیل کی پیداوار پر تھا بہت پہلے سے ہی پورے یورپ میں کپڑوں کو رنگنے کے لئے ہندوستانی نیل کی مانگ تھی۔ اس کے تجارت میں لگے انگریز تاجروں کو اس سے کافی منافع ہوتا تھا۔ اس لئے وہ کسانوں کو پیشگی روپیہ دے کر مدد بھی کرتے تھے۔ آگے چل کر جب وہ حکمراں بن گئے تو اس کی پیداوار بڑھانے کے لئے کسانوں کو ڈرانا، دھمکانا یا لالچ بھی دینا شروع کر دیا۔ کئی کئی انگریز افسران اور تاجروں نے تو خود ہی زمینداروں سے زمین

پٹے پر لے کر اس میں مزدوروں سے نیل کی کھیتی کروانا شروع کردیا۔

> نقدی فصل کھیتی کے اس پیداوار کو کہتے ہیں جسے کھیتوں سے سیدھے تاجروں کے ذریعہ خرید لیا جاتا تھا جیسے گنا، نیل، تمبا کو وغیرہ۔

نیل کی کھیتی کے مسائل : نیل کی کھیتی کسانوں کے لئے فائدہ مند نہیں تھی۔ مگر انہیں اپنی زمین کے ایک بہتر حصے پر اس کی کھیتی کرنی پڑتی تھی۔ اس کے لئے سرکاری افسران کے ذریعہ مجبور کیا جاتا تھا۔ کسان ہمیشہ سے ہی اناج والی فصلوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اس میں انہیں نہ صرف یہ کہ اس سال کے لئے غلہ مل جاتا تھا۔ بلکہ برے دنوں کے لئے وہ کچھ بچا کر بھی رکھ لیتے تھے۔ نیل کی کھیتی دھان کے موسم میں ہی کی جاتی تھی اور انگریز بگان مالک کسانوں سے زبردستی ہل بیل لے کر پہلے اپنے نیل کی بوائی کراتے تھے۔ اس سے دھان کی فصل میں دیر ہو جاتی تھی اس کے علاوہ جس کھیت میں نیل کی کھیتی ہوتی تھی اس میں فصل کٹ جانے کے بعد اس سال کوئی فصل نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ان سب کا اثر یہ ہوتا تھا کہ کسانوں کے پاس پہلے غلہ کی کمی ہو جاتی تھی۔ جب کبھی خشک سالی یا باڑھ کی وجہ سے فصلوں کی پیداوار کم ہو جاتی تھی تو کسانوں کے پاس پہلے کا رکھا غلہ نہیں ہوتا تھا ایسے میں وہ یا تو مہاجنوں سے قرض لیتے تھے یا فاقہ کشی کرتے تھے۔

> **نیل درپن** : نیل کی کھیتی کی وجہ سے کسانوں کو جو دشواری ہو رہی تھی اسے اس زمانے کے ایک بنگالی ڈرامہ نیل درپن میں بڑے اچھے طریقے سے دکھایا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف دین بندھو متر تھے۔ 1860ء میں یہ کتاب بغیر کسی مصنف کے نام کے چھپی تھی تاکہ انگریزوں کے غصے کو انہیں جھیلنا نہیں پڑے۔ اس میں اس کی خراب پالیسی کا ذکر کیا گیا تھا۔ مائیکل مدھوسودن دت نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس ڈرامہ میں نیل کسانوں کی بدحالی حقیقی شکل میں سامنے آئی ہے۔
>
> ایک نیل کسان گولک چودھری (ڈرامے کا کردار) اپنے ساتھی کسان سے کہتا ہے کہ — ''میں اب نیل

کی کھیتی نہیں کروں گا چاہے اس کے لئے مجھے جیل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ بھیک مانگ کر کھالوں گا۔ اگر سرکار نے زیادہ تنگ کیا تو گاؤں کو چھوڑ دوں گا۔ لیکن اب نیل کی کھیتی نہیں کروں گا۔''

نیل کسانوں کی بغاوت : بنگال میں نیل کی کھیتی بڑے پیمانے پر کروائی جارہی تھی۔ اس سے وہاں کے کسان بہت غمگین تھے۔ بار بار قحط اور فاقہ کشی سے پریشان کسانوں نے بغاوت کردی۔ وہ نیل کی کھیتی سے انکار کرنے لگے۔ ساتھ ہی انہوں نے بگان مالکوں کو مالگذاری دینا بھی بند کردیا۔ عورتوں نے مردوں کے ساتھ مل کر نیل کی فیکٹریوں پر حملہ کردیا۔ جہاں نیل بنایا جاتا تھا۔ (اسے آپ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں)۔ اس ٹکراؤ میں ہندوستانی زمینداروں نے بھی کسانوں کا ساتھ دیا۔ وہ اپنے علاقوں میں انگریز بگان مالکوں کو برداشت نہیں کر پارہے تھے۔ جیسے جیسے بغاوت پھیلنے لگی۔ بنگال کے تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعہ اخبارات اور دیگر رسائل میں مضامین لکھ کر اس بغاوت کی بھرپور حمایت کی گئی۔ ان مضامین سے برٹش حکومت نیل کی کھیتی کے مسائل سے واقف ہوئی۔ نیل درپن کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ اخباروں میں انگریزی بگان مالکوں کے زور زبردستی اور کسانوں پر کئے گئے مظالم کے بارے میں خوب لکھا گیا۔ اس بغاوت کی ایک خاص بات یہ رہی کہ سرکار نے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی۔ رفتہ رفتہ بنگال کے کچھ علاقوں سے اس کی کھیتی مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

بہار اور نیل کی کھیتی : بہار میں نیل کی کھیتی خاص طور سے شمالی بہار کے چمپارن اور مظفرپور کے علاقوں میں کی جاتی تھی۔ یہاں انگریز بگان مالکوں نے کچھ بڑے زمیندار سے زمین پٹے پر حاصل کئے اور نیل کی کھیتی شروع کرائی۔ زمینداروں نے بھی اپنے قرض کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے خوشی سے اپنی زمین انگریزوں کو دے دی۔ ان دو علاقوں کے علاوہ بھاگلپور، اور شاہ آباد علاقے میں بھی نیل کی کھیتی بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔

نیل کے علاوہ انگریزوں نے اس علاقہ میں افیم، پٹسن (جوٹ)، اور شورا نام کی فصلوں کی پیداوار بھی بڑے پیمانے پر شروع کروائی۔ موجودہ گیا ضلع افیم کی پیداوار میں پورے بنگال صوبہ میں پہلے مقام پر تھا۔

नील का उत्पादन कैसे होता था?

चित्र 10 – नील के खेतों के पास स्थित नील का एक कारखाना, विलियम सिम्पसन का चित्र, 1863.

नील हौज़ आमतौर पर बागान मालिकों की फैक्ट्रियों के आस-पास ही होते थे। कटाई के बाद नील के पौधों को कारखाने में स्थित वैट्स (हौज़) में पहुँचा दिया जाता था। रंग बनाने के लिए 3 या 4 कुंडों की ज़रूरत पड़ती थी। प्रत्येक हौज़ का अलग काम था। नील के पौधों से पत्तियों को तोड़कर पहले एक कुंड में गर्म पानी में कई घंटों तक डुबोया जाता था (इस हौज़ को किण्वन या फ़र्मेंटिंग कुंड कहा जाता था)। जब पौधे किण्वित हो जाते थे तो द्रव में बुलबुले उठने लगते थे। अब सड़ी हुई पत्तियों को निकाल दिया जाता था और द्रव को एक और हौज़ में छान दिया जाता था। दूसरा हौज़ पहले हौज़ के ठीक नीचे होता था।

दूसरे हौज़ (बीटर वाट) में इस घोल को लगातार हिलाया जाता था और पैडलों से घुमाया जाता था। जब यह द्रव हरा और उसके बाद नीला हो जाता था तो हौज़ में चूने का पानी डाला जाता था। धीरे-धीरे नील की पपड़ियाँ नीचे जम जाती थीं और ऊपर साफ़ द्रव निखर आता था। द्रव को छानकर अलग कर लिया जाता था और नीचे जमी नील की गाद – नील की लुगदी – को दूसरे कुंड (निथारन कुंड) में डाल दिया जाता था। इसके बाद उसे निचोड़कर बिक्री के लिए सुखा दिया जाता था।

चित्र 11 – नील के पौधों का ढेर एक औरतें ही ढोकर लाती थीं।

चित्र 12 – हौज़ में घोल हिलाते मज़दूर

यहाँ खड़ा नील मज़दूर हौज़ में पड़े घोल को हिलाने के लिए इस्तेमाल होने वाला पैडल लिए खड़ा है। इन मज़दूरों को 8 घंटे से भी ज़्यादा समय तक कमर तक भरे नील के घोल में खड़े रहना पड़ता था।

स्रोत : एक चित्रकार अथवा अनुवाद पात्र

चित्र 13 – बिक्री के लिए नील तैयार है।

यहाँ आप उत्पादन की आखिरी अवस्था को देख सकते हैं। दबाकर साँचों में ढाल दी गई नील की लुगदी को काटकर मज़दूर उन पर ठप्पा लगा रहे हैं। पीछे वाले हिस्से में एक मज़दूर इन टुकड़ों को सुखाने के लिए ले जा रहा है।

تصویر- 2

بہار میں نیل کی کھیتی دو طریقوں سے کی جاتی تھی۔ زیرات اور آسامی بار۔ زیرات میں انگریز لگان مالک براہ راست اپنی نگرانی میں مزدوروں سے کھیتی کرواتے تھے۔ آسامی بار میں لگان مالک رعیتوں کو ان کی خود کی زمین پر نیل کی کھیتی کرنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ انگریز انہیں بس کھیتی کا خرچ دیا کرتے تھے۔ کھیتی کے کام میں لگنے والی محنت کے نام پر انہیں بہت کم مزدوری دی جاتی تھی۔ 'تین کٹھیا نظام' اسی کے تحت چمپارن میں رائج کیا گیا۔ اس کے تحت کسانوں کو اپنی زمین میں ہر ایک بگھہ پر تین کٹھے کے در سے نیل کی کھیتی کرنی پڑتی تھی۔ اسی کی مخالفت میں مہاتما گاندھی نے چمپارن میں ستیہ گرہ کی شروعات کی۔ اس کے بارے میں آئندہ اسباق میں پڑھیں گے۔ ان دونوں قسم کی کھیتی میں کسان ہی استحصال کا شکار ہوتا تھا۔

نئے محصولی نظام انگریزوں کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے سامراج کی توسیع کی سمت اٹھائے گئے اہم ترین اقدام میں سے ایک تھا۔ اس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کو استحکام عطا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان انتظامات نے ہندوستان کے روایتی زمین مالکوں اور عام کسانوں، دونوں میں کئی طرح کے انتشار کو جنم دیا۔ جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے ذریعہ کیا گیا جو بغاوت کی شکل میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے

(i) بہار میں انگریزوں کے زمانے میں کس طرح کا زمینی نظام اپنایا گیا؟

(الف) مستقل بندوبست　　(ب) رعیت داری نظام

(ج) محال واڑی نظام　　(د) ان میں سے کوئی نہیں

(ii) انگریزوں کے آنے سے قبل زمین کا مالک کون ہوتا تھا؟

(الف) زمیندار　　(ب) تاجر

(ج) کسان　　(د) راجا

(iii) رعیت واڑی نظام زمین کا مالک کسے مانا گیا؟

(الف) کسان　　(ب) زمیندار

(ج) گاؤں (د) تاجر

(iv) برٹش حکومت کے ذریعہ ہندوستان میں اپنایا گیا نئے زمینی نظام کا خاص مقصد کیا تھا؟

(الف) اپنی آمدنی بڑھانا (ب) ہندوستانی گاؤں پر اپنی حکومت کو مضبوط کرنا

(ج) تجارتی نفع حاصل کرنا (د) کسانوں کی حمایت حاصل کرنا

2. درج ذیل کے جوڑے لگائیں:

(الف) محال واڑی	(الف) 1793
(ب) نیل درپن	(ب) بہار
(ج) نقدی فصل	(ج) دین بندھومتر
(د) مستقل زمینی نظام	(د) پنجاب

آیئے غور کریں :

(الف) انگریزی حکومت سے قبل ہندوستانی زمینی نظام اور مالگذاری نظام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) مستقل بندوبست کی خصوصیات بیان کریں۔

(ج) برٹش حکومت کے ذریعہ بار بار زمینی محصول نظام میں کی جانے والی تبدیلیوں کو آپ کس شکل میں دیکھتے ہیں؟ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(د) انگریزوں کے زمینی محصول نظام آج کے نظام سے کیسے مختلف تھی؟ مختصر میں بتائیں۔

(ہ) نئی محصول پالیسی کا ہندوستانی معاشرے پر کیا اثر ہوا؟

(و) نیل کی کھیتی کے اہم مسائل کو بیان کریں۔

آیئے کریں، دیکھیں:

(i) انگریزی حکومت کے زمانے میں اپجائی گئی فصلوں میں کون کون سی فصل آج بھی اپجائی جاتی ہیں؟ درجہ میں اپنے ساتھیوں سے مذاکرہ کریں۔

(ii) کھیتی کرنے کے طور طریقوں میں پہلے کی بہ نسبت آج کس طرح کا بدلاؤ آیا ہے؟ اپنے بزرگوں سے معلوم کریں۔

باب-4

نوآبادیات اور قبائلی معاشرہ

گذشتہ باب میں آپ نے انگریزوں کی مالگذاری نظام اور کھیتی کے حلقے میں آرہی تبدیلیوں کے بارے میں جانا۔ آپ نے یہ بھی جانا کہ کسانوں، زمینداروں اور گاؤں کے دیگر لوگوں پر ان کا کیا اثر پڑا۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں ان کی اس پالیسی کے خلاف کسانوں میں جدوجہد کی شروعات کے بارے میں آپ نے جانا۔ اب اس باب میں آپ ہندوستان کے جنگلوں اور پہاڑی علاقوں میں رہنے والے قبائلی سماج کے لوگوں کی زندگی پر انگریزی حکومت کی پالیسیوں سے پڑنے والے اثرات کے بارے میں جانیں گے۔

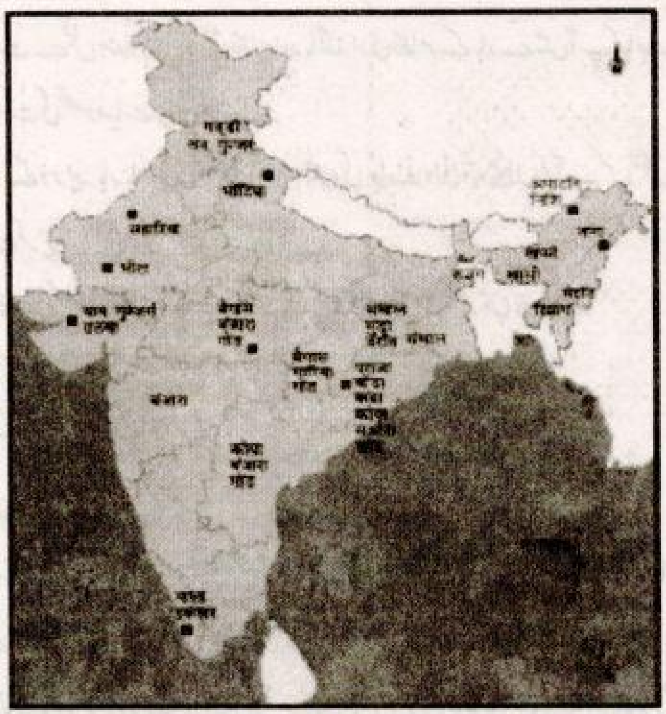

قبائل اکثریت علاقوں کو پیش کرتا ہوا ہندوستان کا نقشہ

قبائلی معاشرے کی زندگی : قبائلی سماج کے لوگ عام زبان میں آدیباسی کہلاتے ہیں۔ ایسا اس لئے کہا جاتا ہے

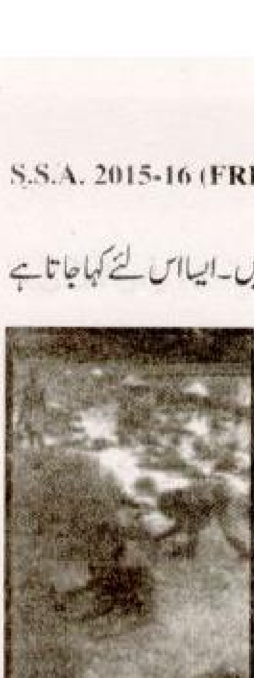

تصویر۔1: جنگلوں کو صاف کر کے کھیتی کرتے ہوئے آدیباسی

کہ وہ اس برصغیر میں سب سے قدیم زمانے سے رہنے والے لوگ ہیں۔ قدیم زمانے سے ہی ان کی زندگی پوری طرح سے جنگلوں پر منحصر تھی۔ ان کے گاؤں اور بستیاں عام طور پر جنگلوں کے بیچ یا آس پاس ہوتے تھے۔ ان کے روزمرہ کے استعمال کی زیادہ تر ضروریات کی تکمیل جنگلوں سے ہی ہوتی تھی۔ یہ آدیباسی ہمیشہ سے ہی پوری شفافیت کے ساتھ جنگلی وسائل کا استعمال کرتے آرہے تھے۔ وہ جنگلوں کو صاف کر کھیتی کے لائق زمین تیار کرتے تھے۔ مسطح علاقے میں وہ ہل سے کھیتی کرتے تھے۔ یہاں وہ دھان دلہن اور مکہ اپجاتے، لیکن جو پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے ان کی کھیتی کا طریقہ الگ تھا۔ اسے 'جھوم کھیتی' کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت وہ جنگل کے کسی حصہ کو کاٹ چھانٹ کر صاف کرتے تھے۔ دو تین سالوں تک اس جگہ پر کھیتی کرنے کے بعد جب

تصویر۔2 : ہل جوتنے والے مویشیوں کا استعمال کرتا ہوا آدیباسی

اس جگہ کی اپجاؤ قوت ختم ہو جاتی تھی تب وہ کسی اور جگہ پر یہی عمل دہراتے تھے۔ کچھ سالوں تک پڑتی چھوڑ دینے کے بعد پہلے کی جگہ پر واپس جنگل اگ جاتا تھا۔ اس سے ان کی کھیتی کا کام بھی آسان ہو جاتا تھا اور جنگل کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا۔ اس اصول کو گھومنتو کھیتی اصول کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

جنگلوں سے ان کی دیگر روزمرہ کی ضروریات کی بھی تکمیل ہو جاتی تھی۔ جیسے جلاون کے لئے لکڑیاں، کھانے کے لئے قند مول، پھل، شہد وغیرہ یا پھر جڑی بوٹیاں انہیں بڑی آسانی سے مل جاتی تھیں ان سب کے علاوہ وہ مویشی پروری بھی کیا کرتے تھے۔ جن کا چارہ بھی انہیں جنگلوں سے مل جاتا تھا۔ ان کے گھر بھی جنگل کی لکڑیوں کے بنے ہوتے تھے۔ اپنی ضرورت کے استعمال کے علاوہ وہ جنگل سے حاصل ہونے والی کچھ خاص

طرح کے پھل وغیرہ کو نزدیک کے بازار میں بیچ کر اپنی چھوٹی موٹی ضروریات کی تکمیل بھی کیا کرتے تھے۔ ضرورت کی جو چیزیں انہیں جنگل میں دستیاب نہیں ہوتی تھیں جیسے نمک، کپڑے وغیرہ ان کی خریداری بھی وہ پاس کے گاؤں کے تاجروں سے جنگل سے حاصل انہیں چیزوں کے بدلے میں کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس کے لئے کافی اونچی قیمت چکانی پڑتی تھی۔

تصویر۔ 3 : جنگل سے لکڑی کاٹ کر اور پتہ چن کر گھر جاتے ہوئے آدیباسی

تصویر۔ 4: تیر دھنش سے شکار کرتا ہوا آدیباسی

قبائلی سماج کے لوگ غذا کے لئے کچھ چھوٹے جانوروں جیسے ہرن، تیتر اور دیگر پرندوں کا شکار بھی کرتے تھے۔ شکار کا ذریعہ تیر دھنوش یا دیگر چھوٹے ہتھیار ہوتے تھے۔ مگر زیادہ تر ان کی غذا جنگلوں سے حاصل قند مول، پھل اور اناج ہی ہوتا تھا۔

ان کی صنعت وتجارت بھی جنگلوں پر منحصر تھی۔ ہاتھی دانت، بانس اور کچھ معدنیات پر کی گئی ان کی فنکاری دوسرے سماج میں کافی پسند کی جاتی تھیں۔ کچھ علاقوں میں ربڑ، گوند وغیرہ چیزیں انہیں جنگلوں سے ملتی تھیں۔ اس کی بھی وہ تجارت کرتے تھے۔ آگے چل کر کچھ سماجوں نے لاہ/لاکھ اور ریشم کی صنعت کو بھی استعمال کیا۔ وہ ریشم اور لاہ کے کیڑوں کو پالتے تھے اور بعد

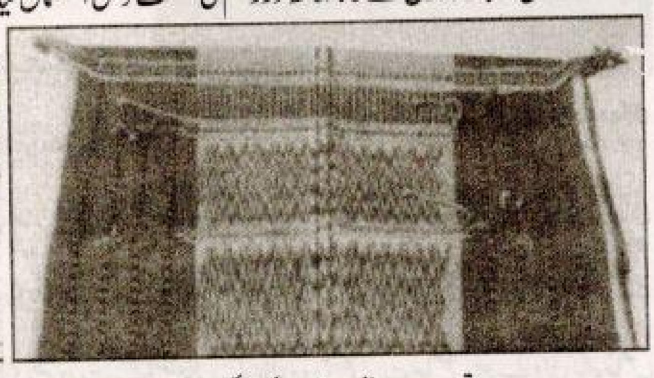

تصویر۔ 5 : منی پور میں جلیانگ قبائل کے ذریعہ تیار کیا گیا تکیہ کا غلاف

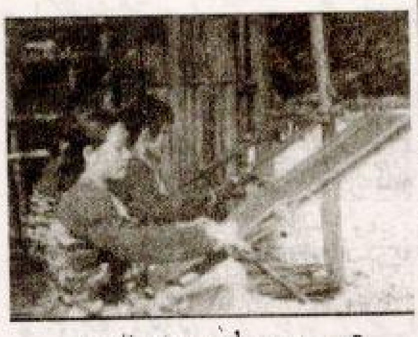

تصویر۔ 6 : اروناچل علاقے کی قبائلی عورتوں کے ذریعہ روایتی کرگھا پر بنائی

میں اسے باہر کے تاجروں کو بیچ دیتے تھے۔ عام طور پر ان سرگرمیوں میں انہیں زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ تاجران کی چیزیں بہت کم قیمت پر خریدتے تھے۔ ان چیزوں کی اصل قیمت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ان سب کے علاوہ آدیباسی عورتیں گھروں میں چٹائی بنانے، بنائی کرنے اور کپڑا بننے کا کام بھی کرتی تھیں۔

قبائلی سماج کے لوگ جنگل کا استعمال کن کن چیزوں کے لئے کرتے تھے؟ کیا ان کی صنعت کو ترقی دینے میں بھی جنگل کا رول تھا؟

اس طرح صدیوں سے پوری طرح سے جنگلوں پر منحصر رہنے کے باوجود ان کی سرگرمیوں سے جنگلوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس کی حفاظت کرتے تھے۔ جنگل کے باہر کی دنیا سے ان کا تعلق بہت زیادہ نہیں تھا اور وہ اپنی پرسکون اور سادہ زندگی سے مطمئن تھے۔ لیکن ان کا یہ اطمینان انگریزوں کے آنے کے بعد بہت دنوں تک قائم نہیں رہا۔

انگریزوں کے ذریعہ قائم کئے گئے نظاموں اور اصولوں کے قبائلی سماج پر اثرات

ہم نے گذشتہ سبق میں دیکھا ہے کہ کس طرح انگریزی سرکار کے افسران زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی کوشش میں لگے تھے۔ اپنی اس کوشش کے تحت انہوں نے پہلے تو مالگذاری کی قیمت کافی زیادہ رکھی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ علاقوں کے لوگ اس نظام کے تحت آجائیں۔ اسی کوشش میں وہ جنگلوں اور اس کے آس پاس رہنے والے قبائلی سماج کے گاؤں اور بستیوں تک پہنچ گئے۔ اس طرح مالگذاری نظام کا نقصان دہ اثر اس سماج پر سب سے پہلے پڑا۔ روایتی طور سے اس سماج کے لوگوں کا یہ ماننا تھا کہ جنگلوں کو صاف کر کے ان کے مورثوں نے اسے کھیتی کے لائق بنایا ہے۔ اس لئے زمین کے مالک وہ خود ہیں۔ اس کے لئے انہیں کسی کو کسی طرح کی مالگذاری یا ٹیکس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن نئی مالگذاری نظام کے تحت ان سب کے ذریعہ جوتی جانے والی زمینوں کو بھی سرکاری دستاویزوں میں درج کیا گیا اور جیسا کہ باقی کسانوں کے ساتھ ہوا۔ ان کے اوپر بھی سالانہ مالگذاری کی رقم طے کر دی گئی۔ مالگذاری کی یہ رقم ان کے لئے اتنی زیادہ ہوتی

تھی کہ اکثر انہیں مالگذاری ادا کرنے کے لئے قرض لینا پڑتا تھا اور قرض چکا پانا ان کے لئے اور بھی مشکل ہوتا تھا۔ اس طرح دھیرے دھیرے ان کی زمینیں یا تو نیلام ہونے لگیں یا پھر مہاجنوں کے قبضے میں چلی جانے لگیں۔ اس کا ایک اور سیدھا اثر جھوم کھیتی کرنے والے لوگوں پر پڑا۔ اب انہیں الگ زمینوں پر کھیتی کرنے کی آزادی نہیں رہی۔

ان کی بستیوں تک سرکاری کرمچاریوں کے پہنچنے کا ایک دوسرا اثر بھی ہوا۔ قرض لینے والوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے اب ان کے علاقوں میں غیر آدیباسی سیٹھ مہاجن اور سود خوروں کا بھی داخلہ ہوا۔ یہ مہاجن و ساہوکار ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ کس طرح ان کی زمینوں کو غصب کرلیا جائے اور انہیں اپنا بندھوا مزدور بنایا جائے۔

> **انہیں بھی جانیں!**
>
> سلیپر۔لکڑی کا تختہ جس کے اوپر ریل کی پٹریاں بچھائی جاتی ہیں۔

انگریزوں کے زمانے میں ایک بات اور ہوئی جنگل کی لکڑی کی تجارت اچانک ہی بڑی تیزی سے بڑھ گئی۔ اس وقت کولکاتہ، ممبئی اور چنئی (اس وقت کلکتہ، بمبئی اور مدراس) جیسے بڑے بڑے شہر بس رہے تھے۔ میلوں لمبی ریل لائنیں بچھائی جارہی تھیں اور بڑے بڑے جہاز بنائے جارہے تھے۔ ان سب کے لئے لکڑیوں کی ضرورت تھی۔

تصویر۔ 7 : جنگل کی کٹائی کرواکر سلیپر تیار کرتے انگریز افسران

1850ء کے بعد ہندوستان میں انگریزوں نے ریلوے کی شروعات کی تھی۔ تب سے لے کر 1910ء تک تقریباً پچاس ہزار کیلومیٹر ریل لائنیں بچھائی جاچکی تھیں۔ ریل لائنوں کے سلیپروں اور ریل کے ڈبوں کے لئے لکڑیوں کی ضرورت تھی۔ اس

کے لئے انگریزوں نے بڑے پیمانے پر جنگلوں کی کٹائی شروع کردی۔

اس کے علاوہ عمارتوں، کھدانوں اور جہازوں کے لئے معقول مقدار میں لکڑی کاٹ کر بیچا جانے لگا۔ یہ کام لکڑی کے تاجر اور جنگل کے ٹھیکیدار کیا کرتے تھے۔ برٹش حکومت کو بھی اس لکڑی کی تجارت سے بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ سرکار جنگلوں کو کاٹنے کا ٹھیکہ نیلام کرتی تھی۔ ٹھیکیداروں سے ملے پیسوں سے سرکار کو بہت آمدنی ہوتی تھی۔

جب ٹھیکیدار بے تحاشا جنگل کاٹنے لگے اور جنگل تیزی سے ختم ہونے لگے۔ تب افسران کو فکر ہونے لگی۔ اگر سارے جنگل کٹ جائیں گے تو ریل جہاز اور مکانوں کے لئے لکڑیاں کہاں سے آئیں گی۔ تب انہوں نے جنگل میں نئے پودے لگانے شروع کئے۔ مگر انہوں نے ایسے پودے لگانے شروع کئے جن کی بازار میں مانگ تھی۔

جنگل کا محکمہ بنا :

تیزی سے ختم ہوتے جنگل کا مسئلہ حل کرنے کے لئے برٹش سرکار نے 1864ء میں جنگل کا محکمہ قائم کیا اور 1865ء میں جنگل کا قانون بھی بنایا گیا۔ محکمۂ جنگلات کا کام تھا جنگلوں کی کٹائی پر نگرانی رکھنا اور نئے جنگل لگانا، جنگل قانون کے تحت نئے درختوں کی حفاظت کے لئے اور پرانے جنگلوں کو بچانے کے لئے متعدد قانون بنائے گئے۔ ان سب کا اثر یہ ہوا کہ عام لوگوں اور آدیباسیوں کا جنگلوں پر جو روایتی اختیار تھا وہ ختم ہونے لگا۔ وہ اب اپنی مرضی سے لکڑی کاٹنے، جانور چرانے پھل پھول اکٹھا کرنے یا شکار کرنے کے لئے جنگلوں میں نہیں جاسکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا جنگل میں داخلہ بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ ابھی تک اپنی ضروریات کی تکمیل کے لے آدیباسی بہت حد تک جنگلوں پر منحصر تھے لیکن اب اس پر برٹش سرکار نے پابندی لگادی۔

1878ء میں انگریزوں نے ایک اور قانون بنایا۔ اس کے تحت جنگلوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ بڑے جنگلوں کو سرکاری جنگل یا محفوظ جنگل اعلان کرکے سرکار نے وہاں اپنا قبضہ قائم کرلیا۔ اب آدیباسی وہاں لکڑیاں چننے یا جنگلی پیداوار کو حاصل کرنے نہیں جاسکتے تھے۔ جنگل کے محکمہ کے کرمچاریوں یا تاجروں کو ہی وہاں جانے کی اجازت تھی۔ اسی قانون کے تحت

جنگل کے باہری علاقوں کو اور دیگر جنگلوں کو محفوظ جنگل کہا گیا جس میں لوگوں کو جانے کی اجازت تھی مگر وہاں سے صرف اپنے کام کی چیز ہی لا سکتے تھے۔ وہ وہاں پیڑ نہیں کاٹ سکتے تھے۔ یا دو دن سے زیادہ اپنے جانور بھی نہیں چرا سکتے تھے۔

ان سب قوانین اور انتظاموں کا اثر یہ ہوا کہ آدیباسی لوگوں کی زندگی بہت مشکل ہوگئی۔ صدیوں سے جس طرح کی زندگی گذارنے کے وہ عادی تھے۔ وہ اب ممکن نہیں رہا۔ اس لئے اب نئے کام دھندوں کی تلاش میں انہیں جنگل اور اپنی بستیوں سے باہر آنا پڑا۔ ان دنوں جنگل محکمہ کا زیادہ تر کام ٹھیکیداروں کے ذریعہ ہی کیا جاتا تھا۔ کچھ ٹھیکیدار جنگل محکمہ کے لئے لکڑی کاٹنے کا کام کرتے تھے تو کچھ جنگلوں کے آس پاس سڑک بنانے کا کام۔ آدیباسی لوگوں کے پاس اب اپنا کوئی کام دھندا تو تھا نہیں تو انہوں نے ان ٹھیکیداروں کی نوکری ہی کر لی۔ یہاں انہیں جو مزدوری ملتی اس سے ان کا گذارا تو ہو جاتا مگر اپنی دیگر ضروریات کے لئے انہیں ٹھیکیداروں اور ساہوکاروں کے آگے قرض کے لئے ہاتھ پھیلانا پڑتا۔

ساہوکاروں سے لیا گیا قرض چکا پانا ان کے لئے آسان نہیں ہوتا۔ یہ آدیباسی بہت کم بلکہ نہیں کے برابر پڑھے لکھے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ سود کی رقم یا مہاجن نے ان پر کتنے رقم کا بوجھ ڈالا اسے نہیں سمجھ پاتے تھے۔ سود کی رقم نہیں چکا پانے کی وجہ سے انہیں زمین کے ساتھ ساتھ اپنے جانوروں اور ہل پھال وغیرہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ آخر میں قرض نہیں چکا پانے کی حالت میں ان کے پاس ساہوکار کا بندھوا مزدور بننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

ٹھیکیداروں اور مہاجنوں کے مظالم سے بچنے کے لئے کئی علاقوں کے آدیباسیوں کو کام کی تلاش میں اپنے قیام گاہ سے دور کے مقامات پر بھی جانا پڑتا تھا۔ وہ آسام کے چائے بگانوں اور ہزاری باغ و دھنباد کے کوئلہ کھدانوں میں بھی کام کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایسی جگہوں پر انہیں ٹھیکیداروں کے ذریعہ کام پر رکھا جاتا تھا۔ یہاں بھی یہ ٹھیکیدار انہیں بہت کم مزدوری دیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ منافع اپنے

> **جانکاری**
>
> بیگاری: بغیر مشاہرہ یا مزدوری کے کام کرنا

> **جانکاری**
>
> بندھوا مزدور: قرض چکانے کے لئے بغیر مشاہرہ مالک کی زمین پر تب تک کام کرتے رہنا جب تک کہ قرض کی رقم سود سمیت ادا نہ ہو جائے۔

پاس رکھ لیتے تھے۔

مالگذاری بندوبست اور جنگل قانون کے ذریعہ انگریزوں نے آدیباسیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

اگر آپ ان میں سے ایک ہوتے تو آپ کا کیا ردعمل ہوتا؟

ٹھیکیداروں اور مہاجنوں کے علاوہ اسی وقت انہیں تعلیم دینے کے مقصد سے عیسائی مشنریوں کی بھی ان کے علاقے میں آمد ہوئی۔ عیسائی مشنریوں کا حقیقی مقصد قبائلی علاقوں پر اپنا غلبہ قائم کرنا اور ان کا مذہب تبدیل کرنا تھا۔ انہوں نے آدیباسیوں کے مذہب اور ان کی ثقافت پر تنقید کرنا شروع کر دیا اور بہت سے آدیباسیوں کا مذہب بھی تبدیل کر دیا۔ عیسائی مشنریوں نے انہیں یہ لالچ دیا کہ وہ سیٹھ ساہوکاروں اور مہاجنوں سے ان کی حفاظت کرے گا۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ مشنریاں سیٹھ ساہوکار، زمیندار اور بچولئے کے ساتھ مل کر آدیباسیوں کا خوب اقتصادی اور جسمانی استحصال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزوں اور غیر آدیباسیوں کے خلاف قبائلی سماج کے لوگوں نے جابجا ہتھیار اٹھالئے۔

آدیباسیوں کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ تمام غیر آدیباسی یا باہری لوگوں کو جو دیہی اقتصادی نظام میں ان کے معاون کا کردار ادا کرتے تھے۔ ان سے ان کا گہرا سماجی تعلق تھا۔ یہ انگریزوں کے خلاف متحد ہونے میں ان کے مددگار بھی ہوتے تھے۔

قبائلی بغاوت کی شکل :

انیسویں صدی میں ہندوستان کے تقریباً تمام علاقوں میں آدیباسیوں نے انگریزوں اور ان کے معاون غیر آدیباسیوں کے گھس پیٹھ اور استحصال کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ ہندوستان میں سب سے بڑی تعداد بھیل قبائل کی ہے۔ گجرات، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، راجستھان، تریپورہ، کرناٹک وغیرہ صوبوں میں انہوں نے مہاجنوں اور ساہوکاروں کے استحصال کی مخالفت کرتے ہوئے ان کے قانونوں پر عمل کرنا بند کر دیا۔ گونڈوانہ کے گونڈ لوگوں نے اپنی زمین

کی حفاظت، اپنی پیداوار کے لئے مناسب قیمت کی ادائیگی، جنگلوں سے متعلق مختلف سرگرمیوں سے بچولئے اور ٹھیکیداروں کو دور رکھنے اور ساہوکاروں کے ذریعہ استحصال کو روکنے وغیرہ کے لئے بغاوت شروع کردی۔ اڑیسہ میں بندھ ذات کی بغاوت بھی زمینداروں اور ساہوکاروں کے استحصال کے خلاف تھا۔ شمال مشرق میں بغاوت کی شکل کچھ الگ ہی تھی۔ یہاں کی اکثریت آدیباسی افیم کی کھیتی کرتے تھے۔ انگریزوں نے افیم کی کھیتی پر بڑھتے ہوئے منافع کو دیکھ کر اسے اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش کی اور سرکاری اجازت کے بغیر افیم کی کھیتی پر روک لگادی۔ لیکن سب سے زیادہ بغاوت کا شعلہ اس عہد کے بہار کے سنتھال پرگنہ اور چھوٹا ناگپور کمشنری میں دھڑک رہا تھا۔ یہاں کے آدیباسی سیٹھ ساہوکار، مہاجن اور غیر آدیباسی بچولئے کے استحصال کے شکار تو تھے ہی ساتھ ہی انگریزوں کے ذریعہ ان لوگوں کو دی جارہی ہمت افزائی کے بھی خلاف تھے۔ عیسائی مشنریوں کی گھس پیٹھ بھی ان کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ تھی۔

اس عہد کے اخبار کلکتہ ریویو میں انگریزوں کے ذریعہ سنتھالوں پر استحصال کے بارے میں چھپا مضمون :

زمیندار، پولس، شعبہ محصولات اور عدالتوں نے سنتھالوں پر بے انتہا ظلم کیا۔ ان کی زمین جائیداد چھین لی۔ ہر قدم پر سنتھالوں کو بے عزت کیا جاتا تھا اور مارا پیٹا جاتا تھا۔ سنتھالوں کو قرض دے کر 50 سے 500 فیصد کی در سے سود وصولا جاتا تھا۔ دولت مند اور طاقت ور لوگ جب من میں آتا تھا محنت کش سنتھالوں کی کھڑی فصلوں پر ہاتھی دوڑادیا کرتے تھے۔ یہ ظلم عام بات ہوگئی تھی۔ دکو اور سرکاری کرمچاری بھی سنتھالوں کی نظر میں ظالم تھے۔ یہ لوگ سنتھالوں سے بیگاری کراتے تھے۔

> دکو : غیر آدیباسی سیٹھ اور مہاجن جو زیادہ سود پر قرض دیتے تھے اور ان کا استحصال کرتے تھے یہ تاجر اور بچولئے کا کام کرتے تھے۔

شروع میں ان آدیباسیوں نے اپنے اپنے لیڈر کی قیادت میں مالگذاری کی رقم دینا بند کردیا اور مہاجنوں وساہوکاروں کے احکام اور اصول کو ماننے سے انکار کردیا۔لیکن جب غیر آدیباسیوں کی حمایت میں انگریزی سرکار اپنی فوج کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور زور زبردستی کرنے لگی تب یہ افسران انگریزوں کے خلاف ہتھیار لے کر کھڑے ہوگئے۔ کچھ آدیباسی جماعتوں نے اپنا مقصد اپنے علاقے سے انگریزی حکومت کو ختم کرنا بنالیا۔اس دور کے بہار میں سنتھال بغاوت، منڈا بغاوت اور تانا بھگت تحریک نے آدیباسیوں سے زمین چھیننے کا سلسلہ ختم کر قبائلی سماج کو تحفظ فراہم کرنے کا راستہ صاف کردیا۔شمال مشرق ہندوستان میں بھی کھسیا، گارو اور ناگا قبائل نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردیا۔یہ تمام بغاوت ایک منظم بغاوت تھی۔

کیا قبائلی بغاوت صرف انگریزوں کے خلاف بغاوت تھی؟ ان بغاوتوں کے لئے سیٹھ ساہوکاروں اور مہاجن کہاں تک ذمے دار تھے؟

یہاں آپ خاص طور سے چھوٹا ناگپور کے منڈا بغاوت اور شمال مشرق میں ناگا قبائل کا جیلیا نگ رانگ تحریک کے بارے میں پڑھیں گے۔

برسا منڈا اور منڈا بغاوت :

برسا منڈا کی پیدائش 15 رنومبر 1874ء کو چھوٹا ناگپور کمشنری تماڑ تھانہ کے تحت اولہاتو گاؤں کے قریب ایک چھوٹے سے علاقہ چل کد میں ہوا تھا۔ان کے والد کا نام سگنا منڈا اور ماں کا نام کدی تھا۔برسا کی تعلیم وتربیت چائباسہ کے ایک جرمن مشن اسکول میں ہوئی تھی۔ابتدا میں کچھ منڈاؤں کے ساتھ مل کر انہوں نے عیسائی مذہب بھی قبول کیا۔لیکن بعد میں عیسائی مذہب سے ناراض ہوکر پھر منڈا بن گیا۔ان کے دل میں انگریزوں اور زمینداروں کے تئیں غصہ اور نفرت کے جذبات نے ہی منڈا بغاوت کو جنم دیا۔

1895ء میں برسا کو ان کے کل دیوتا سنگ بونگا سے ایک نئے مذہب کے اجرا کی تحریک ملی۔جس کے مطابق انہوں نے اپنے آپ کو بھگوان کا اوتار اعلان کردیا اور برٹش حکومت کے خاتمے کا بیڑا اٹھالیا۔اس کے لئے انہوں نے منڈاؤں کو مثالی

تصویر۔ 8 : برسا منڈا

اور مقدس زندگی جینے کا پیغام دیا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کے مقلدین کی تعداد زیادہ ہونے لگی اور وہ سب برسا کو پیغمبر ماننے لگے۔ برسا نے تبلیغ کی کہ اب منڈا راج شروع ہو گیا ہے۔ انہوں نے منڈاؤں کو حکم دیا کہ کسی کو بھی محصول نہ دیں اور زمین کا مصرف بغیر محصول دیئے ہی کریں۔ برٹش حکومت نے اس بغاوت کی وجہ سے برسا منڈا کو گرفتار کر کے رانچی جیل بھیج دیا اور ان پر بغاوت کا الزام لگایا۔ لیکن جیل سے چھوٹنے کے بعد برسا نے پھر سے لوگوں کی حمایت حاصل کرنا شروع کر دیا اور برٹش حکومت کے خلاف عوامی جدوجہد کے لئے مورچہ بنانا شروع کر دیا۔

لوگوں کو تیر کمان کی تعلیم دی جانے لگی اور رات میں جلسے منعقد کئے جانے لگے۔ 25 ردسمبر 1899ء کو برسا نے پہلا حملہ عیسائی مشنریوں پر کیا جس کا مقصد عیسائی بنے منڈاؤں کو دہشت زدہ کر انگریزوں کے خلاف کھڑا کرنا تھا۔ اس میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ بہتوں کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت جلد برسا کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور 2 رجون 1900 کو ہیضہ کی بیماری سے رانچی جیل میں ہی برسا کی موت ہو گئی۔

برسا نے خود کو بھگوان کا اوتار کیوں اعلان کیا؟

برسا منڈا کی موت کے بعد بھی منڈا تحریک رکی نہیں۔ بلکہ قبائلی علاقوں میں اس نے اور گہری جڑیں جمالیں اور آخر کار چھوٹا ناگپور کے اس عہد کے کمشنر کی سفارش پر 1902ء میں گملا اور 1905ء میں کھونٹی سب ڈویژن بنایا گیا تا کہ مسائل کو نزدیک سے سمجھا جا سکے۔ آدیباسی کسانوں کو تحفظ عطا کرنے کے لئے چھوٹا ناگپور کاشتکاری قانون 1908ء بنایا گیا۔ اس کے ذریعہ قبائلی علاقوں کی زمین کا غیر آدیباسیوں کو تبادلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

اس طرح منڈا تحریک نے برٹش حکومت کو جھکا دیا۔ ڈیڑھ سو سالوں سے چلا آرہا زمین چھیننے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قبائلی

سماج کو تحفظ حاصل ہوا۔ اس تحریک نے ہندوستان میں چل رہے قومی تحریک کو بھی متاثر کیا۔ اس وقت کے اخبار جیسے انگلش مین (Englishman)، پایونیر (Pioneer) اور اسٹیٹس مین (Statesman) وغیرہ میں اس تحریک کو کچلنے کی برٹش حکومت کی پالیسی کی کافی تنقید کی گئی۔ برسا کو بھگوان مان کر چھوٹا ناگپور کے قبائلی سماج کے لوگوں نے اس کے خوابوں کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ اب انہیں صرف زمین ہی نہیں بلکہ انگریزوں سے آزادی بھی حاصل کرنی تھی۔

منڈاری عوامی گیت جس میں برسا منڈا کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

مایوم تام دو برسا— باہوریکو ٹیکا۔ سندری کیڈ

جنگ تام دو برسا— دیشوم ہوروکو بلنگ کیڈ

ابینا ریکا کو دو برسا— دیشوم ہوروکو تا جیہ کیڈ

(ترجمہ : اے برسا! تیرے خون کا سر میں ٹیکا لگایا۔ اے برسا تیری ہڈی کا پردیسی لوگوں نے نمک لگایا۔ اے برسا تیرے سچے کاموں کو غیر ملکیوں نے اپنالیا)

اسی وجہ سے برسا قبائلی علاقے میں بھگوان کی شکل میں عبادت کے لائق ہیں :

تماڑ پرگنہ گیریڈے اولی ہاتو

برسا بھگوان اے جونوم لینا

منڈا بغاوت کے بعد بھی چھوٹا ناگپور میں بغاوت کی آگ نہیں دبی برٹش سامراج واد کے خلاف قومی تحریک چلتی رہی جو بعد میں کانگریس کی قیادت میں چلائے جا رہے قومی تحریکوں کا حصہ بن گیا۔

تصویر۔ 9 : جنگ کرتے ہوئے آدیباسی

شمال مشرق ہندوستان میں جینیانگ رانگ تحریک :

شمال مشرقی ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف ناگا قبائل نے سب سے مضبوط بغاوت کی۔ انیسویں صدی میں اس فرقہ کے لوگوں نے کئی بار بغاوت کی لیکن 1891ء میں جب انگریزوں نے منی پور کے شہزادہ کو پھانسی پر چڑھا کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا تب ناگا ذات کی بغاوت نے اور زیادہ زور پکڑ لیا۔ اس وقت منی پور نے جے مئی، لیانگ مئی اور رانگ مئی نام کے ناگا قبائل کی اکثریت تھی۔ سیاسی اور سماجی اتحاد کا قیام، غیر ملکی گھس پیٹھ سے تحفظ اور مذہبی اصلاح کے لئے جادونانگ نام کے رانگ مئی قبیلہ کے قائد کی قیادت میں 1920ء میں قبائلی لوگوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ درج بالا تین قبائل کے نام پر اس تحریک کو جیلیانگ رانگ تحریک کا نام دیا گیا۔ جادونانگ نے سب سے پہلے ان تینوں قبائل میں اتحاد قائم کر کے انگریزوں اور غیر آدیباسیوں کو باہر بھگانے کا ایک سیاسی منصوبہ بنایا۔ خاص بات یہ تھی کہ ان کی تحریک آگے چل کر گاندھی جی کے ذریعہ چلائے گئے سول نافرمانی تحریک کے ساتھ جڑ گئی۔

جادونانگ نے ناگا قبائل کے ساتھ کیا کیا؟

جادونانگ نے اپنی تیرہ سالہ چچازاد بہن گنڈالیو کے ساتھ مل کر ایک خفیہ تحریک کا منصوبہ بنایا اور ناگا صوبہ کے قیام کی کوششیں شروع کیں۔ اس میں جادونانگ کو کافی کامیابی مل گئی۔ لیکن برٹش حکومت کو اس کی بھنک مل گئی۔ اس لئے ایک قتل کے معاملے میں پھنسا کر 29 راگست 1929ء کو انگریزوں نے اسے پھانسی کی سزا دے دی۔ اس کے باوجود تحریک تھمی نہیں گنڈالیو نے اسے جاری رکھا۔ انگریزوں کے ذریعہ 1932ء میں اس تحریک کو بھی دبادیا گیا اور گنڈالیو کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ 1947ء میں آزادی ملنے کے بعد اسے رہا کیا گیا۔ گنڈالیو نے انگریزی حکومت کے ظالمانہ قانونوں کی نافرمانی کا خوف قبائل کے اندر جگایا اور اس طرح وہ گاندھی جی کے سول نافرمانی تحریک کی مرکزی دھارا سے اپنی تحریک کو جوڑنے میں کامیاب رہی۔

تصویر۔ 9 : رانی منڈالیو

حصول آزادی کے بعد قبائلی سماج کے لوگوں کے اقتصادی ترقی کے لئے بہت سارے قانون بنائے گئے۔ انہیں قومی دھارے میں جوڑنے کے لئے کئی ترکیبیں کی گئیں۔ پھر بھی ان میں بے اطمینانی کی لہر پھیلی رہی۔ اس کی خاص وجہ جغرافیائی اور سیاسی تھی۔ گرچہ دستور میں قبائل اور آدیباسیوں کے لئے تعلیمی اداروں اور ملازمت میں تحفظات کا انتظام کر دیا گیا تھا تاہم ان کی بے اطمینانی میں کمی نہیں آئی۔ ناگا قبائل کسی بھی قیمت پر اپنی ثقافتی شناخت کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے مجبور ہو کر یکم دسمبر 1963ء کو الگ ناگالینڈ صوبہ قائم کیا گیا۔ دستور میں شمال مشرقی صوبوں کے لئے خاص انتظام کیا گیا جس کے مطابق آسام، تریپورہ اور منی پور وغیرہ میں آدیباسیوں کو ان کے داخلی معاملے میں خوداختیاری دی گئی۔ پارلیامنٹ کے ذریعہ پاس شدہ قانون یہاں اس وقت تک نافذ نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی اس کی توثیق نہ کردے۔

سنتھال پرگنہ اور چھوٹا ناگپور میں بھی قبائلی بغاوت کم نہیں ہوئی اور وہ الگ علاقائی شناخت کے لئے لگاتار جدوجہد

کرتے رہے۔ نتیجہ کے طور پر پندرہ نومبر 2000ء کو بہار کی تقسیم کر کے جھارکھنڈ صوبہ بنادیا گیا۔

قبائلی بغاوتوں میں عورتوں کا رول

نوآبادیاتی نظام کے خلاف آدیباسیوں کی بغاوت میں آدیباسی عورتوں کا رول بھی کافی اہم رہا ہے۔ یہ عورتیں فوجی کاروائی سے لے کر بغاوت کی قیادت کرنے تک کے کام میں عورتوں کا ساتھ دیتی تھیں۔ سنتھالی بغاوت میں رادھا اور ہیرا نام کی عورتوں نے گڑانسا، کلہاڑی، اور لاٹھی جیسے اسلحوں کا استعمال کیا تھا جس کے لئے انگریز سرکار نے انہیں قید کرلیا تھا۔ سدھو کی بہن پھولو اور جھانو نے انگریزی کیمپ میں گھس کر اکیس فوجیوں کو تلوار سے مار گرایا تھا۔ 1899ء میں منڈا بغاوت کے وقت برسا منڈا کی عورت ساتھی سالی اور جمپی کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے فوجی تنظیم بنا کر برسا کا ساتھ دیا تھا۔ برسا کے دوست گیا منڈا کی بیوی کانی بوئی بیٹی، تھیگی، ناگی اور لیبو اور اس کی دو بہوئیں نے انگریزوں کے خلاف، گڑانسا، تلوار اور لوہے کے چھڑ کا استعمال کیا۔

تانا بھگت تحریک میں بھی چترا بھگت کے بعد لیکو اراؤں نام کی قبائلی عورت نے قیادت سنبھالا۔ شمال مشرقی علاقہ میں گنڈالیواس کی بہترین مثال ہے۔

ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جیسے گونڈ قبائل کے علاقے میں گونڈ خاتون راج موہنی دیوی نے 1960 کے عشرے کے نصف آخر سے 1950ء کے عشرے کی ابتدا تک تحریک کی قیادت سنبھالی۔

اگرچہ قبائلی علاقوں میں تعلیم کی کمی تھی تاہم غیر آدیباسیوں اور انگریزوں کے استحصال کے خلاف آدیباسی خواتین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنیں:

(i) قبائلی سماج کے لوگ عام زبان میں کیا کہلاتے تھے؟

(الف) ہریجن (ب) آدیباسی

(ج) سکھ (د) ہندو

(ii) دکو کسے کہا جاتا ہے؟

(الف) انگریز (ب) مہاجن

(ج) غیر آدیباسی (د) آدیباسی

(iii) برسا منڈا کس علاقے کے آدمی تھے؟

(الف) چھوٹانا گپور (ب) سنتھال پرگنہ

(ج) منی پور (د) ناگالینڈ

(iv) گنڈالیوں نے انگریزی سرکار کے ظالمانہ قانونوں کو نہیں ماننے کا احساس قبائلیوں میں جگا کر گاندھی جی کے کس تحریک میں قبائلی تحریک کو جوڑنے کی کامیاب کوشش کی؟

(الف) عدم تعاون تحریک (ب) سول نافرمانی تحریک

(ج) ہندوستان چھوڑو تحریک (د) کھیرا تحریک

(v) جھارکھنڈ صوبہ کس صوبے کی تقسیم کے نتیجے میں بنا تھا؟

(الف) بہار (ب) بنگال

(ج) اڑیسہ (د) مدھیہ پردیش

2. درج ذیل کے جوڑے بنائیے۔

(الف) جادوناگ	(الف) منی پور
(ب) برسامنڈا	(ب) اڑیسہ
(ج) کندھ ذات	(ج) جیلانگ رنگ
(د) ٹیکیندر جیت سنگھ	(د) تانا بھگت سنگھ
(ہ) جترا بھگت	(ہ) سینگ بوگا

آیئے غور کریں :

(i) اٹھارہویں صدی میں قبائلی سماج کے لئے جنگل کی کیا افادیت تھی؟

(ii) غیر آدیباسیوں اور انگریزوں کے تئیں آدیباسیوں کی مخالفت کیوں ہوتی؟

(iii) جنگل قانون نے آدیباسیوں کے کن اختیارات کو چھین لیا؟

(iv) عیسائی مشنریوں نے آدیباسی سماج میں بے اطمینانی پیدا کردی کیسے؟

(v) برسامنڈا کون تھے؟ انہوں نے قبائلی سماج کے لئے کیا کیا؟

(vi) جادوناگ کون تھا؟

(vii) قبائلی بغاوت میں خواتین کے رول کو بیان کیجئے۔

(viii) قبائلی سماج کی خواتین کی گھریلو صنعت کیا تھی؟

آیئے کرکے دیکھیں :

(i) انگریزی حکومت سے قبل قبائلی سماج کے لوگوں کی زندگی کیسی تھی؟ انگریزوں کی پالیسیوں سے ان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟ درجے میں استاد کے ساتھ مذاکرہ کریں۔

(ii) شمال مشرقی ہندوستان کی قبائلی بغاوت ہندوستان کے دیگر حصوں کے قبائلی بغاوت سے کس طرح الگ تھی؟

باب ۔5

دست کاری اور صنعت

ہندوستان ایک زراعت پر منحصر ملک ہے۔ لیکن دست کاری اور صنعت کے حلقے میں بھی دنیا میں پیش پیش رہا ہے۔ ہندوستان میں دستکاری اور صنعت انگریزوں کی حکومت سے قبل کافی ترقی یافتہ حالت میں تھی۔ یہاں کی خاص صنعت کپڑے کی صنعت تھا۔ مغلوں کے دور حکومت میں یہاں سے ایشیا اور یورپ کے ممالک میں سامان برآمد کیا جاتا تھا۔ خاص طور سے ڈھاکے کی ململ، بنگال اور لکھنؤ کی چھینٹ، احمد آباد کی دھوتیاں اور دوپٹے، ناگپور اور مرشد آباد کے ریشمی کنارے والے کپڑے اور کچھ دیگر سوتی کپڑوں کا برآمد بڑی مقدار میں ہوتا تھا۔ اس کے بدلے سونا اور چاندی درآمد ہوتا تھا۔ مصارف کی بہت ہی کم سامان درآمد کی جاتی تھیں۔ جیسے اونی کپڑا، تانبا، لوہا اور کاغذ، ایشیا کے ممالک میں چین سے چائے چینی مٹی کے برتن۔ انڈونیشیا سے مسالے اور عطر اور عرب سے قہوہ، کھجور اور شہد وغیرہ۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں ہندوستانی دستکاری اور صنعت کی حالت خراب ہونے لگی۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد سیاسی غیر یقینی اور غیر ملکی حملوں اور یورپی تاجروں کی آمد نے ہندوستانی تاجروں کو نقصان پہنچایا۔ کئی علاقائی حکمرانوں نے اپنی حکومت کی سرحد میں داخل ہونے کے لئے تاجروں پر زیادہ محصول لگا دیا جس سے تجارت میں گراوٹ آنے لگی۔ اس کی پیداوار پر بھی برا اثر پڑا۔ پھر بھی ہندوستانی بنکروں اور دستکاروں کی مہارت کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ اس وقت کپڑوں کی صنعت کے خاص مراکز تھے۔ بنگال میں ڈھاکہ، گجرات میں احمد آباد، سورت اور بھروچ، اتر پردیش میں لکھنؤ بنارس، جونپور اور آگرہ، کرناٹک میں بنگلور، تمل ناڈو میں کوئمبتور اور مدورائی میں، آندھرا پردیش میں وشاکھاپٹنم اور مچھلی پٹنم۔ کشمیر اونی کپڑے کے لئے مشہور تھا۔ صنعت کی ترقی کی وجہ سے تمام صنعتی مراکز شہر بن گئے۔ جس کے بارے میں باب ۔10 میں آپ آگے پڑھیں گے۔

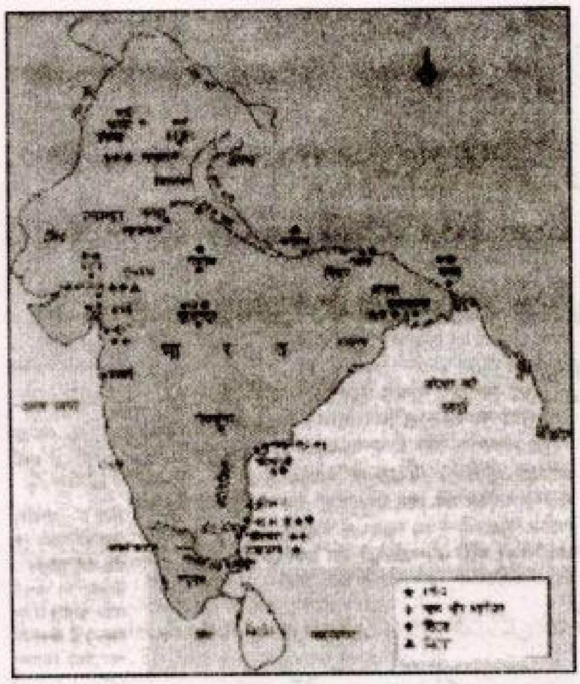

تصویر۔ 1 : اٹھارہویں صدی میں ہندوستان میں بُنائی کے اہم مراکز

ہندوستان کی دستکاری اور خوشحالی دیکھ کر یورپ کی کئی تجارتی کمپنیاں تجارت کے لئے آنے لگیں۔ باب۔2 میں آپ نے پڑھا ہے کہ سب سے پہلے پرتگالیوں نے کالیکٹ میں اپنی کوٹھیاں قائم کیں۔ انگلینڈ کی مہارانی ایلزابیتھ نے بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دے دی۔ انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں قیمتی سامان لاتی تھیں اوراس کے بدلے کپڑے اور مسالے وغیرہ ہندوستان سے لے جاکر غیر ممالک میں بیچتی تھیں۔ اس طرح اٹھارہویں صدی کے نصف اول تک یورپ ہندوستان میں تیارشدہ سامانوں کا خریدارتھا، لیکن ہندوستان کی معاشی خوشحالی کا خاص سبب سوتی کپڑوں کا ہتھ کرگھا صنعت تھا۔

سولہویں صدی میں پرتگالیوں کی تجارت سب سے پہلے کالکٹ سے شروع ہوئی۔ اس لئے انہوں نے سوتی کپڑوں کو کیلی کونام دیا۔ اسی طرح باریک سوتی کپڑوں کو یورپ کے لوگوں نے سب سے پہلے عرب تاجروں کے پاس عراق کے موصل نام کے شہر میں دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے باریک بنائی والے تمام سوتی کپڑوں کوانہوں نے مسلن نام دیا۔ اس تناظر میں ہندوستانی کاریگروں کی اونچی صلاحیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بیس گز لمبے اور ایک گز چوڑے بہتر ململ کے ٹکڑے کو ایک انگوٹھی میں سے نکالا جاسکتا تھا اور اسے بنانے میں چھ مہینہ وقت لگتا تھا۔

یورپ کی دستکاری اور صنعت ہندوستانی دستکاری اور صنعت کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔اس لئے اپنی صنعت کو فروغ دینے کے لئے انگلینڈ نے 1720ء میں کیلی کو قانون بنایا۔اس کے مطابق انگلینڈ میں ہندوستان کے لئے چھاپے دار سوتی کپڑے اور چھینٹ کے استعمال پر پابندی لگادی گئی اور ان کی درآمد کو انگلینڈ میں روک دیا گیا۔

اسی وقت جہاں تکنیکی فروغ کی ضرورت محسوس کی گئی۔سائنس دانوں کے ذریعہ کئے گئے ایجادات نے صنعت کے علاقہ میں ایک بہت بڑا انقلاب لادیا۔جس کے بارے میں آپ باب۔1 میں پڑھ چکے ہیں۔اس انقلاب کی وجہ سے تمام حلقوں میں کثیر پیداوار ممکن ہوسکی۔اب زیادہ کپڑا بہت کم قیمت پر انگلینڈ میں تیار ہونے لگا۔مانچسٹر اور لنکا شائر کپڑا صنعت کے بڑے مراکز بن گئے۔

اس کے باوجود بھی ہندوستانی کپڑوں کی مانگ یورپ کے بازار میں بہت زیادہ تھی۔انیسویں صدی میں سورت اور احمد آباد میں پٹولا بنائی والے کپڑے تیار کئے جاتے تھے جس کا غیر ممالک میں برآمد ہوتا تھا۔اسی طرح باریک ململ جام دانی بنائی کی جاتی تھی جس پر کرگھے سے سجاوٹی ڈیزائنیں بنائی جاتی تھیں عام طور سے اس میں سوتی اور سونے کے دھاگے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ڈھاکہ اور لکھنؤ اس طرح کی بنائی کے مراکز تھے۔ان کپڑوں کو یورپ میں بڑے بڑے گھر کے لوگوں اور شاہی خاندان کے لوگوں کے ذریعہ بہت پسند کیا جاتا تھا۔اس لئے مہنگے ہونے کے باوجود بھی ان کی مانگیں غیر ملکوں میں زیادہ تھیں۔

جامدانی بنائی والے کپڑے مہنگے کیوں ہوتے تھے؟ اس کا استعمال صرف شاہی خاندان کے لوگ ہی کیوں کرتے تھے؟

ہندوستانی پیداوار کی بڑھتی ہوئی مانگوں کو دیکھ کر 1813ء میں انگلینڈ کی سرکار کے ذریعہ آزاد تجارت کی پالیسی اپنائی گئی۔ابھی تک صرف انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہی ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا اختیار تھا۔آزاد تجارتی پالیسی نے تمام انگریز صنعت کاروں کے لئے ہندوستان میں تجارت کرنے کی آزادی دی گئی۔اس پالیسی کا سب سے پہلا حملہ ہندوستان کے کپڑا صنعت پر ہوا۔اب انگلینڈ کے سوتی کپڑے کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے ہندوستانی صنعت کاروں کے ساتھ

تصویر۔ 2 : پٹولا بنائی کا نمونہ

جامدانی بنائی کا نمونہ

درآمد برآمد ٹیکس میں امتیاز کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ انگریزی حکومت کا یہ مقصد تھا کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے سہارے ہندوستان سے خام مال کا آسانی سے برآمد کیا جاسکے اور تیار مال کو ہندوستان میں بیچا جاسکے۔ مشینوں کی وجہ سے زیادہ پیداوار ہونے لگی۔ اب وہ انگلینڈ میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی بازار تلاش کرنے لگے تاکہ ان کے تیار شدہ کپڑوں کی کھپت ہوسکے۔ اس لئے انگلینڈ کے تاجر اب انگلینڈ کا کپڑا لے کر ہندوستان میں بیچنے کے لئے آنے لگے۔

آزاد تجارتی پالیسی: اس پالیسی کے ذریعہ ہندوستانی تجارت پر کمپنی کا ایک طرفہ اختیار ختم ہوگیا۔ اب انگلینڈ کا کوئی بھی شخص ہندوستان کے ساتھ آزادانہ طور پر تجارت کرسکتا تھا۔

اس وقت تک انگلینڈ کی صنعت کافی ترقی کرچکی تھی۔ جس سے ہندوستان میں بھی سستے داموں کی وجہ سے اس کی مشینوں کے ذریعہ بنے ہوئے کپڑے فروخت ہونے لگے۔ آزاد تجارتی پالیسی ایک طرفہ پالیسی تھی۔ ہندوستان سے جو سامان انگلینڈ جاتا تھا اس پر وہاں درآمد سامان ہندوستان میں آتا تھا۔ اس پر کوئی ٹیکس نہیں لگتا تھا۔ اس لئے ہندوستان میں انگلینڈ کے سامان سستے داموں پر دستیاب ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی بنکروں اور سوت کاتنے والوں کی مالی حالت خراب ہونے لگی۔

تصویر۔ 4 : انگلینڈ کا سوتی کپڑا کارخانہ

اگرچہ انیسویں صدی میں ہندوستان کے ذریعہ انگلینڈ کو برآمد کئے جانے والے سامانوں میں اضافہ ہوا لیکن یہ اضافہ صرف کچے مال کی شکل میں ہوا۔ ہندوستان کو اب مجبور کیا جانے لگا کہ وہ ان چیزوں کی برآمد کرے جن کی انگریزی صنعت کو ضرورت تھی۔ جیسا کہ باب۔3 میں آپ نے پڑھا کہ انگریز کپاس، نیل، افیم، جوٹ وغیرہ جیسے کچے مال کی پیداوار کو حوصلہ دینے لگے۔ وہ کسانوں سے منمانا دام پر مال خریدتے تھے اور انہیں غلے کی جگہ نقدی فصل اپجانے پر مجبور کرتے تھے۔ انگلینڈ میں اشیائے خوردنی کی بھی کمی تھی۔ اس لئے ہندوستان سے غلہ بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں قحط کے زمانے میں غلہ برآمد کیا جاتا تھا۔ دوسری طرف خام مال کے لئے زیادہ زمین کا استعمال کئے جانے سے بھی ملک میں اشیائے خوردنی کی کمی ہونے لگی۔ انگریزوں کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح ماتحت ملکوں کا اقتصادی استحصال کر کے ان کی صنعتوں کو ختم کر کے اپنی صنعت کو فروغ دیا جائے۔

انگریزوں کی اقتصادی پالیسی سے ہندوستانی دستکاروں اور صنعتوں کا رفتہ رفتہ زوال ہونے لگا۔ ریلوے کی ترقی نے دیہی علاقوں میں بھی انگلینڈ کے سامانوں کو پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ اب دستکاری کی چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئیں اور مشین سے بنی ہوئی چیزیں بازاروں میں سستی ملنے لگیں۔ برٹش حکومت سے پہلے کھیتی، دستکاری اور گھریلو صنعت کا بہت اچھا توازن تھا۔ لیکن گھریلو صنعت اور دستکاری کے زوال نے اس توازن کو برباد کر دیا۔ دستکاری اور صنعت میں مصروف کاریگر اب شہر چھوڑ کر گاؤں میں لوٹنے لگے اور کھیتی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح انگلینڈ میں مشینوں کی ایجاد اور انگریزوں کی ہندوستان کے تئیں تجارتی پالیسیوں نے ہندوستان میں عدم صنعت کاری (De-industrialisation) کی حالت پیدا کر دی۔ کھیتی پر دباؤ بہت

بڑھ گیا جس سے ہندوستان میں بے روزگاری اور غریبی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اسے آپ باب۔3 میں پڑھ چکے ہیں۔

صنعت میں لگے ہوئے ہندوستانی کاریگر صنعت کو چھوڑ کر کھیتی کی طرف کیوں لوٹ آئے؟

> عدم صنعت کاری کا معنی ہوتا ہے — جب ملک کے لوگ دستکاری اور صنعت کو چھوڑ کر کھیتی کو اپنی گزر بسر کی بنیاد بنالیں۔

انگلینڈ میں جہاں ہتھ کرگھا صنعت کی بربادی کی جگہ نئی مشینی صنعتوں نے لے لیا وہاں ہندوستان کے دستکاروں اور بنکروں کی ترقی کی جگہ کسی دوسری صنعتوں نے نہیں لیا۔ اس کی خاص وجہ تھی۔ ہندوستان میں سرمائے کی کمی، تکنیکی تعلیم کی کمی ویسے ہندوستانیوں کی کمی جو صنعتی ترقی کے امکانات رکھتے ہوں اور انگریزوں کی آزاد تجارتی پالیسی۔ اس کے باوجود بھی انیسویں صدی کے نصف آخر میں کچھ ہندوستانی مشینی صنعت کے قیام کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے کپڑے کی صنعت کا منصوبہ بنایا کیونکہ اس کے کارخانہ کو کھولنے کے لئے کم سرمائے کی ضرورت تھی اس کے بعد جوٹ اور کوئلہ کھان صنعتیں بھی قائم کی گئیں۔

1854ء میں ممبئی اور پہلا سوتی کپڑے کا کارخانہ کاؤس جی ناناجی دابار نام کے ایک پارسی تاجر نے قائم کیا۔ 1880ء تک پورے ہندوستان میں 56 سوتی کپڑا ملیں قائم ہو چکی تھیں۔ ان کارخانوں کے لئے مشینیں غیر ممالک سے لائی جارہی تھیں۔ ہندوستان کے کپڑا صنعت کی ترقی نے غیر ممالک کو تشویش میں ڈال دیا۔ پھر بھی ہندوستانی صنعت کاروں کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اگر کسی طرح انگریزی حکومت صنعتوں کو فروغ دینے کا کام کرتی ہے تو پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ انگلینڈ سے آرہے کپڑوں پر سرکار خصوصی ٹیکس لگائے تا کہ وہ ہندوستان میں یہاں کے بنے ہوئے کپڑوں سے مہنگا فروخت ہو لیکن انگریزوں نے ایسی پالیسی نہیں بنائی۔ اس سے ہندوستان کی صنعتی ترقی سست رہی۔

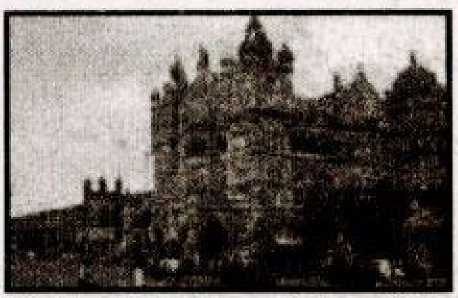

تصویر۔ 5 : بمبئی واقع سوتی کپڑا مل

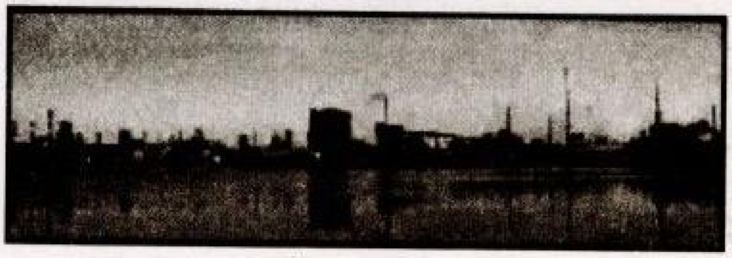

تصویر۔ 6 : ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کارخانہ

1855ء میں بنگال کے شسٹر میں پہلی جوٹ مل قائم کی گئی۔اسی طرح 1906ء میں کوئلہ کھان صنعت کی شروعات بھی کی گئی۔

بیسویں صدی میں قائم شدہ اہم صنعت لوہے کی صنعت تھی۔1907ء میں جمشید جی ٹاٹا کے ذریعہ اس عہد کے بہار (جھارکھنڈ) کے ساکچی نام کے مقام پر ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی قائم کی گئی۔(TISCO)۔یہی مقام آج جمشید پور کے نام سے جانا جاتا ہے یہاں اسٹیل کی پیداوار ہونے لگی۔

انگریزی حکومت نے انگلینڈ کے کپڑا صنعت کو بڑھاوا دینے کے لئے کیا کیا؟ ہندوستانی صنعت کاروں کو یہ سہولت کیوں نہیں ملی؟ ہندوستان میں اسٹیل کی پیداوار سے ہندوستانیوں کو کیا فائدہ ہوا؟

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کی شروعات میں ہندوستان میں کاغذ چینی اور آٹا وغیرہ کی ملیں بھی کھولی گئیں۔یہاں نمک ابرق اور شورے جیسی معدنیاتی صنعتیں بھی قائم کی گئیں۔مشینوں پر مبنی صنعتوں کے علاوہ نیل، چائے اور کافی کی باغبانی صنعتوں کو بھی فروغ حاصل ہوا جس کے بارے میں آپ باب۔3 میں پڑھ چکے ہیں۔ان صنعتوں میں غیر ملکی سرمایہ کی حصہ داری زیادہ تھی۔انگریزوں منافع کمانے کے لئے ہندوستانی صنعتوں کو اپنا سرمایہ لگا کر حوصلہ افزائی کرنا شروع کر دیا تاکہ ان صنعتوں پر ان کا غلبہ بنا رہے۔انگریزوں نے بینکوں پر بھی اپنے اثرات قائم کر رکھے تھے۔جہاں سے انہیں آسانی سے کم شرح سود پر قرض مل جاتا تھا۔جبکہ ہندوستانیوں کو اس کے لئے بہت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی اور انہیں اونچی شرح سود دینا پڑتا تھا۔

اس طرح ہندوستان میں صنعتی ترقی کا یہ سلسلہ ست رفتاری سے بیسویں صدی کے پہلے عشرے تک یونہی چلتا رہا لیکن اس کی تیز رفتار ترقی 1914ء کے بعد ہی ہو سکی۔اس وقت سے لے کر 1945ء تک انگلینڈ کو دو عالمی جنگوں اور کئی معاشی

مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس عرصے میں انگلینڈ کی پوری توجہ جنگی سامان جیسے اسلحوں کے بنانے میں لگی رہی اور مال ڈھونے والے جہازوں کو جنگی سامان ڈھونے کے کام میں لگا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلینڈ سے ہندوستان آنے والے سامانوں میں کمی ہونے لگی۔ جس سے ہندوستان میں تیار شدہ سامانوں کی فروخت بڑھ گئی اور پیداوار پر اس کا اچھا اثر پڑا۔ اس سے ہندوستانی صنعت کاروں کا فائدہ بے انتہا بڑھ گیا۔ اب صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ انگلینڈ اور یورپ کے دیگر ممالک میں ہندوستان میں بنے کپڑوں کی مانگ بڑھ گئی۔ جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں پانچ گنا اضافہ ہوگیا۔ ان دو عالمی جنگوں کے درمیان ہندوستانی صنعتوں کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ خصوصاً کپڑے کی صنعت کو کافی ترقی ہوئی۔

اس طرح ہندوستان میں صنعتی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ نتیجہ کے طور پر سماج میں دو نئے سماجی طبقوں کا نمود ہوا۔ صنعتی سرمایہ دار اور جدید مزدور طبقہ۔

صنعتی سرمایہ دار طبقہ وہ تھے جو ہندوستان کی صنعت میں اپنا سرمایہ لگاتے تھے۔ 1920ء کے بعد غیر ملکی سرمایہ کاری میں کمی ہونے لگی۔ اس دور میں ہو رہے صنعتی ترقی نے ہندوستانیوں کو سرمایہ کاری کے لئے متحرک کیا اور یہاں کے سرمایہ داروں نے غیر ملکی کمپنیوں کے سوتی کپڑا اور معدنیاتی صنعت کے حلقہ میں غیر ملکی کمپنیوں کو خرید کر ہندوستان کی صنعتی ترقی کیا۔

1920ء کے عشرے سے ہی جی ڈی برلا ہندوستانی صنعت کاروں کی ایک تنظیم بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد سے 1927ء میں فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری (FICCI) قائم کی گئی۔ یہ پورے ہندوستان میں تجارتی مفاد کے لئے کام کرنے والا ایک تجارتی ادارہ بن گیا۔

فن اور صنعت اور مزدوروں کی زندگی : 1850ء کے بعد سے ہندوستان میں مشینوں والی صنعت کھولی جانے لگی۔ سب سے بڑی صنعت کپڑا بنانے اور سوت کاتنے کی صنعت تھی جس میں سب سے زیادہ مزدور کام کرتے تھے۔ دوسری تھی جوٹ کی صنعت اور تیسری کوئلہ کی صنعت۔

مشینی صنعت شروع ہونے سے قبل ہندوستان میں کس طرح کی صنعت تھی؟ مشینی صنعت کی ضرورت ہندوستانیوں کو کیوں پڑی؟

ہندوستان میں سوتی کپڑا صنعت کا اہم مرکز ممبئی تھا۔ جوٹ اور چائے صنعت کا اہم مرکز بنگال تھا۔ یہاں مزدوروں کی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ تھی۔ ان کے رہنے اور کام کرنے کے حالات بہت دگرگوں تھے۔ وہ ایک دن میں پندرہ سولہ گھنٹے سے لے کر اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے تھے۔ وہاں فرصت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان کے رہنے کی جگہ بھی اچھی نہیں ہوتی تھی۔ وہ کارخانوں کے بغل میں واقع چھوٹی چھوٹی جھگی جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ جہاں صفائی اور پانی کی کوئی سہولت دستیاب نہیں تھی۔

تصویر۔ 7 : کوئلہ کھدان میں کام کرتا مزدور

تصویر۔ 8 : مزدوروں کے مکانات

مزدوروں کو وقت پر مشاہرے کی ادائیگی نہیں ہوتی تھی اگر مشین خراب ہو جائے یا مال کم تیار ہو تو اس میں مزدوروں کی کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی اس کے عوض میں مالک ان کے مشاہرے سے کٹوتی کرلیتا تھا۔ اتنا ہی نہیں اگر مزدور کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی تو اس کے علاج کا انتظام کرنا تو دور اس دن کام پر نہیں آنے کی وجہ سے اس کے مشاہرے میں کٹوتی کرلی جاتی تھی۔

کوئلہ کھدانوں کے مزدوروں کی حالت تو اور بھی دگرگوں تھی۔ جھریا اور گریڈیہہ کے کوئلہ کھدانوں کے مزدوروں کے کام کے گھنٹے صبح چھ بجے سے شام چھ بجے تک تھا۔ عورتیں اور بچے بھی زمین دوز کھانوں میں کام کرتے تھے۔ وہاں اکثر حادثات پیش آیا کرتے تھے۔ اگرچہ 1923ء کے بعد سرکار نے حادثہ بیمہ منصوبہ بندی کی شروعات کردی تھی لیکن معاوضے کی رقم لینے کے لئے بہت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔

اتنا ہی نہیں عورت، مرد اور بچوں کو گرمی میں 14 گھنٹوں تک اور جاڑا میں بارہ گھنٹوں تک کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک طرف کام کا بوجھ ہوتا تھا تو دوسری طرف روزگار کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں مزدوروں کے پاس تنظیم بنانے اور اپنے مطالبوں کو سرکار کے سامنے رکھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن اس سے ان کی نوکری کے چلے جانے کا خطرہ تھا۔ 1880ء میں بجلی کے بلب لگ جانے سے کام کے گھنٹے میں اور اضافہ ہونے لگا۔ اس لئے مزدوروں نے اب صنعت کاروں کے خلاف جگہ جگہ پر مخالفانہ مظاہرے کرنا شروع کر دیئے۔ ان کے خاص ابتدائی معاملے تھے۔ کام کے گھنٹوں میں کمی، ہفتہ واری چھٹی اور کارخانوں میں کام کے دوران زخمی ہوئے مزدوروں کو معاوضہ ہندوستانی صنعت کاروں کو ان کے مطالبے مناسب نہیں لگے۔ کیونکہ کام کے گھنٹے کم ہونے سے پیداوار میں کمی ہو جاتی۔ مالکوں کا خرچ بڑھ جاتا اور کارخانوں میں بنے سامانوں کی قیمت بڑھ جاتی ایسی حالت میں انگلینڈ کے بنے سامان سستے اور ہندوستان میں بنی چیزیں مہنگی ہو جاتیں اور ہندوستانی صنعت کی ترقی سست پڑ جاتی۔

تصویر۔ 9 : مزدوروں کی زندگی

اس وقت انگلینڈ کے صنعت کاروں نے ہندوستانی مزدوروں کا ساتھ دیا اس لئے انگریزی سرکار نے 1884ء اور اس کے بعد کے وقت سے مزدوروں کی حالت میں سدھار کے لئے کئی اصول بنائے جس نے عورت اور مرد اور بچہ مزدوروں کے کام کرنے کے گھنٹے اور ان کی روزانہ مزدوری طے کی گئی۔ پھر بھی ابھی مزدوروں کی حالت خراب ہی بنی رہی۔ لازمی سہولیات حاصل کرنے کے لئے مزدوروں نے ہڑتال کرنا شروع کر دیا۔ 1920ء تک ملک بھر میں کئی ہڑتالیں ہوئیں۔ اس سے پورے ملک کے مزدوروں میں اتحاد کا جذبہ بھی آیا جس سے متاثر ہو کر 1920ء میں ہی مزدوروں نے آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس (AITUC) نام کی تنظیم بنائی جو مزدوروں کے مفاد کے تحفظ کرنے والی تنظیم بنی۔ آگے چل کر وہی مزدور ہندوستان کی تحریک

آزادی کو مضبوط بنانے میں معاون رہی۔ حصول آزادی کے بعد ہندوستانی حکومت نے ان کے لئے کم از کم مزدور قانون بنا کر مزدوری کی شرح کو متعین کیا اور ان کی حالت میں اصلاح لانے کے لئے کوشاں رہی۔

آزادی کے بعد ہندوستانی سرکار ہندوستان میں دستکاری اور صنعت کے فروغ کے لئے برابر کوشاں رہی اور ایک صنعتی پالیسی بنائی گئی جس کے ذریعہ گھریلو صنعت کو حوصلہ دینے کے لئے کارگر قدم اٹھائے گئے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کی خاص صنعت درج ذیل میں کون تھی؟

(الف) کپڑے کی صنعت (ب) کوئلہ کی صنعت (ج) لوہا صنعت (د) جوٹ صنعت

(ii) فیڈریشن آف انڈیا چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری (FICCI) کا قیام کب ہوا؟

(الف) 1920ء میں (ب) 1927ء میں (ج) 1938ء میں (د) 1948ء میں

(iii) جوٹ صنعت کا خاص مرکز کہاں تھا؟

(الف) گجرات (ب) آندھرپردیش (ج) بنگال (د) مہاراشٹر

(iv) 1818ء میں انگریز حکومت نے کس مقصد سے مزدوروں کے لئے قانون بنائے؟

(الف) مزدوروں کی حالت میں اصلاح کے لئے

(ب) زیادہ پیداوار کے لئے

(ج) انتظامی سہولت کے لئے

(د) اپنے معاشی فائدے کے لئے

(v) آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس (AITUC) کا قیام کب ہوا؟

(الف) 1918ء میں (ب) 1920ء میں (ج) 1938ء میں (د) 1947ء میں

آیئے اس کا صحیح جوڑا لگائیں :

(الف) جوٹ صنعت	(الف) لکھنؤ
(ب) اونی کپڑے کی صنعت	(ب) بنگال
(ج) جامدانی بنائی	(ج) چمپارن
(د) لوہا صنعت	(د) کشمیر
(ہ) نیل بگان صنعت	(ہ) جمشید پور

آیئے غور کریں :

(i) کیلیکو قانون کے مقاصد کیا تھے؟

(ii) آزاد تجارتی پالیسی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

(iii) ہندوستانی صنعت کاروں میں ہندوستان میں صنعت کے قیام کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں تھیں؟

(iv) مزدوروں کے مفاد میں پہلی بار کب قانون بنایا گیا؟ ان قانونوں کا مزدوروں پر کیا اثر پڑا؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) اٹھارہویں صدی کے ہندوستان کے نقشے کو دیکھ کر بتائیں کہ کون سا صوبہ سوتی کپڑا صنعت کا سب سے بڑا مرکز تھا؟

(ii) اس سبق کی بنیاد پر یہ بتائیں کہ مزدوروں کو اپنے اختیارات کو حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

باب۔6

انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد

(1857ء کی بغاوت)

پچھلے اسباق میں آپ نے یہ جانا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کا قیام کیسے ہوا اور اس نے ہندوستانی نظام حکومت میں کیا تبدیلیاں کیں۔ اور یہ بھی آپ نے دیکھا کہ ان تبدیلیوں کا لوگوں کی زندگی پر کیا اثر پڑا۔ انگریزی حکومت کے کام کاج سے ہندوستان کی سماجی زندگی کا شاید ہی کوئی حصہ ایسا رہا ہو جس میں تبدیلی نہیں آئی ہو۔ زمیندار، نواب، بادشاہ، کسان، تاجر، دستکار، بنکر، مالدار سبھی لوگوں کی زندگی ٹھہری سی گئی تھی۔ کئی بادشاہوں کے ملک بھی چھن گئے۔ زمینداروں اور نوابوں کی زمینداریاں نیلام ہو گئیں۔ کسانوں کی حالت مزید قابل رحم ہو گئی۔ یہاں تک کہ فنکاروں اور بنکروں کا تو کام ہی بند ہو گیا۔ تاجروں کو آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت نہیں تھی اور مالدار لوگ تجارت اور چھوٹے موٹے کاروبار میں جو پیسے لگا کر نفع کماتے تھے وہ بھی بند ہو گیا۔ یہ تمام آپ نے پچھلے اسباق میں پڑھ چکے ہیں۔

انگریزی سرکار سے ناخوش یہ سبھی لوگ الگ الگ جگہوں پر الگ الگ طریقوں سے انگریزی حکومت کی مخالفت کر رہے تھے۔ مگر ان کی مخالفت میں اتحاد نہیں تھا۔ چھوٹے علاقوں تک محدود ان کی تحریک سرکار کے ذریعہ بڑی آسانی سے دبا دی جاتی تھی۔

پھر 58-1857ء میں ایسی کیا بات ہوئی کہ انہیں سب لوگوں نے مل کر انگریزی حکومت کے خلاف ایک بڑی تحریک شروع کر دی؟ آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ کوئی بھی حکومت خود کو مستحکم رکھنے کے لئے پولس اور فوج رکھتی ہے۔ آج بھی آپ یہ دیکھتے ہیں۔ تصور کریں کہ یہی فوج اور پولس حکومت کی خلاف ورزی کرنے لگے تو کیا ہوگا؟ سرکار مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے

گی۔ 1857ء میں انگریزی حکومت کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ انگریزی حکومت کی فوج میں شامل ہندوستانی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد نے حکومت کے مخالفت کی ابتدا کردی۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ سالہا سال تک ان کے ساتھ کام کرنے والے ہندوستانی فوجیوں نے ایسا کیوں کیا؟ تو یقینی طور سے ان فوجیوں کے ساتھ بھی کچھ ایسی بات ضرور رہی ہوگی جس نے انہیں بغاوت کرنے کے لئے ابھارا۔ آیئے اب ان کے اسباب کو جاننے کی کوشش کریں۔

ہندوستانی فوجیوں کی شکایتیں :

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا قبضہ ہندوستانی فوجیوں کی مدد سے ہی قائم کیا تھا۔ جیسے جیسے پرانے ہندوستانی ملک سے ختم ہوتے گئے ان ممالک کے لئے کام کرنے والے فوجی بھی بے روزگار ہوگئے۔ اس حالت میں انہوں نے انگریزی حکومت میں نوکری کرلی۔ ان کے لئے یہ اہمیت نہیں تھی کہ بادشاہ کون ہے انہیں تو سبھوں کے لئے لڑائی ہی لڑنی تھی اور اس کے عوض انہیں تنخواہ ملتی تھی۔ ان کے لئے اپنا اور اپنے خاندان کی بسر اوقات ضروری تھا۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی افواج میں ہندوستانیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

انگریزوں کی فوج میں ملازمت کرنے والے ہندوستانی سپاہی خوش نہیں تھے۔ انہیں انگریز فوجیوں کے مقابلے میں بہت کم تنخواہ ملتی تھی جبکہ کام وہ لوگ برابر ہی کرتے تھے۔ انگریزی فوج میں ایک ہندوستانی پیدل سپاہی کو سات روپے اور گھوڑسوار سپاہی کو 27 روپے ملتے تھے۔ دوسرے ہندوستانی سپاہی چاہے کتنا بھی اچھا کام کرے انہیں حولدار یا صوبیدار سے اونچا عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔ یہ دونوں عہدے کافی چھوٹے ہوتے تھے۔ فوج کے سبھی بڑے عہدے انگریزوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ فوج کے لئے بنائے گئے قوانین سے بھی وہ لوگ خفا تھے۔ نئے قانون کے مطابق ہندوستانی فوجیوں کو دوسرے ملکوں کے ساتھ ہونے والی جنگوں کے لئے سمندر پار بھی جانا ہوگا اس طرح کا اصول بنایا گیا۔ یہ قانون 1856ء میں بنا تھا۔ ہندو مذہب میں اس وقت سمندر پار کر کے دوسرے ملکوں میں جانا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ انگریز حاکم اور سپاہی ہندوستانی فوجیوں کے ساتھ بہت ذلت آمیز سلوک کرتے تھے۔

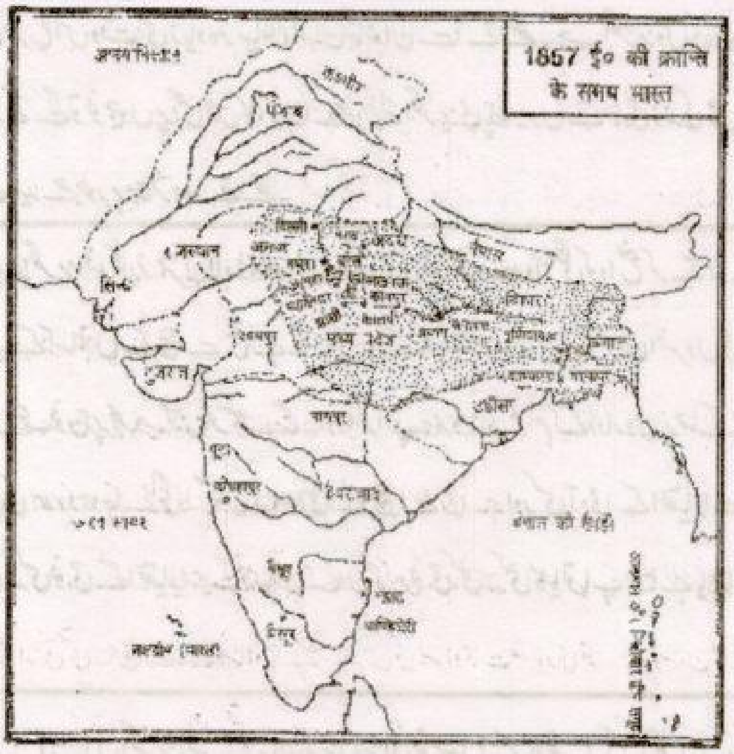

1857 کا انقلاب

انقلاب کے ہندوستانی قائد	عہد	مرکز	برٹش لیڈر	عہد
بغاوت کے	بغاوت کو دبانے کا		بغاوت دبانے کے لئے	بغاوت دبانے کے لئے
بہادرشاہ ظفر اور ظفر بخت خان	11، 12 مئی 1857ء	دلی	نکولسن ہڈسن	21 ستمبر 1857ء
فوجی قیادت				
ناناصاحب اور تاتیا ٹوپے	5 جون 1857ء	کانپور	کیمپ ویل	6 ستمبر 1857ء
بیگم حضرت محل	4 جون 1857ء	لکھنؤ	کیمپ ویل	مارچ 1858ء
رانی لکشمی بائی اور تاتیا ٹوپے	جون 1857ء	جھانسی، گوالیار	جھوروز	3 اپریل 1858ء
لیاقت علی	1857ء	الہ آباد، بنارس	کرنل نیل	1858ء
کنور سنگھ	اگست 1857ء	جگدیش پور (بہار)	ولیم ٹیلر بجر بسنٹ آیر	1858ء
خان بہادر خاں	1857ء	بریلی		1858ء
مولوی احمد اللہ	1857ء	فیض آباد		1858ء
عظیم اللہ	1857ء	فتح پور	جنرل رینڈ	1858ء

آج ہی کی طرح اس وقت بھی زیادہ تر سپاہی کسان خاندان سے آتے تھے۔ جب انگریزوں کی نئی زمینی نظام حکومت سے کسان برباد ہونے لگے تو فوجیوں پر بھی اس کا اثر پڑا۔ اس لئے انگریزی پالیسیوں سے سماجی زندگی میں جو تبدیلیاں آ رہی تھیں، فوجی اس سے سیدھے طور پر متاثر ہو رہے تھے۔

1856ء میں ایک انگریز افسر گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی سے فوج کی معاشرہ سے وابستگی کو واضح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہماری فوج ملک کے کسانوں کے بیچ سے بنی ہے۔ کسانوں کے کچھ اختیارات ہیں۔ اگر ان افسروں کی بربادی ہوئی تو ہم زیادہ دنوں تک فوج پر بھروسہ نہیں کر سکیں گے۔ اور اگر آپ ہندوستانی عوام کے اداروں پر حملہ کریں گے تو فوج ہندوستانی عوام کی ہمدرد ہو جائے گی۔ کیوں کہ وہ اسی کے بیچ سے بنی ہے اور کسی آدمی کے اختیارات کی بربادی کا مطلب ہے کسی نہ کسی فوجی کے اختیارات کی بربادی۔ کیوں کہ ہر فوجی کسی نہ کسی کا یا تو باپ ہوتا ہے یا بیٹا یا بھائی یا دور کا کوئی رشتہ دار۔

سرگرمیاں : آپ اس انگریز افسر کے بیان کو ہندوستانی فوجیوں کے تناظر میں کس شکل میں دیکھتے ہیں؟

اسی دور میں ان فوجیوں کے سامنے ایک بڑا مسئلہ آیا۔ یہ مسئلہ نئے قسم کی انفیلڈ رائفلوں سے پیدا ہوا اس رائفل کے جو کارتوس ہوتے تھے اس پر کاغذ کا ایک موٹا خول چڑھا ہوتا تھا۔ خول بنانے میں گائے، خنزیر اور دیگر جانوروں کی چربی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ کارتوس میں بھرنے سے پہلے خول کو دانت سے کاٹ کر مٹانا پڑتا تھا (اسے آپ تصویر میں دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں)۔ اس بات نے ہندو اور مسلمان دونوں فوجیوں کو مشتعل کر دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ گائے ہندوؤں کے لئے مقدس ہے جبکہ خنزیر مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ فوجیوں کو ایسا لگا کہ اگر وہ دانتوں سے کارتوس کے خول کو کاٹتے ہیں تو ان کا مذہب برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ ان رائفلوں کو برٹش حکومت اپنی فوجی صلاحیت بڑھانے کے لئے لائی تھی۔ لیکن ہندوستانی فوجیوں کو ایسا یقین ہو گیا کہ یہ رائفل اور کارتوس ان کے مذہب کو ختم کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ فوجی دیگر وجوہات کی بنا پہلے ہی سے ناراض تھے۔ اس بات نے انہیں ایک دم سے بھڑکا دیا۔

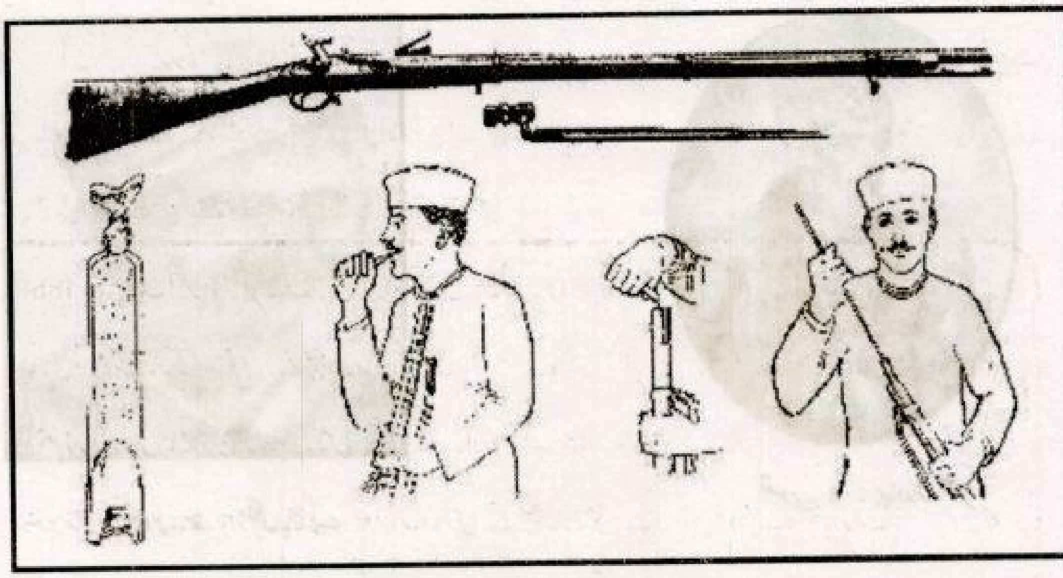

تصویر۔ 1 : انفیلڈ رائفل اور اس میں کارتوس بھرتا ہوا فوجی

بغاوت کی ابتدا : مارچ 1857ء میں بیرک پور چھاؤنی کے ایک جوان سپاہی منگل پانڈے نے نئے کارتوس اور رائفل کو لینے سے انکار کردیا۔ دباؤ ڈالنے پر اس نے اپنے آفیسر پر حملہ کردیا۔ اسے گرفتار کرکے فوراً پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد میرٹھ چھاؤنی کے 90 فوجیوں نے بھی ایسا ہی کیا انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا اور دس سالوں کی سزا سنائی گئی۔ اس واقعہ نے اس چھاؤنی کے تمام ہندوستانی فوجیوں کو بھڑکا دیا۔ 10 مئی 1857ء کو انہوں نے پوری چھاؤنی میں بغاوت کردی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑایا اور ان کے حمایتیوں کے ساتھ لوٹ پاٹ کیا۔ فوجیوں نے سرکاری خزانے کو بھی اپنا نشانہ بنایا۔ پھر وہ دلی کی طرف نکل گئے۔ دلی پہنچ کر انہوں نے شہر میں لوٹ پاٹ کرتے ہوئے برٹش حکومت کے انتظامی مراکز کو برباد کردیا۔ پورے شہر میں طوائف الملوکی کی حالت بن گئی اور دلی شہر انگریزوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ ان باغی سپاہیوں نے مغل بادشاہ کو اپنا قائد اعلان کردیا اور برٹش حکومت کے خلاف انہیں کی ہدایت پر جدو جہد جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ فوجیوں کے اس کام میں خاص بات یہ رہی کہ میرٹھ اور دلی دونوں شہروں میں شہری لوگوں کا ایک بڑا طبقہ ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

تصویر۔ 2 : منگل پانڈے

تصویر۔ 3 : بہادر شاہ ظفر

سرگرمیاں : باغی فوجیوں نے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو اپنا قائد کیوں منتخب کیا ہوگا؟

بغاوت پھیلنے لگی : جیسے جیسے دیگر فوجی چھاؤنیوں اور زمینداروں، کسانوں اور شہریوں کو میرٹھ اور دلی کے واقعات کا پتا چلا تو وہ لوگ بھی برٹش حکومت کی مخالفت میں متحرک ہونے لگے۔ یہ خبر کہ دلی پر سے انگریزوں کا قبضہ ختم ہوگیا ہے اور مغل شہنشاہ نے بھی ہندوستانی فوجیوں کو اپنی حمایت دے دی ہے برٹش حکومت سے ناراض تمام لوگوں کو یہ ایک اچھا موقع نظر آیا۔ زیادہ تر ناراض راجاؤں، نوابوں اور زمینداروں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہندوستان میں پھر سے مغل بادشاہ کی حکومت آجائے گی تو وہ پہلے کی طرح بے فکر ہوکر اپنا کام کرسکیں گے۔ اس لئے اگلے چند مہینوں میں تقریباً پورے شمالی ہند میں برٹش حکومت کی مخالفت شروع ہوگئی (اسے آپ تصویر۔ 1 میں دیکھ سکتے ہیں)۔ ہر جگہ فوجیوں نے بغاوت شروع کردی اور لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ ان بغاوتوں کی قیادت تو زمیندار یا نواب کررہے تھے یا پھر ویسے راجا جن کی حکومت انگریزوں نے چھین لی تھی۔ دلی کے بعد کانپور، لکھنؤ، جھانسی اور آرا وغیرہ مقامات پر باغیوں نے برٹش حکومت کو تقریباً ختم کردیا تھا۔ کانپور میں مراٹھوں کے آخری پیشوا باجی راؤ دوم (درجہ سات میں آپ نے ان کے بارے میں پڑھ چکے ہیں) کے متبنٰی بیٹا نانا صاحب نے اس کی قیادت کی۔ انگریزوں نے انہیں ملنے والی پنشن کو بند کردیا تھا۔ ان کے اہم ترین معاون تانتیا ٹوپے اور احمد اللہ تھے۔ لکھنؤ میں

بیگم حضرت محل جن کی حکومت اودھ کو انگریزوں نے غصب کر لیا تھا (دیکھیں سبق ۔2) وہ بغاوت کی قیادت کر رہی تھیں ۔ان کی حمایت یہاں کے کسانوں نے بڑے پیمانے پر کی۔ بغاوت کا ایک اور بڑا مرکز جھانسی تھا۔ وہاں کی رانی لکشمی بائی نے باغی فوجیوں کے ساتھ مل کر برٹش حکومت سے سخت مقابلہ کیا۔ ان کی حکومت کو بھی انگریزی حکومت نے چھین لیا تھا۔

تصویر۔ 4 : ناناصاحب

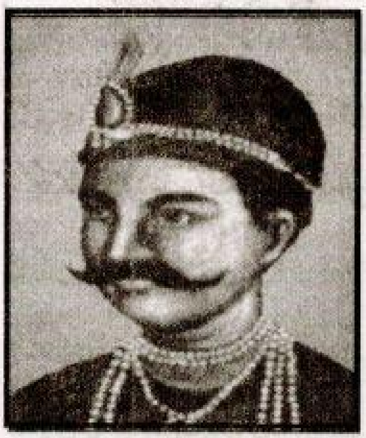

تصویر۔ 5 : تاتیا ٹوپے

تصویر۔ 6 : رانی لکشمی بائی

تصویر۔ 7 : بیگم حضرت محل

فیض آباد میں مولوی احمد اللہ شاہ نے لوگوں کی ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اور وہ بیگم حضرت محل کے لئے لڑے۔ بریلی میں سپاہی بخت خان نے بھی ایک فوج تیار کی اور مغل شہنشاہ کی مدد کے لئے دلی پہنچ گئے۔ بغاوت کے پھیلنے اور انگریزوں کی جگہ جگہ شکست سے لوگ جوش میں تھے اور لگاتار فوجیوں کی حمایت کر رہے تھے۔ انہیں لگا کہ ہندوستان سے اب غیر ملکی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب تک لوگوں کو یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ ان کی پریشانیوں کی خاص وجہ یہ غیر ملکی سرکار ہی تھی۔

1857 کی بغاوت اور بہار :

آپ بابو ویر کنور سنگھ کے نام سے ضرور واقف ہوں گے۔ ان کی یوم پیدائش پر آپ کے اسکول میں چھٹی بھی رہتی ہے۔ اپنے صوبہ بہار کے آس پاس کے علاقے میں 1857ء میں ہوئی بغاوت کے وہ خاص لیڈر تھے۔ اس لئے آج تک ہم ان کو یاد کرتے ہیں۔ کنور سنگھ آرا کے پاس واقع جگدیش پور کے زمیندار تھے۔ لیکن ان کی زمینداری انگریزوں نے چھین لی تھی۔ بغاوت کا منصوبہ بنانے میں تو وہ شامل نہیں تھے لیکن جیسے ہی داناپور چھاؤنی کے فوجیوں نے بغاوت کی اور آرا کی طرف بڑھے کنور سنگھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے مل گئے اور ان کی قیادت سنبھال لی۔ اصل میں اس بغاوت کے پہلے سے ہی بہار میں وہابی تحریک کی شکل میں انگریزی حکومت کو چیلنج مل رہا تھا۔ وہابی تحریک کے خاص لیڈر پٹنہ کے دو معزز مولوی ولایت علی اور عنایت علی تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے انگریزی حکومت کی ہر سطح پر مخالفت کی تھی۔ پٹنہ شہر اور دیگر مقامات پر ان کے حمایتیوں کی تعداد بہت بڑی تھی۔ اس لئے جیسے ہی انگریزوں کو فوجیوں کی بغاوت کی خبر ملی وہ پٹنہ شہر کو بچانے کے لئے متحرک ہو گئے۔ وہابی لیڈروں کو گرفتار کر کے شہر میں سخت قانون نافذ کر دیا۔ اس لئے ممکن ہے کہ داناپور باغی فوجی پٹنہ کے نزدیک ہونے کے باوجود آرا کی طرف چلے گئے۔ اس وقت کے تین اہم وہابی لیڈر محمد حسین، احمد اللہ اور واعظ الحق کو انگریزوں نے دھوکے سے گرفتار کر لیا۔ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس مخالفت کے لیڈر پیر علی کو انگریزوں نے گرفتار کر کے ان کے ساتھیوں کے ساتھ ان کو بھی پھانسی دے دی۔ اس طرح کی سخت کاروائی سے پٹنہ بغاوت سے تقریباً پرامن رہا۔

سرگرمیاں : کنور سنگھ کی زندگی کی کون سی بات آپ کو اچھی لگی؟ بتائیں۔

وہابی تحریک : مسلمانوں کے سماجی اور مذہبی حالت میں تبدیلی کے لئے عرب میں عبدالوہاب کے ذریعہ یہ تحریک شروع ہوئی۔ انہیں کے نام پر اس تحریک کا نام وہابی تحریک پڑا۔ ہندوستان میں یہ بریلی کے سید احمد کے ذریعہ شروع ہوئی اور پٹنہ اس کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے ایک روایتی مذہب پرست اور دانشور مسلم خاندان کی سرپرستی میں یہ تحریک کافی موثر

ہوئی۔ اس کے دو خاص قائد ولایت علی اور عنایت علی حقیقی بھائی تھے۔ گرچہ یہ مذہبی اور سماجی اصلاحی تحریک تھی لیکن آگے چل کر اس تحریک کا خاص مقصد انگریزی حکومت کو ہندوستان سے ختم کرنا ہوگیا تھا۔ اس کے لئے ان دونوں بھائیوں نے فوجی کوششیں بھی کی تھیں۔ یہ تحریک 1822ء سے 1868ء تک سرگرم رہی۔

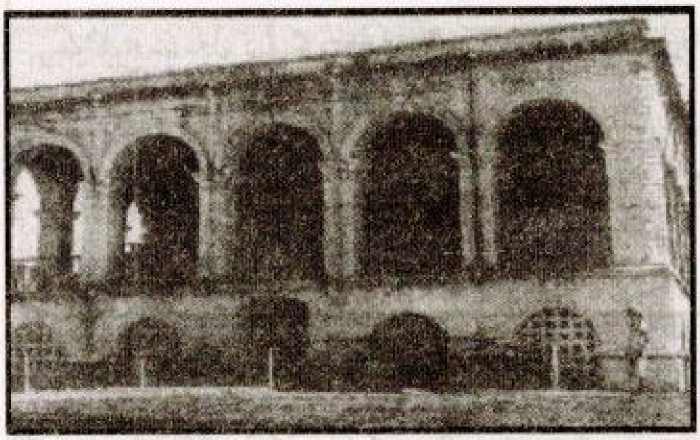

تصویر۔ 9 : کنور سنگھ کا آبائی مکان

تصویر۔ 8 : کنور سنگھ

کنور سنگھ نے داناپور فوجی چھاؤنی کے فوجیوں کی مدد سے آرا شہر سے انگریزی قبضہ کو ختم کر دیا اور وہاں کچھ دنوں کے لئے اپنی حکومت بھی چلائی۔ ان کی بغاوت کا اثر بہار سے منسلک یوپی کے علاقوں پر بھی رہا۔ انہوں نے وہاں بنارس، جونپور، اعظم گڑھ اور بلیا وغیرہ علاقوں کا سفر کیا اور انگریزی حکومت کو ختم کرنے کے لئے زمینداروں اور کسانوں کو اکسایا۔ انگریزی حکومت نے اس وقت ان کی گرفتاری کے لئے پچیس ہزار روپے کا انعام کا اعلان کیا۔ انگریزی حکومت سے ٹکراؤ کے سلسلہ میں ہی زخمی ہونے کے کئی دنوں کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ ان کی موت کے بعد ان کے بھائی امر سنگھ کے ذریعہ چھاپہ مار جنگی طریقہ (چھپ کر حملہ کرنا) سے انگریزی حکومت کو کافی پریشان کیا گیا۔ آخر کار وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور اسی دوران ان کی وفات ہوگئی۔

چشم دید غدر (جھانسی میں انگریزوں کے مظالم کا بیان) مانجھا کی روانگی سے

ادھر چاروں طرف سے پھاٹکوں سے گورے اندر آ گئے اور قتل عام شروع کر دیا۔ پانچ سال سے اسّی سال کا جو مرد نظر آیا اسے گولی یا تلوار سے مار دیا۔ شہر کے ایک حصہ میں آگ لگا دی۔ اس وقت شہر میں ایسی دہشت پھیلی جس کی انتہا نہیں تھی۔ خوف سے پریشان لوگ حماقت سے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ بھاگتے ہوئے میں بہت سارے گولیوں کے شکار ہوئے۔ کوئی کسی گلی میں لپکا تو کوئی گھر کے تہہ خانہ میں بھاگا۔ کوئی داڑھی مونچھ صاف کر کے عورت کا بھیس بدل کر بیٹھ گیا تو کوئی کھیتوں میں جا چھپا۔ اس طرح اپنی جان بچانے کے لئے جس کو جو نظر آیا اس نے وہی کیا۔ گورے لوگ گھروں میں گھس کر لوگوں کو مارنے اور ان کی دولت کو لوٹنے لگے۔ جو اپنی مرضی سے اپنی دولت دے رہے تھے اسے وہ چھوڑ دیتے تھے۔

باغی کیا چاہتے تھے۔ آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ بغاوت میں شامل راجاؤں اور زمین داروں کو اس بغاوت سے کیا فائدہ ہونے والا تھا؟ ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ وہ حکومت سے ناراض تھے اور اس بغاوت کے ذریعہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت واپس چاہتے تھے۔ 25 اگست 1857ء کو باغیوں کے ذریعہ جاری کئے گئے ایک اعلان نامہ جسے اعظم گڑھ اعلانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے، سے ہمیں اس باغیوں کے مقاصد کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس

یہ حصہ (مانجھا روانگی) نام کی کتاب کا ہے۔ اس کے مصنف مہاراشٹر کے ایک برہمن وشنو بھٹ گوڈسے ہیں۔ اس وقت وہ جھانسی کے علاقے میں للشمی بائی کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اس عہد کا بیان اپنے گھر پہنچ کر سنایا۔ گھر سے وہ متھرا کے ایک یگیہ میں حصہ لینے آئے تھے۔ اسی وقت بغاوت ہوگئی۔ اس کے متعلق تفصیلی بیانات اس کتاب میں شامل ہیں۔ یہاں اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دیا گیا ہے۔

اعلانیہ میں زمینداروں کو یہ کہا گیا کہ ان کی زمین چھینی نہیں جائے گی اور اپنے علاقے میں ان کی حکومت پہلے کی طرح بنی رہے گی۔ تاجروں کو تمام سامانوں کے تجارت کی آزادی ہوگی۔ سرکاری نوکری کرنے والے ہندوستانیوں سے کہا گیا کہ انہیں حکومت میں اونچا عہدہ دیا جائے گا اور ان کے ساتھ کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ پنڈتوں اور مولویوں کو مذہب کی حفاظت کرنے

کے لئے ساتھ دینے کو کہا گیا۔ بنکروں اور دستکاروں کو بھی سرکاری مدد کا بھروسہ دیا گیا۔

اس اعلانیہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ جو طبقہ انگریزی حکومت کی پالیسیوں سے زیادہ متاثر تھا انہیں بغاوت کی کامیابی کے بعد پہلے کی حالت میں لانے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ باغیوں نے بغاوت کے دوران جن تھوڑے دنوں تک الگ الگ مقامات پر حکومت کی۔ اس میں انہوں نے انگریزوں کے پہلے کے مغل عہد کے نظام کو ہی اپنایا۔

بغاوت کو دبا دیا گیا : آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب ہندوستانی باغی انگریزی حکومت ختم کرنے پر تلے تھے۔ انگریزوں کو مارا کاٹا جا رہا تھا ان کی جائیدادیں لوٹی جا رہی تھیں تو انگریز سرکار اور ان کی فوج کیا کر رہی تھی۔ اپنی حکومت اور اپنے لوگوں کو بچانے کے لئے اس نے بھی ضرور کچھ کیا ہوگا وہ ہندوستان سے اپنی حکومت کو ایسے ہی تو نہیں ختم ہونے دیتے۔ ہندوستان پر قبضہ سے انگریزوں کو ہونے والے منافع کے بارے میں تو آپ جان ہی چکے ہیں۔ انہیں دوبارہ اپنی حکومت کو ہندوستان میں قائم کرنے میں دو سال لگ گئے۔ انہوں نے انگلینڈ سے مزید فوج منگوائی۔ انہوں نے سب سے پہلے دلی کو اپنے قبضہ میں لیا۔ مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو ان کے بیٹوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے بیٹوں کو ان کے سامنے ہی گولی مار دی گئی اور بادشاہ کو رنگون بھیج دیا گیا۔ جہاں 1862ء میں ان کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد لکھنؤ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ بیگم حضرت محل گرفتاری سے بچنے کے لئے نیپال چلی گئیں۔ س کے بعد کانپور کو بھی انگریزوں نے جیت لیا۔ نانا صاحب بھی نیپال چلے گئے۔ جھانسی کی رانی جنگ کرتی ہوئی شہید ہوگئیں۔ تانتیا ٹوپے چھپ کر آدیباسیوں کی مدد سے انگریزوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ (گوریلا جنگ) کرتے رہے۔ لیکن ایک زمیندار کے دھوکے کی وجہ سے گرفتار کر لئے گئے۔ انہیں پھانسی دے دی گئی۔ کنور سنگھ اور امر سنگھ کے ساتھ کیا ہوا؟ اسے آپ پہلے ہی جان چکے ہیں۔ آرا اور آس پاس کے علاقوں پر قبضہ قائم کر لیا گیا اور ان کے خاندانی گھر کو منہدم کر دیا گیا۔ باغیوں کو جلد سزا دینے کے لئے قانون بنایا گیا جس کے تحت انہیں پھانسی دینے کے علاوہ توپ سے اڑا دینے جیسی سزا دی گئی۔

سرگرمیاں : سوچیں، انگریزوں نے سب سے پہلے دلی پر ہی قبضہ کیوں جمایا؟

ہندوستانی باغیوں کے پاس انگریزوں کے اچانک حملوں کا کوئی دفاع نہیں تھا۔ ان کے پاس اس قدر دولت بھی نہیں تھی۔ زمین دار جو قیادت کر رہے تھے وہ تو پہلے ہی برباد ہو چکے تھے۔ وہ کہاں سے مدد کرتے۔ انگریزی فوجیوں کی بہ نسبت ان کے پاس اسلحے بھی کم اور کمزور تھے جو ہتھیار اور گولہ بارود اور کارتوس فوجیوں سے لوٹے تھے وہ ختم ہو چکے تھے۔ اسے بنانے یا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے ہندوستانی اب روایتی اسلحوں (تلوار، بھالا) سے لڑنے لگے۔ آپ سوچ کر دیکھیں کہاں بندوق اور کہاں تلوار۔ بندوق کی جیت تو ہونی ہی تھی۔ جیسے جیسے لوگوں نے اپنے لیڈروں کی ہار کے بارے میں جانا انہوں نے بھی اپنے کو ان سے الگ کر لیا۔ ہندوستانی لوگ اچانک ہی اس بغاوت کا حصہ بن گئے تھے۔ ان کے پاس پہلے سے کوئی منصوبہ نہیں تھا جو بھی ہوا تھا اچانک ہوا تھا۔ دوسری بات تھی کہ یہ بغاوت پورے ہندوستان میں نہیں پھیلی۔ جنوبی، مغربی ہندوستان اس سے محفوظ رہا۔ اس کے علاوہ تمام ہندوستانی فوجیوں نے انگریزوں کی مخالفت بھی نہیں کی۔ انہیں وجوہات سے ہندوستان میں انگریز ایک بار پھر سے اپنی حکومت کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

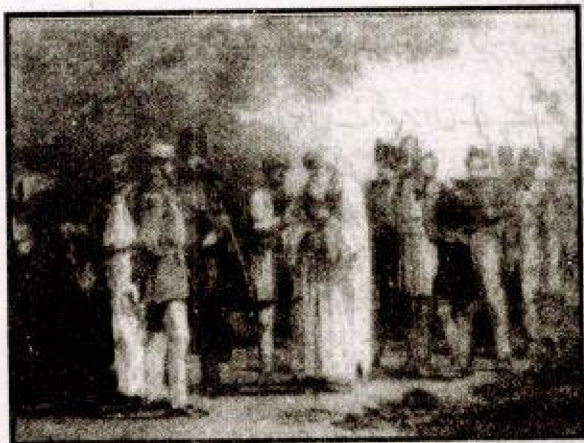

تصویر۔ 10 : گرفتار بہادر شاہ اور ان کے بیٹے

بغاوت کے بعد کے سال : بغاوت کو کچلنے کے بعد ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ڈھانچے اور شکل وصورت میں کافی تبدیلی کی گئی۔ 1858ء میں برٹش پارلیامنٹ نے قانون پاس کرتے ہوئے ہندوستان سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر کے اسے براہ راست سلطنت برطانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ ہندوستان کا اہم حکمراں برٹش سرکار کے ایک وزیر کو بنایا گیا۔ جسے ہندوستان کا سکریٹری کہا گیا۔ ہندوستان کے تمام حکمرانوں کو یقین دہانی کرائی گئی کہ مستقبل میں ان کی حکومتوں کو ان سے

چھینا نہیں جائے گا۔فوجی ڈھانچے میں تبدیلی کرتے ہوئے یورپی فوجیوں کی تعداد بڑھائی گئی۔ان کا تناسب اب 2:5 کا ہو گیا یعنی ہر ایک پانچ ہندوستانی فوجیوں پر دو گورے سپاہیوں کو لگایا گیا اور یہ بھی طے کیا گیا کہ اودھ، بہار، وسطی ہند اور جنوبی ہند سے سپاہیوں کی بحالی کی جگہ گورکھا، سکھ اور پٹھان کو زیادہ تعداد میں بحال کیا جائے۔ان تین جماعتوں کے فوجیوں نے بغاوت کو دبانے میں کمپنی کو کافی مدد کی تھی۔اسی وقت انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ ہندوستانیوں کی مذہبی اور سماجی زندگی میں چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی۔

اس طرح بغاوت کے بعد ہندوستانی حکومت کی شکل میں جو تبدیلی ہوئی اس کے نتائج کافی دوررس ثابت ہوئے۔ ہندوستان کے سیاسی حلقے میں اس کے بعد تبدیلی کا آغاز ہوا۔اس کے بارے میں آگے کے اسباق میں پڑھیں گے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنیے :

(i) 1857ء کی بغاوت کہاں سے شروع ہوئی؟

(الف) میرٹھ (ب) دلی (ج) جھانسی (د) کانپور

(ii) منگل پانڈے کس چھاؤنی کے جوان سپاہی تھے؟

(الف) داناپور (ب) لکھنؤ (ج) میرٹھ (د) بیرک پور

(iii) جھانسی میں بغاوت کی قیادت کس نے کی؟

(الف) کنور سنگھ (ب) ناناصاحب (ج) لچھمی بائی (د) بیگم حضرت محل

(iv) کنور سنگھ کہاں کے زمیندار تھے؟

(الف) آرا (ب) جگدیش پور (ج) دربھنگہ (د) ٹکاری

(v) وہابی تحریک کی قیادت بہار میں کس نے کی تھی؟

(الف) پیر علی　(ب) ولایت علی　(ج) احمد اللہ　(د) واعظ الحق

2. درج ذیل کے جوڑے بنائیں :

(الف) جگدیش پور	(الف) نانا صاحب
(ب) کانپور	(ب) کنور سنگھ
(ج) دلی	(ج) وشنو بھٹ گوڈسے
(د) لکھنؤ	(د) بہادر شاہ ظفر
(ہ) مانجھا پرساد	(ہ) بیگم حضرت محل

آیئے غور کریں :

(i) زمیندار انگریزی حکومت کی مخالفت کیوں کر رہے تھے؟

(ii) فوجیوں میں ناراضگی کے کیا اسباب تھے؟

(iii) بہادر شاہ ظفر کی حمایت سے کیا اثر پڑا؟

(iv) بغاوت کو دبانے میں انگریز کیوں کامیاب رہے؟

(v) 1857ء کی بغاوت میں کنور سنگھ کی کیا خدمات رہیں؟

(vi) باغیوں کے مقاصد اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(vii) بغاوت کے بعد انگریزی حکومت کی شکل میں کیا تبدیلی آئی؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) بغاوت کے وقت اگر آپ ہوتے تو انگریزی حکومت کی مخالفت کس طرح سے کرتے؟ اپنے ساتھیوں سے مذاکرہ کریں۔

(ii) 1857ء کی بغاوت کی اہمیت پر استاد کے تعاون سے درجہ میں مذاکرہ کریں۔

باب - 7

برٹش حکومت اور تعلیم

گذشتہ چند ابواب میں آپ جان چکے ہیں کہ انگریزی حکومت کی وجہ سے ہندوستانی لوگوں کی زندگی کے مختلف حلقوں میں کس طرح کی تبدیلیاں آئیں۔ یہاں آپ جانیں گے کہ انگریزوں کے ذریعہ ہندوستان میں پہلے سے رائج تعلیمی نظام میں کیا تبدیلی پیدا کی گئی۔ تعلیم کے میدان میں ان کے ذریعہ جو بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ اس کے پس پردہ کچھ اسباب ضرور ہوں گے۔ حکومتی نظام کے ذریعہ کئے جانے والے کسی کام کے پیچھے کچھ مقررہ مقاصد ہوتے ہیں۔ اس بات کو آپ موجودہ حکومت کے کاموں سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً آپ جہاں پڑھتے ہیں آپ کو مفت کتاب، اسکول ڈریس اور دوپہر کا کھانا ملتا ہوگا۔ سرکار کا یہ کام آپ کو خصوصاً اسکول سے جوڑے رکھنے کے لئے کیا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح انگریزوں کے ذریعہ ہندوستان میں تعلیم کے میدان میں جو بھی نئی بات لائی گئی اس کے اسباب اور مقاصد کو آپ اس سبق میں جان پائیں گے۔

انگریز تعلیم کو کس نظر سے دیکھتے تھے — انگریزوں نے اپنی حکومت پہلے ساٹھ سالوں کے دوران تعلیم کے میدان میں کوئی بھی نیا کام نہیں کیا۔ ہندوستان میں جیسے لوگ پڑھتے تھے اسکول اور نصاب تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ یہاں کے لوگوں پر اپنے ملک کے طریقہ تعلیم کو رائج کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ لیکن 1781ء میں کولکاتہ میں قائم مدرسہ اور بنارس میں قائم سنسکرت کالج اس سے مستثنیٰ تھے۔ ان دونوں اداروں کو ہندو اور مسلمانوں میں رائج قوانین اور روایات کو

ہوا۔ جس سے انگریز ہندوستانی طریقہ تعلیم میں تبدیلی کے لئے تیار ہو گئے۔

اصل میں اس وقت کئی ایسے انگریز افسران اور کرمچاری تھے جو ہندوستانی ادب، مذہب، فلسفہ اور ثقافت کو پوری طرح جاننا چاہتے تھے حکومت کے مقاصد کے پس پردہ ان کی اس حلقے میں دلچسپی اہم تھی۔ ان لوگوں میں ولیم جانس خاص تھے۔ اس طرح کے لوگ جب سے ہندوستان آئے تھے تبھی سے یہاں کی رائج زبانوں کو سیکھ رہے تھے۔ جن میں فارسی اور سنسکرت خاص زبانیں تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں دو زبانوں میں زیادہ تر کتابیں لکھی گئیں ہیں جس میں ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور روایات کی پوری جانکاری ہے۔ فارسی اور سنسکرت زبانوں کو سیکھ کر وہ انگریزی میں ترجمہ بھی کر رہے تھے۔ اسی ضمن میں کالیداس کی تخلیق ڈرامہ ابھگیان شکنتلم ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا، منواسمرتی، پنچ تنتر، ہتوپدیش جیسی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ جانس صاحب نے اپنے اس کام کو منظم کرنے کے لئے کولکاتہ میں 1784 میں (Asiatic society of Bangal) ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نام کا ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے سے وقتاً فوقتاً ایک رسالہ بھی شائع ہوتا تھا جس میں قدیم ہندوستانی روایات اور خوبیوں کی تعریف ہوتی تھی۔

مدرسہ۔ سیکھنے کا وہ مقام جہاں عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے اسے مدرسہ کہتے ہیں۔ یہ اسکول کالج کی طرح ایک ادارہ ہو سکتا ہے جہاں بچے پڑھتے ہیں۔

تصویر۔ 1 : ولیم جونس فارسی زبان سیکھ رہے ہیں

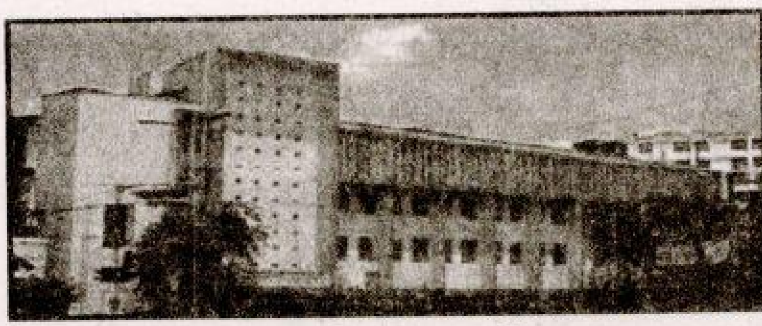

تصویر۔ 2 : ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

ولیم جانس اپنے دل میں ہندوستان کے تئیں عزت واحترام کا جذبہ رکھتے تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ کسی زمانے میں ہندوستان اپنی شان وشوکت کے عروج پر تھا۔ اگر ہندوستان کی عظمت کو جاننا ہے تو اس زمانے میں لکھی گئی عظیم ہندوستانی

> مئی 1933ء میں کوڈی ارسونام کے اپنے نوٹ میں پیریار نے لکھا کہ عزت نفس تحریک کا صحیح راستہ ہے۔ سرمایہ داروں اور مذہبی مظالم کو ختم کرنا ہی اپنے مسائل کو سلجھانے کا ایک واحد راستہ ہے۔

ہوگئی۔ 1932ء تک گاندھی جی نے ہریجن سیوک سنگھ قائم کیا جو انہیں علاج اور تکنیک سے متعلق جانکاری اور دیگر سہولیات بہم پہنچانے کا ذریعہ بنا۔ 1934ء میں ہریجن نام سے ہفتہ واری رسالہ نکالا گیا جس میں کئی حساس موضوع جیسے ہریجنوں کا مندر میں داخلہ، تالابوں کو ہریجن کے لئے دستیاب کروانا تعلیمی اداروں میں داخلہ وغیرہ کی حمایت کی گئی۔ گاندھی جی کا یہ تعمیری قدم انسانی جذبات سے متاثر تھا اور اس سے قومی تحریک کو نئی قوت اور حمایت ملی۔ گاندھی جی نے ذات پات کے نظام میں اصلاحی کوششوں کے ساتھ چھوا چھوت کی مخالفت عورتوں کی حالت میں سدھار اور ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کرنے کے اہم ترین اپائے کئے۔

جب دوسری گول میز کانفرنس کے بعد دلتوں کے لئے الگ انتخاب کا انتظام ہوا۔ تب گاندھی جی اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ ماننے کی سرکاری پالیسی سے انتہائی غمگین ہوئے اور اسے ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اس کے خلاف تامرگ بھوک ہڑتال کیا۔ جس کے نتیجہ میں 26 ستمبر 1932ء کو بھیم راؤ امبیڈکر کے ساتھ پونہ سمجھوتہ ہوا اور گاندھی جی ہریجنوں کی ترقی میں مصروف رہے۔ گاندھی جی ذات پات کے رائج نظام کے زبردست ناقد تھے۔ گاندھی جی صرف ہندوستان کو برٹش حکومت سے آزاد کرانا ہی نہیں چاہتے تھے بلکہ ہندوستان میں جس طرح کی سماجی گراوٹ آئی تھی اسے دور کرنا بھی مہاتما گاندھی کے اعلیٰ مقاصد میں شامل تھا۔۔ ان کا ماننا تھا کہ ہندوستان صحیح معنوں میں تبھی آزاد ہوگا جب وہ اپنی داخلی کمزوریوں پر قابو پالے گا۔

باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر :

باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے ذاتی تفریق اور تعصب کو بہت قریب سے محسوس کیا تھا۔ ان کی زندگی کا مقصد دلتوں کے استحصال کو ختم کرنا تھا۔ وہ دلت سماج کو مساوات کا مکمل اختیار عطا کرنا چاہتے تھے نہ کہ صرف چھوت یا کسی روح کی سہولت۔ ہندوستانی ذات پات کے سماج میں دلت طبقہ کو باعزت مقام دلانا امبیڈکر کے لئے زیادہ اہم تھا۔ جاگیردارانہ غلامی

انگریزی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کریں گی۔ لیکن انگریزوں کا ایک بڑا طبقہ اس اس خیال سے متفق نہیں تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ہندوستانی علوم غیر سائنسی اور غیر اطلاعات پر مبنی ہیں۔ اس لئے اس قدر پیسہ اس قدیم ہندوستانی تعلیم پر خرچ کرنا حماقت ہوگی۔ اس خیال کے خاص مفکر جیمس مل اور میکالے تھے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ہندوستانیوں کو عملی زندگی کی تعلیم دینی چاہئے۔ انہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ انگلینڈ اور دیگر یورپی ممالک کس طرح سائنسی اور تکنیکی کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔

اس اختلاف میں ایک خاص بات یہ ابھر کر آئی کہ اس دور کے چند بیدار مغز ہندوستانی جن میں راجا رام موہن رائے خاص تھے۔ انہوں نے بھی انگلینڈ میں رائج شدہ تعلیم کو ہی ہندوستان میں رائج کرنے کی وکالت کی۔ ان ہندوستانیوں کو یقین تھا کہ ہندوستان کی ترقی اسی تعلیم کے ذریعہ ممکن ہے۔ راجا رام موہن رائے لگاتار اس خیال کی تبلیغ کرتے رہے۔ میکالے نے اپنے دعوئی میں سائنسی اور تکنیکی تعلیم کے فوائد کی پرزور وکالت کی۔ اس تعلیم کے لئے انگریزی زبان کی اہمیت کو خصوصی طور پر واضح کیا۔ وہ کہتے تھے کہ انگریزی زبان پڑھنے سے ہندوستانیوں کو دنیا کی بہترین جانکاری مل سکے گی۔

میکالے کے خیال کو ہی آخر کار انگریزی حکومت نے تسلیم کیا۔ 1835ء میں اسی کی بنیاد پر ایک قانون پاس کیا گیا۔ اسے ہی جدید تعلیم قانون کا نام دیا گیا۔ اس قانون میں یہ انتظام کیا گیا کہ انگریزی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہوگی اور ہندوستانی زبانوں اور ان میں دی جانے والی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔ اسکولی سطح کی تعلیم کی شکل کو پہلے والی شکل میں ہی چھوڑ دیا گیا۔ پھر بھی اسکول کی درسی کتابیں بھی انگریزی میں چھاپی جانے لگیں۔ اس طرح ہندوستان میں پہلی بار لوگوں کے لئے ایک نئے تعلیمی نظام کی ابتداء ہوئی۔

تصویر۔ 3 : میکالے اور اس کا اسٹڈی روم

کے اختیار کے لئے تحریک شروع کی گئی۔ بعد میں 1920ء کے عشرے میں یہ تنظیم مادھون کی قیادت میں گاندھی وادی قومیت سے متاثر ہوئی۔1930 تک اس تنظیم پر سامراجی اثرات حاوی ہونے لگے۔جس سے یہ ایسے انقلابی طبقہ کی شکل میں ابھرے جوایشور کے نہیں ہونے پر یقین رکھتے تھے۔کریل میں بسے قدیم آندھر دلت بھی اس تنظیم سے متاثر ہوئے اوراپنی فلاح و بہبود کے لئے خود آگے بڑھنے لگے۔اس طرح جنوبی ہند کی سماجی اصلاح تحریک نے سماج کے پسماندہ طبقے کو ملک کے خاص دھارا سے جوڑنے کی کامیاب کوشش کی۔

تصویر۔ 4 : پیری یار

ای وی راماسوامی نائیکر (پیریار) (1879ء۔1973ء) :

بیسویں صدی کی ابتداء میں غیر برہمن تحریکیں آگے بڑھیں یہ کوشش ان غیر برہمن ذاتوں کی تھی جنھیں تعلیم دولت اور اثرات حاصل ہو چکے تھے۔سماجی انصاف کا مطالبہ کرتے ہوئے ان کے ذریعہ حکومت پر برہموں کے دعوے کو چیلنج کیا گیا اور غیر برہمن جماعتوں کے لئے ثقافتی اور سماجی فروغ کی تدبیریں کی گئیں۔

ای وی راماسوامی نائیکر (پیریار) نے ذات پات کے نظام کی تنقید کی۔ انہوں نے انسانیت کی بنیادی مساوات اور عزت پر زور دیا۔ پیریار جو خود ایک سنیاسی تھے۔وہ ہندو ویدا اور پرانوں کے کٹر ناقد تھے۔وہ خصوصاً بھگوت گیتا، رامائن اور منو کے ذریعہ تخلیق کردہ قانون کے مخالف تھے۔ان کا ماننا تھا کہ برہموں نے ادنیٰ ذاتوں پر اپنی حکومت اور عورتوں پر مردوں کا غلبہ قائم کرنے کے لئے ان کتابوں کا سہارا لیا ہے۔

1924ء کے ایک چھوٹے سے واقعہ اور ان کے ذاتی تجربہ نے انہیں کانگریس پارٹی سے الگ کر دیا۔اگر چہ عدم تعاون تحریک میں انہوں نے سرگرم حصہ لیا تھا جب کانگریس کے ذریعہ منعقدہ ایک دعوت میں ادنیٰ ذات کے لوگوں کو الگ بٹھایا

مقامی درسگاہوں کا کیا ہوا : کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ انگریزوں سے پہلے یہاں بچوں کو کس طرح پڑھایا جاتا تھا؟ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس وقت بچے اسکول جاتے بھی تھے یا نہیں؟ اور اگر اسکول تھے تو برٹش حکومت کی سرپرستی میں ان کا کیا ہوا؟

ولیم ایڈم کی رپورٹ :1830ء کے عشرے میں اسکاٹ لینڈ سے آئے عیسائی مبلغ ولیم ایڈم نے بنگال اور بہار کے ضلعوں کا دورہ کیا۔ کمپنی نے انہیں دیشی اسکولوں میں تعلیم کی ترقی پر رپورٹ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ ایڈم کی رپورٹ دلچسپ تھی۔

ایڈم نے پایا کہ بنگال اور بہار میں ایک لاکھ سے زیادہ درسگاہیں تھیں۔ یہ بہت چھوٹے چھوٹے مرکز تھے جن میں عام طور پر 20 سے زیادہ طلبہ نہیں تھے۔ پھر بھی ان درسگاہوں میں پڑھنے والے بچوں کی کل تعداد کافی بڑی یعنی بیس لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ یہ درسگاہیں خوشحال لوگوں یا مقامی فرقوں کے ذریعہ چلائی جارہی تھیں کئی درسگاہیں خود استاد کے ذریعہ ہی شروع کی گئی تھیں۔

تعلیم کا طریقہ کافی لچکدار تھا۔ آج آپ جن چیزوں کی اسکولوں سے امید کرتے ہیں ان میں سے کچھ چیزیں اس وقت کی درسگاہوں میں بھی موجود تھیں۔ بچوں کی فیس متعین نہیں تھی۔ چھپی ہوئی کتابیں نہیں ہوتی تھیں۔ درسگاہ کی عمارت الگ سے نہیں بنائی جاتی تھی۔ بنچ اور کرسیاں نہیں ہوتی تھیں۔ بلیک بورڈ نہیں ہوتے تھے۔ الگ سے کلاس لینے اور بچوں کی حاضری لینے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ سالانہ امتحان اور مقررہ نظام الاوقات کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کچھ درسگاہیں برگد کے سائے میں چلتی تھیں تو کئی گاؤں کی کسی دکان یا مندر کے کونے میں یا استاد کے گھر پر ہی بچوں کو پڑھایا جاتا تھا۔ بچوں کی فیس ان کے ماں باپ کی آمدنی سے طے ہوتی تھی۔ امیروں کو زیادہ اور غریبوں کو کم فیس دینی پڑتی تھی۔ تعلیم زبانی ہوتی تھی اور کیا پڑھانا ہے یہ بات طالب علموں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے استاد ہی طے کرتے تھے۔ طالب علموں کو الگ درجوں میں نہیں بٹھایا جاتا تھا۔ سبھی بچے ایک جگہ ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔ الگ الگ سطح کے طالب علموں کے ساتھ استاد الگ سے بات کر لیتے تھے۔

ویریشلنگم (1848-1919) :

جنوبی ہند میں سماجی تفریق کو لے کر محروم طبقات کے ذریعہ کئی تحریکیں چلائی گئیں۔ تاکہ سماجی نابرابری کی حالت کو ختم کیا جا سکے۔ ایسی تحریکوں میں ویریشلنگم کا اہم رول رہا۔ ان کا پورا نام کونڈوکڑی ویریشلنگم تھا۔ کولکاتہ اور ممبئی جیسے بڑے شہروں میں چلائی گئی اصلاحی تحریک میں کئی اعلیٰ خاندان کے لوگوں کا رول رہا۔ ویریشلنگم کی پیدائش ایک غریب خاندان میں ہوئی تھی۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسکول کے معلم کے طور پر کام کرتے گذرا۔ انہوں نے تیلگو زبان میں کئی مضامین لکھے۔ اسی لئے انہیں جدید تیلگو کے نثری ادب کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں بھی عورتوں کی حالت تشویش ناک تھی۔ اس لئے انہوں نے خواتین کی فلاح و بہبود کے تئیں بیداری پیدا کی۔ نکاح بیوگان خواتین کی تعلیم اور خواتین کی آزادی جیسے سماجی مسائل اور اس طرح کے موضوعات کے تئیں ان کا جوش و خروش آندھرا پردیش کے سماجی مصلحین کی اگلی نسل کے لئے مہمیز بنا۔

کاشتکار کی چابک — عظیم محب وطن بنے گھوم رہے ہیں۔ ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ اونچ نیچ کی لڑائی بند کر کے متحد نہیں ہوں گے تو ملک ترقی نہیں کرے گا.... یہ اتحاد صرف ان کے وعدے میں ہے۔ کیونکہ پھر اس کے بعد دوبارہ یہی حالت پیدا ہو جائے گی۔ میں یہاں اور تم وہاں۔

ست کاریا چا آسدا

اس وقت کے مدراس پریسی ڈینسی علاقے میں سماجی اصلاح کی کوششوں کی لہر کو کئی طریقے سے ذات پات کی تنظیموں اور ذات پات کی تحریکوں نے ایک خاص شکل دے دی۔ صدی کے ختم ہونے تک کئی ذات پات کی تنظیمیں اصلاحی تحریکوں میں اہم رول ادا کرنے لگیں۔ ان کے ذریعہ چلائی گئی تحریک کا اثر تمل ناڈو کے گنڈر ذات کی تنظیم 'کونگو بیلالا سنگم' میسور کے وکلیکا اور لنگایت تنظیموں، کیرل کے اراوا ذات کے ایس این ڈی پی یوگم وغیرہ اس کی خاص مثالیں ہیں۔ (جس کا تذکرہ ہم آگے کریں گے) ذات پات کی تحریکوں کے لیڈران نے ایک مخصوص ذات کے ممبروں کی عام وراثت پر زور دیا اور سماجی طور طریقوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔

ویریشلنگم کے ذریعہ چلائی گئی تحریک کئی معنوں میں سبق آموز اور سبق آمیز تھی۔ جس نے جنوبی ہند میں ایسی دوسری اہم

کریں اور پابندی سے درجے میں آئیں مقررہ جگہ پر بیٹھیں اور ادب کا خیال رکھیں۔

نئے اصولوں پر چلنے والے درسگاہوں کو سرکار کی طرف سے مالی مدد ہونے لگی۔ جو درسگاہیں نئے نظام کے تحت کام کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ انہیں کوئی سرکاری مدد نہیں دی جاتی تھی۔ جن استادوں نے سرکاری ہدایات پر عمل کرنے کی بجائے اپنی آزادی کو باقی رکھا وہ سرکاری امداد یافتہ درسگاہوں کے مقابلے میں رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگے۔

ان نئے قانون اور نظام الاوقات کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ پہلے والے نظام میں غریب کسانوں کے بچے بھی درسگاہوں میں جاسکتے تھے۔ کیوں کہ ان درسگاہوں کے نظام الاوقات میں کافی گنجائش ہوتی تھی۔ نئے نظام کے ادب کا تقاضا تھا کہ بچے پابندی سے اسکول آئیں اب کٹائی کے موسم میں بھی بچوں کا اسکول آنا ضروری تھا۔ جب اس وقت غریب گھروں میں کام کرنے جایا کرتے تھے اگر کوئی بچہ اسکول نہیں آتا تھا تو اسے بے ادب مانا جاتا تھا یعنی بچہ پڑھنا لکھنا نہیں چاہتا تھا۔

قومی تعلیم کے کاموں کی فہرست : صرف انگریز افسران ہی ہندوستان میں تعلیم کے بارے میں نہیں سوچ رہے تھے۔ انیسویں صدی کی ابتدا سے ہی ہندوستان کے مختلف حصوں کے بہت سارے مفکر تعلیم کے وسیع تر تبلیغ کی ضرورت پر زور دینے لگے تھے۔ یورپ میں ہو رہی تبدیلیوں سے متاثر کچھ ہندوستانیوں کا ماننا تھا کہ مغربی تعلیم ہندوستان میں جدیدیت پیدا کرسکتی تھی۔ انہوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ وہ نئے اسکول کالج اور یونی ورسٹی کھولیں اور تعلیم پر زیادہ پیسہ خرچ کریں۔

انگریزی تعلیم نے ہمیں غلام بنادیا ہے: مہاتما گاندی کا کہنا تھا کہ غلام ملک کی تعلیم نے ہندوستانیوں کے ذہن میں احساس کمتری پیدا کردیا ہے۔ اس کے اثر میں آکر یہاں کے لوگ مغربی تہذیب کو برتر ماننے لگے اور اپنی ثقافت کے تئیں ان کا فخریہ جذبہ ختم ہونے لگا۔ مہاتما گاندھی نے کہا کہ اس تعلیم میں زہر بھرا ہے اس میں خامیاں ہیں۔ اس نے ہندوستانیوں کو غلام بنادیا ہے۔ اس نے لوگوں پر برے اثرات ڈالے ہیں۔ ان کے مطابق مغرب سے متاثر مغرب سے آنے والی ہر چیز کی تعریف کرنے والے ان اداروں میں پڑھنے والے ہندوستانی برٹش حکومت کو پسند کرنے لگے تھے۔ مہاتما گاندھی ایک ایسی تعلیم کے حامی تھے جو ہندوستانیوں کے اندر عزت اور فخر کا جذبہ بیدار کرے۔ قومی تحریک کے دوران انہوں نے طالب علموں کو

گئی اور ان کے ذریعہ سماجی مساوات اور انصاف کے مطالبے کے لئے تحریک شروع کردی گئی۔ اس نئی بیداری کو غیر برہمن ذات کی جماعتوں نے پیش کیا جو خاص طور سے اپنی غربت کی حالت میں اصلاح لانا چاہتے تھے۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ ذاتیں بہت ساری پریشانیوں سے چھٹکارا پانے کے لئے آوازیں اٹھانے لگی تھیں اس مرحلہ میں نچلی ذات کی تحریکوں میں ان کی ذاتی شناخت اتحاد کی بنیاد بن گئی۔ ان تحریکوں میں ابتدائی نام مہاتما جیوتی راؤ پھولے کا آتا ہے۔

مہاتما جیوتی راؤ پھولے (1824-1890) :

جیوتی راؤ پھولے ذاتی نظام کو انسانی مساوات کے خلاف سمجھتے تھے۔ انہوں نے ذاتی نظام کو پوری طرح سے رد کردیا۔ اچھوت طبقہ کے خلاف برہمنوں کے غیر انسانی سلوک اور انہیں عام انسانی اختیار سے محروم رکھنے کی حالت نے پھولے کو ذات پات کے نظام کا کٹر مخالف بنادیا۔

اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے پھولے نے اخبار، رسائل اور کتابوں کی اشاعت اور تقریر و تحریر کو ذریعہ بنایا۔ انہوں نے مراٹھی زبان کو استعمال کیا۔ تاکہ عام لوگوں کی زبان کے ذریعہ ان کے خیالات عوام الناس تک آسانی سے پہنچ سکیں۔ انہوں نے آریہ ویدک روایات کی مخالفت کے لئے 'دین بندھو' نام کا مراٹھی رسالہ نکالا۔ 1873ء میں غلامی کے نام سے نکالی گئی اپنی کتاب میں پھولے نے برہمن حکمرانوں کے ماتحت شدروں کی غلامی کی وجوہات کی تشریح کی اور اس کا موازنہ امریکی نیگرو (حبشی غلام) سے کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں نچلی ذاتوں اور امریکہ کے حبشی غلاموں کی بدحالی کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا اور اس طرح قبائل اور ذاتوں پر مبنی استحصال کی عالمی شکل کو بھی اجاگر کیا۔ پھولے نے ذات پات کے نظام کی تنقید کو تمام طرح کی نابرابری سے جوڑا۔ نابرابری کے خلاف لوگوں کو بیدار کرنا ہی ان کی

تصویر۔ 2 : جیوتی راؤ پھولے

صرف لکھنا پڑھنا ہی تعلیم نہیں :

مہاتما گاندھی نے لکھا تھا : تعلیم سے میرا مطلب اس بات سے ہے کہ بچہ اور انسان کے جسم، ذہن اور جذبات کی برتری کو سامنے لایا جائے۔ صرف پڑھنا لکھنا نہ تو تعلیم کی انتہا ہے اور نہ ہی اس کی ابتدا۔ یہ تو صرف ایک ذریعہ ہے، جس کی مدد سے عورتوں اور مردوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے۔ لکھنا پڑھنا اپنے آپ میں تعلیم نہیں ہے۔ لہذا میں بچوں کو تعلیم یافتہ بناتے ہوئے سب سے پہلے انہیں کوئی دستکاری سکھاؤں گا اور انہیں شروع میں ہی کچھ تخلیق کرنے کے لئے تیار کروں گا۔ میرا ماننا ہے کہ دماغ اور روح کا بہترین فروغ اس طرح کی تعلیم میں ہی ممکن ہے۔ ہر ایک دستکاری آج کی طرح صرف مشینی ڈھنگ سے ہی نہیں بلکہ سائنسی طریقے سے بھی سکھائی جانی چاہئے۔ یعنی بچے کو ہر ایک عمل کے کیوں اور کس لئے کا پتہ ہونا چاہئے۔

ٹیگور کا شانتی نیکیتن : آپ میں سے بہت سارے دوستوں نے شانتی نکیتن کے بارے میں سنا ہوگا کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کو کس نے اور کیوں قائم کیا تھا؟

رابندر ناتھ ٹیگور نے یہ ادارہ 1901ء میں شروع کیا تھا۔ ٹیگور جب بچے تھے تو اسکول جانے سے بہت چڑھتے تھے۔ وہاں ان کا دم گھٹتا تھا۔ انہیں اسکول کا ماحول ظالمانہ لگتا تھا۔ ٹیگور کو ایسا لگتا تھا گویا اسکول کوئی جیل ہو۔ کیونکہ جہاں بچے اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر پاتے تھے۔ جب دوسرے بچے استاد کو سن رہے ہوتے تھے تو ٹیگور کا دماغ کہیں اور بھٹک رہا ہوتا تھا۔

کولکاتہ کے اپنے اسکولی زندگی کے تجربات نے تعلیم کے بارے میں ٹیگور کے خیالات کو کافی متاثر کیا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو انہوں نے ایک ایسا اسکول کھولنے کے بارے میں سوچا جہاں بچے خوش رہ سکیں، جہاں وہ آزادانہ طور پر تخلیقی کام

جدید دور میں کئی وجوہات سے خاص کر تعلیم کی ترقی اور پرانے خیالات کو نئے ڈھنگ سے پرکھنے کی وجہ سے ذات پات کا نظام اور اس پر مبنی تفریق، استحصال اور نفرت کو دور کرنے یا اس میں اصلاح لانے کی تدابیر شروع ہوئیں۔

تصویر۔ 1 : چمڑے کے جوتے بناتے لوگ

پسماندہ گروہوں پر غلبہ کی کچھ تلخ مثالیں :

بنگال کے چنڈال، بہار کے ڈوم، جنوبی بہار کے بھوئیاں، مہاراشٹر کے کہار اور شمالی ہند کے مختلف علاقوں میں چمار ذات کے ساتھ سخت تفریق کی پالیسی اپنائی گئی۔ چمڑے کا کام کرنے والے لوگوں کو روایتی طور سے حقیر نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

انیسویں صدی میں ملک کے کئی حصوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے اور شہروں میں رہنے والے کچھ لوگوں کے ذریعہ اس نظام کی کمزوریوں کو سامنے لانے اور ایک نئی بیداری جگانے کی تدبیریں کی گئیں۔ اسی صدی میں ایسی کئی تحریکیں بھی سامنے آئیں جو سماج میں اصلاح کرنا چاہتی تھیں۔ ذات پات کے نظام کی تنقید شروع ہوئی جو سماج میں غیر مساواتی تقسیم کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔

ان سماجی برائیوں کو دور کرنے کے لئے ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ نے اصلاح لانے کی ابتدا کی تا کہ سماج کے تمام طبقوں کی ترقی اور ان کے بیچ مساوات کا جذبہ فروغ پائے۔ اس کوشش میں کئی سماجی مصلح بھی شامل تھے۔ یہ ایک طرف غیر ملکی سرکار سے آزادی کی لڑائی لڑ رہے تھے تو دوسری طرف سماج میں ناانصافی اور نامناسب روایات کا بھی خاتمہ چاہتے تھے۔

چونکہ مذہب اور سماجی اصلاح کی تحریک سے ایک ترقی پذیر سماج بنانے کا مقصد تھا اس لئے ذات پات کی تفریق کو دور کرنے کو خاص اہمیت دی گئی۔ ان سماجی مصلحین میں کئی ایسے لوگ تھے جو ذات پات کی نابرابری کے بھی مخالف تھے۔ ان

کے میدان میں انگریزوں کے ذریعہ کی گئی ساری کوششیں سب سے پہلے بنگال میں ہوئیں۔ بہار 1911ء تک بنگال کا ہی ایک حصہ تھا۔ اس لئے وہاں جو کچھ بھی ہو رہا تھا بہار اس سے الگ نہیں رہا۔ 1835ء میں شروع ہوئی نئی تعلیمی پالیسی کے بعد سے بہار میں بھی جدید تعلیم کا خاکہ فروغ پانے لگا۔ سرکاری اور ذاتی کوششوں سے کئی اسکول شروع ہوئے جہاں جدید تعلیم نافذ کیا گیا۔ سرکاری کوششوں سے سب سے پہلے 1835ء میں ہی پٹنہ میں پٹنہ کالجیٹ، ہائی اسکول قائم کیا گیا۔ یہ بہار کا پہلا جدید اسکول تھا۔ اسی کڑی میں 1836ء میں آرا میں ہائی اسکول قائم ہوا۔ 1837ء میں بھاگلپور اور 1839 میں چھپرہ۔ 1845ء میں گیا اور مظفر پور میں سرکار کے ذریعہ ہائی اسکول قائم کیے گئے۔ اب ایسے تمام اسکولوں کو ضلع اسکول کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ذاتی کوششوں کے تحت بڑے زمیندار اور تاجروں کے ذریعہ بھی سرکاری اجازت سے جدید اسکول قائم کیے گئے جیسے گیا میں واقع ٹکاری میں وہاں کے زمین دار کے ذریعہ قائم ٹیکاری راج اسکول، یا دربھنگہ میں وہاں کے راجا کے ذریعہ قائم دربھنگہ راج اسکول اور پٹنہ میں ہی کلہٹر یا کے زمین دار کے ذریعہ شروع کیا گیا بہار نیشنل ہائی اسکول جو بعد میں بہار نیشنل کالج (B.N. College) بنا۔ یہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بنگالیوں کے ذریعہ بھی بہار میں اسکولی تعلیم کو بڑھاوا ملا۔ 1867ء میں پٹنہ میں بانکی پور گرلس اسکول (لڑکیوں کا پہلا اسکول) قائم ہوا۔ 1868ء میں بھاگلپور میں قائم شدہ موکھدا گرلس اسکول یا پھر 1884ء میں مظفر پور میں قائم کھرجی سیمنری اسکول وغیرہ۔ سرسید کی تحریک سے متاثر ہو کر پٹنہ کے مولوی محمد حسن نے 1884ء میں محمڈن اینگلو عربک اسکول قائم کیا۔ ان تمام اسکولوں کا جدید تعلیم کی توسیع میں بڑا اہم رول رہا ہے۔ کچھ اسکول انگریزوں کی ذاتی کوشش سے بھی شروع ہوا۔ جیسے 1880ء میں دربھنگہ میں نارتھ بروک ہائی اسکول آج کا ضلع اسکول اور 1901ء میں سمستی پور میں واٹسن ہائی اسکول اسی درجہ میں آئے گا۔

جہاں تک اعلیٰ تعلیم سے متعلق اداروں جیسے کالج اور یونی ورسٹی کی بات ہے تو یہاں بھی کچھ کالج سرکاری کوشش سے کھولے گئے۔ جیسے 1863ء میں پٹنہ میں قائم پٹنہ کالج پٹنہ (بہار کا قدیم ترین کالج)، تو 1878ء میں تیج نارائن جبلی کالج بھاگلپور، 1869ء میں بہار نیشنل کالج پٹنہ اور 1898ء میں قائم ڈائمنڈ جبلی کالج مونگیر، زمینداروں اور تاجروں کی سرپرستی میں

آیئے غور کریں :

(i) ہندوستان کے بارے میں ولیم جانس کے خیالات کیسے تھے؟ مختصر میں بتایئے۔

(ii) تھامس میکالے ہندوستان میں کس طرح کی تعلیم شروع کرنا چاہتے تھے؟ اس کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟

(iii) ہندوستان میں انگریزی تعلیم کا مقصد کیا تھا؟ اس کی شکل کیسی تھی؟

(iv) تعلیم کے بارے میں مہاتما گاندھی اور رابندر ناتھ ٹیگور کے خیالات کو بتائیں

(v) انگریز دانشوروں کے بیچ تعلیمی پالیسی کے بارے میں کس طرح کے اختلاف تھے۔ اس کے بارے میں آپ کیا سوچتے ہیں؟ بتایئے۔

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) اپنے گھر یا پڑوس کے بزرگوں سے معلوم کریں کہ اسکول میں انہوں نے کون کون سی چیزیں پڑھی تھیں؟ ابھی آپ اس میں کیا تبدیلی دیکھتے ہیں؟

(ii) انگریزی حکومت کے دوران بہار میں جدید تعلیم کے فروغ کے لئے جو کوششیں کی گئیں، اس کے بارے میں درجہ میں استاد کی مدد سے مذاکرہ کریں۔

حیثیت سے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔1915ء میں اسے برٹش سرکار نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔1950ء میں لنکٹ سنگھ کی خدمات کی وجہ سے کالج انہیں کے نام معنون کر دیا گیا۔

ان تمام تعلیمی کوششوں کے باوجود 1835ء سے 1859ء تک ہندوستانی لوگوں کے ذریعہ جدید تعلیم کے تئیں اتنی کشش دیکھنے کو نہیں ملتی خاص کر بہار میں۔ پھر بھی انگریزوں نے ہندوستان میں ایک ایسے تعلیمی نظام کی بنیاد ضرور ڈالی جس نے ہندوستان کو جدید ملک کی شکل میں تبدیل کرنے میں موثر رول ادا کیا۔ موجودہ ہندوستان کے تعلیمی ڈھانچہ کا پس منظر انگریزوں کی قائم کردہ جدید تعلیم ہی رہی۔ اس تعلیم سے اس عہد کے ہندوستانی سماج میں کیا تبدیلیاں آئیں اس کے بارے میں آپ آگے پڑھیں گے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) ولیم جانس ہندوستانی تاریخ، فلسفہ اور قانون کے مطالعہ کو کیوں ضروری سمجھتے تھے؟

(الف) قدیم ہندوستانی کتابوں کے ترجمہ (انگریزی میں) کے لئے

(ب) ہندوستان میں بہتر انگریزی حکومت قائم کرنے کے لئے

(ج) اپنے ہندوستان سے محبت کی وجہ سے

(د) ہندوستانی علم وسائنس کو فروغ دینے کے لئے

تصویر۔ 6 : باباصاحب بھیم راؤ امبیدکر

کے وہ سخت مخالف تھے۔ اس لئے انہوں نے دلتوں کو تعلیم یافتہ بننے کا شوق دلایا اور ان کے لئے آئینی اور سیاسی اختیارات کا مطالبہ کیا۔ ان سے گندگی اٹھوانے کی غیر انسانی روایت کی سخت مذمت کی۔

امبیدکر کے ذریعہ 1920ء کے عشرے میں ایک خاص تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کو منظم شکل دینے کے لئے 1924ء میں بہسکرت ہتکاری سبھا کی تشکیل ہوئی۔ 1927ء میں مہادلت ستیاگرہ کا آغاز کیا گیا تاکہ اچھوتوں کے تئیں اپنائی گئی تفریق کی پالیسی ختم کی جاسکے۔

1930-31ء کے گول میز کانفرنس سے پہلے امبیدکر دلتوں کے خاص قائد کی شکل میں ابھر چکے تھے۔ انہوں نے دلتوں کے لئے ایک الگ نظریہ پیش کیا۔ جس کی بنیاد پر اقلیتوں کی طرح ان کے لئے الگ انتخاب کا مطالبہ کیا گیا لیکن گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی اور ان کے ستیاگرہ کی وجہ سے پونا سمجھوتہ نافذ ہوا۔ 1942ء میں امبیدکر کے ذریعہ قبائلی ذاتی تنظیم قائم کی گئی۔

امبیدکر نے ہندو مذہب میں تفریق کی مخالفت کی اور بودھ مذہب کی طرف متوجہ ہوئے۔ 1950ء میں امبیدکر نے بودھ مذہب اختیار کرلیا اور وقت گذرنے کے ساتھ ان کے کئی حمایتیوں نے بھی ذریعہ مذہب تبدیل کرلیا۔ امبیدکر گاندھی وادی دلت نظریہ سے مطمئن نہیں تھے اور اسے کمزور مانتے رہے چونکہ وہ دلتوں کی ترقی کے ذریعہ کو ایک الگ شکل میں دیکھتے تھے۔

آج ہندوستان میں جس فلسفہ کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ مساوات بھائی چارہ اور آزادی پر مبنی ہے۔ انسانی احترام کی بنیادوں پر قائم اس فلسفہ کا ایک مقصد ہے انسانوں کی بھلائی۔ سماجی تفریق سے ابھری سماجی پسماندگی اور استحصال کو روکنے کی تدبیریں مختلف فلسفیوں اور مصلحین کے ذریعہ شروع ہوئیں۔ ان سبھوں نے ذات پات کے نظام کو دور کرنے کے اپائے الگ الگ طریقوں سے اپنائے لیکن یہ تحریک محدود رہی چونکہ اس کی سماجی بنیاد اعلیٰ غیر برہمن ذاتوں تک ہی محدود رہی تھی۔

آج ہمارے سماج میں جس تعمیری تبدیلی کی ضرورت ہے اس کا پس منظران تحریکوں نے تیار کیا تا کہ ذات مخالف جدوجہد کو آگے بڑھایا جاسکے۔ جس سے ایک مضبوط استحصال سے خالی انسانی سماج کا قیام ممکن ہو۔

یہ بھی جانئے !

1924ء میں امبیدکر نے بہسکرت ہتکارنی سبھا، کو قائم کر کے دلتوں کی آزادی کی تحریک کا بگل بجایا تھا۔ امبیدکر کے ذریعہ ذات پات کے خاتمے کا اپائے کیا گیا تھا۔ انہوں نے منوسمرتی کو رد کیا۔ چونکہ وہ تفریقی فلسفہ پر مبنی تھی اور جس کے ذریعہ سماج کو طبقاتی نظام میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) پھولے کے ذریعہ کون سی تنظیم قائم کی گئی؟

(الف) برہم سماج (ب) آریہ سماج

(ج) ستیہ شودھک سماج (د) پرارتھنا سماج

(ii) عدم مساوات مخالف تحریک کو کیرل میں کس کے ذریعہ شروع ہوئی؟

(الف) ویرشیلنگم (ب) نارائن گرو

(ج) پیریار (د) جیوتی راؤ پھولے

(iii) پیریار کے ذریعہ کون سی تحریک شروع کی گئی؟

(الف) عزت نفس تحریک (ب) ذاتی اصلاحی تحریک

(ج) چھوا چھوت مخالف تحریک (د) مذہبی مساوات تحریک

(iv) ہریجن سیوا سنگھ مہاتما گاندھی کے ذریعہ کس سال تشکیل کی گئی۔

(الف) 1932ء	(ب) 1933ء
(ج) 1934ء	(د) 1935ء

(v) باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر کے ذریعہ کس سال بہسکرت ہتکاری سبھا قائم کی گئی؟

(الف) 1921ء	(ب) 1924ء
(ج) 1934ء	(د) 1945ء

آیئے غور کریں :

(i) جیوتی راؤ پھولے کے خاص خیالات کیا تھے؟

(ii) ویریشلنگم کی خدمات کا تذکرہ کریں۔

(iii) شری نارائن گرو کے خیالات کیا تھے؟

(iv) مہاتما گاندھی کے ذریعہ چھوا چھوت کے خاتمہ کے لئے کیا اپائے کئے گئے؟

(v) باباصاحب بھیم راؤ امبیڈکر نے ذاتی تفریق کو دور کرنے کے لئے کس طرح کی کوششیں کیں؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) آپ اپنے آس پاس کے سماج میں کس طرح کی نابرابری کو دیکھتے ہیں؟ اس پر درجہ میں استاد کی موجودگی میں ساتھیوں سے مذاکرہ کریں۔

(ii) سماج میں ذات پات کی تفریق کو مٹانے یا کام کرنے کے لئے آپ کیا کوشش کر سکتے ہیں اس پر اپنے خیالات درجہ میں ساتھیوں اور استاد کو بتائیں۔

باب ۔9

خواتین کی حالت اور اصلاح

آج سے دوسو سال قبل خواتین کی حالت بہت مختلف تھی۔ آج زیادہ تر لڑکیاں اسکول جاتی ہیں اور کئی اسکولوں میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہیں۔ بڑی ہونے پر وہ کالج یا یونی ورسٹی جاتی ہیں۔ نوکری کرتی ہیں۔ ان کی شادی کی عمر قانون کے ذریعہ طے ہے۔ یہ شادی کسی بھی ذات یا فرقہ میں ہوسکتی ہے۔ بیوائیں دوبارہ شادی کرسکتی ہیں۔ مردوں کی طرح ووٹ ڈال سکتی ہیں اور انتخاب لڑسکتی ہیں۔ اس طرح ان کی حالت میں کافی اصلاح ہوئی ہے۔

لیکن دوسو سال قبل کے سماج کو اگر آپ دیکھیں تو اس وقت لڑکیوں کا اسکول اور کالج میں پڑھنا غیر معمولی بلکہ ناممکن بات تھی۔ کم سنی میں ان کی شادی کردی جاتی تھی۔ پردے کے رواج کی وجہ سے وہ سماجی اور سیاسی زندگی میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں۔ بیواؤں کو دوبارہ شادی کی اجازت نہیں تھی۔ ہندو سماج میں بیواؤں کو ستی ہونا پڑتا تھا اور اپنے مرے ہوئے شوہر کے ساتھ انہیں چتا پر جلا دیا جاتا تھا۔ سماج میں مردوں کو ساری سہولیات حاصل تھیں اور عورتیں ان سب سے محروم تھیں۔ مذہب اور ثقافت کے نام پر ان کے ساتھ تفریق کی جاتی تھی۔ ان پر کئی طرح کی پابندیاں جیسے کم عمر میں شادی، پردے کی پابندی، تعلیم کی کمی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا رواج وغیرہ۔ ستی کے رواج کو قانونی حیثیت حاصل تھی جس کی وجہ سے بیوائیں اپنے شوہر کے چتا پر جل کر مر جاتی تھیں۔ ایسا نہ کرنے پر وہ تنہائی اور تکلیف دہ زندگی جینے کے لئے سماج کے ذریعہ مجبور کی جاتی تھیں۔

ہندوستانی سماج میں ایک طویل عرصہ سے عورت مرد کے بیچ ایک نابرابری کی حالت بنی رہی۔ اس پر انگریزوں کے ذریعہ سوالیہ نشان لگایا گیا۔ چونکہ انگریز اپنے سامراج کا جواز قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہندوستانی سماج کی کمزوریوں کو اجاگر کرکے ان کی دقیانوسی روایات کی تنقید کی اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ ہندوستانی غیر مہذب ہیں اور ان کی حالت صرف انگریز حکمراں طبقہ ہی سدھار سکتا ہے۔

کئی دیگر ممالک کے مقابلے میں ہندوستان میں عورتوں کی حالت دگرگوں تھی۔عورتوں میں بھی تعلیم اور بیداری کی کمی رہی اور وہ اس تفریق کو صحیح مان کر قبول کرتی رہیں۔اپنی بدحالی اور حقارت کی حالت کو انہوں نے اپنا مقدر سمجھ لیا اور ہر طرح کی پابندیوں کو قبول کرلیا۔

عورتوں کی حالت میں اصلاح لانے کی تدبیریں تب شروع ہوئیں جب انگریزوں نے روایاتی رسموں پر کڑی تنقید کی ۔جس میں جیمس مل جیسے دانشور پیش پیش رہے۔چونکہ اس خیال سے انکار ممکن نہیں تھا۔اس لئے کچھ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اصلاح کی کوشش شروع ہوئی۔سماجی اصلاح کی تدبیروں میں عورتوں کی مرکزی حیثیت تھی وہ زندگی کی بہت ساری سہولتوں سے محروم تھیں۔تمام تر اصلاحی تدابیر کے باوجود عورتوں کی کمتری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔اس غیر انسانی روایات کو کسی طرح ختم کرنے کا ایک مضبوط اور موثر قدم راجا رام موہن رائے نے اٹھایا۔

اس طرح عورتوں کی حالت میں اصلاح شروع ہوئی لیکن اس کی ایک حد متعین رہی اور انہیں ملنے والے اختیارات کی حد بھی مرد مصلحین ہی نے طے کی۔ان مجبوریوں اور اس طرح کے محدود مقاصد کے باوجود عورتوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ کچھ غلط رسموں کی سخت مخالفت ہوئی اور انہوں نے ان تنگ خیالات کو دور کرنے کے لئے تعلیم پر زور دیا۔دوسری طرف قوم پرست لیڈران کو بھی احساس ہوا کہ سماجی اصلاح سیاسی آزادی، معاشی ترقی اور قومی بیداری کو بڑھانے میں خواتین کی ترقی بے حد ضروری تھی۔اس لئے ان کی ترقی میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنا لازمی تھا۔اصلاح کے اس سلسلے میں دقیانوسی خیال سے پیدا شدہ تنگ ذہنیت کو دور کرنے کو ترجیح دی گئی۔ایک نئی بیداری لانے کی کوشش کی گئی جو سماجی غلطیوں کو دور کر سکے۔دقیانوسی اور تنگ خیالات صرف تعلیم کے ذریعہ ہی ختم کئے جاسکتے تھے۔اس لئے خواتین کی تعلیم پر زور دیا گیا۔تاکہ ایک روادار اور ترقی پذیر نظریہ سماج میں قائم ہو سکے۔اسی تناظر میں بچوں کا قتل، ستی کا رواج جیسے غیر انسانی طریقوں کے ترک کرنے کی بات کہی گئی اور کثرت ازدواج، پردے کا رواج اور بیواؤں کی دوبارہ شادی پر پابندی لگانے کے دقیانوسی خیالات کو بدلنے کی کوشش شروع ہوئی۔

ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ سماجی اصلاح کے سلسلہ میں یہ کوشش خواتین کی حالت میں اصلاح لانے کے لئے پابند عہد تھی۔ لیکن وہ عورتوں کی ترقی کے سوال پر رک جاتے تھے۔ عورتوں کو سماج میں برابری کا اختیار ملے ایسے خیالات کی کمی ہم اس پورے پس منظر میں پاتے ہیں۔ اس لئے ان بدلتے ہوئے حالات میں بھی عورتیں بنیادی اختیارات سے محروم ہیں۔ خصوصاً موروثی جائداد پر اختیار کی بات طویل عرصے تک اٹھائی ہی نہیں گئی۔

تعلیم کے حلقے میں عورتوں کو شامل کرنے کی جو تدبیریں شروع کی گئیں لیکن ان کا اثر اعلیٰ طبقہ کی عورتوں تک ہی محدود رہا۔ آج بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو کم پڑھایا جاتا ہے۔ اس لئے جب انیسویں صدی میں سماجی مصلحین کے ذریعہ خواتین کے لئے تعلیم کی کوششیں ہوئیں اور ان کا اثر محدود رہا پھر بھی اس وقت کے حالات میں یہ سراہنے لائق کوشش تھی۔ اعلیٰ طبقہ کی عورتیں تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی روزگار سے براہ راست نہیں جوڑی گئیں جبکہ ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کو تعلیم سے محروم رکھ کر انہیں بھی سماج میں اہم اور مفید معاشی حصہ داری سے محروم رکھا گیا۔ خواتین کو تعلیم یافتہ تو بنایا جائے لیکن ان کی تعلیم کو حالیہ برسوں تک روزگار سے جوڑا نہیں گیا تھا۔ اب یہ کمی سماج سے دور ہوتی جارہی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی خواتین نے مغرب کے اعلیٰ طبقہ کی صفات کو اپنا لیا تھا۔ یہ ایک ثقافتی عمل تھا جس میں مغربی نسوانیت کی صفت کو ہندوستان میں بھی اپنایا لیا گیا۔ ایک تعلیم یافتہ رفیق حیات کی شکل میں وہ اپنے شوہروں کی طرح دانشور تسلیم کی جاتی تھیں۔ لیکن وہ روزگار سے نہیں جوڑی گئیں۔ یہ کمی خواتین کی حالت کو ترقی یافتہ بنانے میں ایک بڑی رکاوٹ تھی۔

> سماجی مصلح جیوتی راؤ پھولے کی بیوی ساوتری بائی پھولے نے خواتین مساوات کا سوال اٹھایا اور ان کے ذریعہ بہوجن سماج قائم کیا گیا۔ ان میاں بیوی کے ذریعہ ادنیٰ طبقہ کی خواتین کے اختیار کی بات اٹھائی گئی یہ دونوں نکتے کافی اہم تھے اور آج کے سماج میں بھی ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔
>
> پورے سماجی اصلاح کی تحریک کے سلسلہ میں صرف اعلیٰ طبقہ کی خواتین کے مسائل پر زیادہ توجہ دی گئی۔

ستی کے رواج پر اختلاف :

انیسویں صدی کے ہندوستانی ہندو سماج میں عورت کو اپنی زندگی میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جس میں

سب سے دورناک ستی کا رواج تھا۔ جس میں بیوی کو اس کے شوہر کے ساتھ جلادیا جاتا تھا۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ستی کے رواج کی مخالفت شروع ہوئی۔ بدقسمتی سے کچھ لوگ اس غیر انسانی روایت کو مذہبی حکم کا درجہ دیتے تھے۔ جبکہ حقیقت میں یہ ان بیوہ عورتوں کو جائداد اور وراثت کے حقوق سے محروم کرنے کا ایک حربہ تھا جس کے ذریعہ اعلیٰ خاندان اور برہموں کی قائم کردہ روایات نے مشرقی ثقافت کو ایک بھیانک شکل میں تبدیل کردیا تھا۔

ایسے ظالمانہ رواج کو ختم کرنے کی پہل اس عہد کے مغربی فلسفیوں اور مفکروں کے ذریعہ کی گئی جس نے ہندوستانی دانشور طبقہ کو جھنجھوڑ دیا سماج میں ایسی ذہنیت بنی ہوئی تھی کہ ایک ستی ہونے والی خاتون کو دیوی مان لیا جاتا تھا اور اس طرح اس رواج کو قائم رکھا گیا تھا۔ ہمیں یہ بھی پیش نظر رکھنا ہے کہ چونکہ اس عہد میں کثرت ازدواج اور بچوں کی شادی کا رواج تھا۔ اس لئے ستی ہونے والی کم عمر کی وہ خواتین ہوتی تھیں جن کی شادی بوڑھے اور ادھیڑ عمر کے مردوں سے ہوتی تھی۔ اس طرح کے رواجوں کی مخالفت میں آخر کار کئی الجھے ہوئے سوالات اٹھائے گئے۔ اس تنازعہ کے کچھ نکتے اس طرح تھے۔

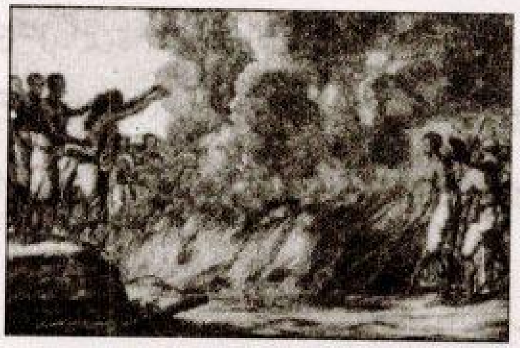

تصویر۔ 1 : ستی رواج

ستی مخالف : خواتین کو اپنی فطری صلاحیت کے اظہار کا صحیح موقع ہی کب دیا گیا؟ یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ ان میں سمجھ نہیں تھی؟ اگر علم اور تعلیم کے بعد بھی کسی شخص کی سمجھ محدود رہے یا پڑھائی گئی باتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اسے نالائق (مجبور) مان سکتے ہیں لیکن اگر خواتین کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیا جائے تو انہیں کمتر کیسے کہا جاسکتا ہے۔

ستی حمایتی : عورتیں قدرتی طور پر کم سمجھدار، ارادوں کی کمزور ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس کے ساتھ جانے کی تمنا کرنے لگتی ہیں لیکن وہ دہکتی ہوئی آگ سے بھاگ نہ نکلیں اس لئے پہلے انہیں چتا کی لکڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دیا جاتا ہے۔

انہیں بھی جانیں !

اپنی کتاب 'استری پُرش تلنا' میں تارابائی شندے۔ جب عورت کا شوہر مرجاتا ہے..تو اس کا کیا حرج ہوتا ہے؟ نائی آتا ہے اور اس کے لہراتے بال صاف کر دیتا ہے....اسے شادی بیاہ اور مبارک موقعوں سے الگ رکھا جاتا ہے اور بھلا ان پابندیوں کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کا شوہر مرچکا ہے؟ وہ ابھاگی ہے بدقسمتی اس کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ دیکھا نہیں جاتا۔ یہ منحوس ہوتی ہے۔ یہ مردوں اور خواتین کے بیچ موجود سماجی تفریق پر تنقید کی گئی تھی۔

چونکہ کٹر پنتھی (بنیاد پرست) طبقے ایسی تحریکوں کی مخالفت کررہے تھے۔ اس لئے راجا رام موہن رائے نے قانون کا سہارا لیا۔ قانون کے ذریعہ اس قبیح رسم کو ختم کرنے کی پہل راجا رام موہن رائے کی 1829ء میں قانون کے ذریعہ ستی کے رواج کا خاتمہ ہوا۔ سماجی اصلاح کے حلقے میں یہ راجا رام موہن رائے کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ انہوں نے برہم سبھا اور برہم سماج جیسی تنظیمیں قائم کیں۔ برہم سماج تنظیم کے ذریعہ خواتین کی حالت میں اصلاح کا عمل اپنایا گیا جیسے ستی کے رواج پر روک، خواتین کی تعلیم پر زور، نکاح بیوگان کی حوصلہ افزائی، غیر برادری میں شادی کی حمایت اور بچپن میں شادی کی مخالفت وغیرہ۔ یہ تنظیمیں مغربی نظریات کو بھی رد کررہی تھیں اور ہندوستان کی داخلی ثقافت میں اصلاح کے لئے بھی کوشاں تھیں۔

سماجی اصلاح لانے کے لئے چار مختلف طریقوں کا استعمال کیا گیا۔

1. اندرونی اصلاح :مختلف سماجی مسائل پر بحث ومباحثہ کا انعقاد
2. قانون کے ذریعہ اصلاحی تبدیلی کے لئے قانونی مداخلت
3. علامتی تبدیلی کے ذریعہ اصلاح — سماجی مسائل کے تئیں مصالحت نہیں کرنے والی انقلابی فطرت کا مظاہرہ
4. سماجی کاموں کے ذریعہ اصلاح — جن میں ایشور چندودیا ساگر جیسی شخصیت کا نام نمایاں ہے۔

راجارام موہن رائے (1772ء-1833ء) :

تصویر۔ 2 : راجارام موہن رائے

راجا رام موہن رائے جدید دور کے رہنما تھے۔ انہوں نے کولکاتہ میں برہمو سبھا کے نام سے ایک اصلاحی تنظیم قائم ہوئی جو بعد میں برہمو سماج کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ تنظیم خواتین کے لئے برابری کے اختیار کی حمایتی تھی۔ اس لئے ان کی حالت میں اصلاح لانے کے لئے راجا رام موہن رائے نے مغربی تعلیم کی تبلیغ کی حوصلہ افزائی کی۔ کئی زبانوں کے دانشور، سنسکرت، فارسی اور یورپی زبانوں کا علم ہونے کی وجہ سے مختلف مذہبی کتابوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد انہوں نے یہ معلوم کیا کہ تمام مذاہب میں اچھی باتیں ہیں اس لئے راجا رام موہن رائے تمام مذاہب کے قائل تھے وہ ایک انتہائی روادار نظریہ رکھتے تھے۔

راجارام موہن رائے نے اس مشن کے لئے جو حکمت عملی اپنائی اسے بعد کے مصلحین نے بھی اپنایا جب بھی وہ کسی نقصاندہ رسم کو چیلنج دینا چاہتے تھے تو اکثر قدیم مذہبی کتابوں کی مثالیں دیتے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ویسی روایات کو مذہبی سند حاصل نہیں ہے۔

اگر چہ برہم سماجی لوگوں کی تعداد کبھی بھی بہت زیادہ نہیں رہی۔ لیکن وہ عقلیت اور اصلاح کے نئے جذبوں کے رہنما تھے۔ انہوں نے ذات پات کے سخت اصولوں پر حملہ کیا۔ سماج میں خواتین کی حالت سدھارنے کے لئے کوشش کی۔ تعلیم کی توسیع کے لئے کام کیا اور جائداد کی وراثت کو قائم کرنے کی کوشش کی۔

راجارام موہن رائے کے اس مشن کو ان کے دیگر حمایتیوں میں کیشو چندر سین نے اس کام کو آگے بڑھایا اس طرح کی تحریکوں نے ملک کے دیگر حصوں میں اسی طرح کے اصلاحی عمل کو متاثر کیا۔

پرارتھنا سماج کی تشکیل مغربی علاقے میں ہوئی۔ جہاں ایم جی راناڈے نے سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھایا وہ بنیادی طور پر خواتین کی حالت میں اصلاح لانے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ 1882 میں پنڈت رمابائی سرسوتی مغربی ہند پہنچی اور راناڈے کی مدد سے آریہ خاتون سماج کی تشکیل ہوئی جس کا بنیادی مقصد خواتین میں بیداری پیدا کرنا تھا۔ بھارت مہیلا پریشد کی تشکیل ہوئی جس کے پہلے جلسہ میں تقریباً 200 خواتین نے حصہ لیا۔

ایشور چند ودیا ساگر اور نکاح بیوگان (1820-91ء) :

تصویر۔ 3 : ایشور چندر ودیا ساگر

نکاح بیوگان کے تئیں بھی ایک سماجی مخالفت اور غفلت کی حالت تھی۔ مشہور سماجی مصلح ایشور چند ودیا ساگر نے خواتین کی ترقی کے لئے اپنی زندگی قربان کردی۔ ان کی قیادت میں نکاح بیوگان کی حمایت میں تحریک چلائی گئی جس کے لئے انہوں نے قدیم کتابوں کا حوالہ دیا۔ وہ درحقیقت ایسی سماجی روایت کو ختم کرنا چاہتے تھے جس پر مذہب کی مہر لگادی گئی تھی۔ راجا رام موہن رائے کی طرح ایشور چندر نے بھی مذہب کی حقیقی شکل کو اصلاحات کی بنیاد بنانے کی کوشش کی تاکہ یہ سماجی تبدیلیاں مذہب مخالف نہ سمجھی جائیں۔

ایشور چندر ودیا ساگر جیسے رہنما کی کوششوں سے نکاح بیوگان کی منظوری دی گئی۔ برٹش حکومت نے ان کے مشوروں کو مانتے ہوئے 1856ء میں نکاح بیوگان کی حمایت میں ایک قانون پاس کردیا۔ نکاح بیوگان کو ایک قانونی حیثیت تو حاصل ہوگئی لیکن سماجی قبولیت کے لئے طویل عرصے تک ناموافق حالات بنے رہے۔ نکاح بیوگان کے مخالفین نے ایشور چندر کا بھی بائیکاٹ کیا۔ تاحیات اس مسئلہ کے تئیں وفادار رہنے پر بھی نکاح بیوگان کا یہ مسئلہ ایک ابتدائی نقطہ تک ہی محدود رہا۔ اس عہد کے اعداد وشمار اظہار کرتے ہیں کہ ایسی شادیوں کی تعداد انتہائی تھی۔ 1900ء کی آمد تک لگ بھگ 300 نکاح بیوگان کا واقعہ اعلیٰ ذاتوں میں دیکھا گیا۔ بنیادی طور پر یہ مسائل اعلیٰ ذات سے متعلق مسائل بھی تھے جو سماج کے اہل ثروت طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ آگے چل کر قانون کے ذریعہ عورتوں کو جائداد کا حق بھی حاصل

انہیں بھی جانیں !

کورنیلیا سہراب جی خواتین کے مسائل کو قانونی طور پر حل کرنے والی ممکن ہے پہلی خاتون وکیل ہوں۔ رکھما بائی مقدمے کے ذریعہ کورنیلیا نے خواتین سے متعلق کچھ اہم سوالات اٹھائے۔

لیکن کیا اس کا اثر بنگال جیسے بیدار علاقہ میں قبول کیا جاسکا۔ مغربی ہند میں پرارتھنا سماج یا دکن سوسائٹی کے ذریعہ کہاں تک اشاعت کی جاسکی۔

ہوگیا۔ اس لئے بیواؤں کی دوسری شادی کے لئے کوشش نہیں کی گئی۔ یہ موروثی جائداد کو محفوظ رکھنے کا ایک حل بھی تھا۔ اس لئے نکاح بیوگان کی سماج میں بہت زیادہ حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔

لیکن ودیا ساگر کی کاوشوں نے اصلاحی مزاج کو ایک قوت بخشی جس کی بنیاد پر بعد میں ایج آف کنسیپٹ نافذ ہوا جس نے ہندوستانی روایات کی سخت مخالفت کی۔ کیشو چندر سین نے اس کام کو آگے بڑھایا جس کے نتیجہ میں نیٹو میرج ایکٹ نام سے قانون پاس ہوا۔ اس قانون میں کثرت ازدواج کی مخالفت کی گئی اور شادی کے لئے کم سے کم عمر لڑکیوں کے لئے 14 سال اور لڑکوں کے لئے 18 سال رکھا لیکن جب کیشو چندر سین نے اپنی کم عمر بیٹی کی شادی کی تو ہندوستانی سماج میں موجود تضادات سامنے آئے۔ وقت کے اس نظریہ کو سماجی منظوری بھی حاصل ہوئی اور بالواسطہ طور پر اس نئی روایت سے غیر برادری کی شادی کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی ہے۔ برہم سماج اور آریہ سماج نے بھی اپنی تنظیموں کے ذریعہ خواتین کی ترقی سے متعلق موضوع کو اپنی مکمل حمایت دی۔

تصویر۔ 4 : پنڈت رمابائی

سنسکرت کی عظیم دانشور پنڈت رمابائی کا کہنا تھا کہ ہندو مذہب خواتین پر جبر کرتا ہے۔ انہوں نے اعلیٰ ذاتوں کی ہندو خواتین کی بدحالی پر ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ انہوں نے پونہ میں ایک خانہ بیوگان قائم کیا جس کا مقصد بیواؤں کو خود کفیل بنانا تھا۔ یہ شاردا سدن کے نام سے جانا گیا۔ رمابائی نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ دوبارہ شادی کی جس سے دقیانوسی خیمے کے لوگ ناراض ہوگئے اور انہیں اعزاز سے محروم کردیا جو ایک دانشور کو ملنا چاہئے تھا ایک خاتون خود سے فیصلہ لینے کا وہی اختیار رکھے جو ایک مرد کو ہمارے سماج میں حاصل ہے۔

سوامی دیانند سرسوتی (1824-1875ء) :

تصویر۔ 5 : سوامی دیانند سرسوتی

سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج نام کی ایک تنظیم قائم کی تھی۔ آریہ سماج نے سماجی نابرابری کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ جن میں بنیادی طور پر خواتین کی ترقی کے لئے تعلیم پر زور دیا۔ آریہ سماج کے لوگ بچپن کی شادی کی مخالفت اور نکاح بیوگان کی حمایت کرتے تھے۔ ویدوں کو مکمل طور پر مانتے ہوئے خواتین کی ترقی اور ذات پات کے نظام کی پابندی کو کمزور کرنے میں بہت موثر رہے۔ لیکن بدقسمتی سے ادارے کے ذریعہ ہندوازم پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے اصلاحی تناظر میں ردعمل کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور سماج میں ذات پات کے نظام کی مخالفت کرے والا یہ ادارہ دیگر مذاہب کے تئیں روادار خیال کا حامل نہیں بن سکا۔ حالانکہ یہ تنظیم دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مقبول رہی ہے۔

سوامی وویکانند (1863-1902) :

تصویر۔ 6 : سوامی وویکانند

سوامی وویکانند نے ہندوستان کی پسماندگی اور تنزلی کے لئے غربت، ذہنی پسماندگی اور مستقبل کے تئیں مایوسی کو ذمہ دار مانا اور اپنے ہم وطنوں کی کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے تعلیم کے حصول پر زور دیا۔ تعلیم کی توسیع ہی خواتین کے وقار کی ضامن بن سکتی تھی جس سے ہندوستانی ثقافت کا احترام مغربی دنیا میں قائم ہوسکے۔ 1893ء میں امریکہ کے شکاگو میں منعقدہ عالمی مذہبی کانفرنس میں حصہ لیتے ہوئے ہندوستان کے گہرے فلسفہ کا اثر قائم کرنے میں انہیں کامیابی ملی۔ اقلیتی فرقہ کے درمیان بھی خواتین کی حالت میں اصلاح کی کئی کوششیں ہوئیں اور کئی تنظیمیں قائم کی گئیں۔

مسلمانوں میں بیداری کا آغاز انیسویں صدی کے نصف اول میں سرسید احمد خان (1817ء-1898ء) کے ذریعہ ہوئی۔ مسلمانوں میں میں اصلاح کے نقطہ نظر سے وہ تعلیم کی توسیع میں لگے۔ خواتین کی ترقی کے سلسلے میں سرسید احمد نے

تصویر۔ 7 : سید احمد خاں

کثرت ازدواج، پردے کی رسم اور طلاق کے روایتی اصولوں میں جدیدیت کے مطابق ترمیم کے مشورے دیئے۔ لیکن تعلیم کے میدان میں زیادہ تر لڑکیاں آگے بڑھے۔ اس کمی کو آگے چل کر مسلمان مصلحین کی اگلی نسل میں شیخ عبداللہ نے پورا کرنے کی کوشش کی اور خواتین کی تعلیم پر زور دیا۔ ممتاز علی جیسے کچھ مصلحین نے قرآن شریف کی آیتوں کا حوالہ دے کر بتایا کہ خواتین کو بھی تعلیم کا اختیار ملنا چاہئے۔

پارسی (مجوسی) فرقہ میں خواتین کی ترقی کے لئے اہم کوششیں شروع کی گئیں۔ پارسی سماج میں دو پیشرو ہوئے۔ دادا بھائی نوروجی (1917-1825ء) اور نوروجی فردون جی (1885-1817ء) دونوں نے مل کر راست گفتار نام کے رسالہ کا آغاز کیا۔ دونوں نے ہی تعلیم کی توسیع کے لئے خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم کے لئے انتہائی کوششیں کیں۔ نوروجی خاندان کے تعاون سے پارسی فرقہ کے تحت خواتین زرتشی جماعت کی تشکیل ہوئی۔ 1903ء کے آنے تک تقریباً 50 خواتین کو اس تنظیم سے جوڑا گیا۔ اس تنظیم تقریباً 36 سالوں تک سوربن مائی ایم خورشید جی کی صدارت میں قائم رہی۔

تصویر۔ 8 : نیروجی فردون جی

علاقائی سطح پر مشرقی انچل میں بھی بیداری کی نئی لہر آئی۔ بہار میں خواتین تعلیم کو آگے بڑھنے میں برہم سماج کا اہم رول رہا ہے۔ ان کا مقصد عورتوں کے طرز حیات میں اصلاح لانا تھا جسے صرف تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن تھا۔

ڈاکٹر بی سی رائے بنگال کے پہلے وزیر اعلیٰ کی ماں اگھور کامنی دیوی کے ذریعہ لڑکیوں کے لئے بانکی پور گرلس ہائی اسکول قائم ہوا اور اس طرح بنیاد پرست طبقہ کی مخالفت کو نظرانداز کر کے پٹنہ میں لڑکیوں کی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔ یہ اسکول فروری 1891 میں صرف طالبات کے لئے شروع ہوا۔ اور آج بہار کی راجدھانی میں اس تعلیمی ادارے کی اپنی شناخت ہے۔ انہوں نے شلپ کلا دستکاری کی حوصلہ افزائی کے لئے تربیت کے مراکز قائم کئے۔ لڑکیوں کے لئے درسگاہ کھولے گئے۔ جن

انہیں بھی جانیں

کورنیلیا سوراب جی خواتین کے مسائل پر قانونی حل سے اپائے کرنے والی ممکن ہے پہلی خاتون وکیل ہوں۔ رکھما بائی مقدمے کے ذریعہ کورنیلیا نے خواتین سے متعلق کچھ اہم سوالات اٹھائے۔
لیکن کیا اس کا اثر بنگال جیسے بو بیدار علاقہ میں قبول کیا جاسکا۔ مغربی ہند میں پرارتھنا سماج یا دکن سوسائٹی کے ذریعہ اسے کہاں تک اشاعت کی جاسکی۔

میں رابندر بالیکا مہاو دیالیہ 1931ء رابندر ناتھ ٹھاکر کی بیٹی نے قائم کی۔ مادھوری لتا دیو نے 1903ء میں مظفر پور میں چیپ مین گرلس اسکول کی بنیاد ڈالی۔ درج بالا تمام اسکول آج بھی لڑکیوں کی تعلیم کی توسیع میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نچلی ذات کی لڑکیوں کے لئے بہار میں 1910ء سے 1945ء کے درمیان پٹنہ، مونگیر، جمال پور، گیا وغیرہ شہروں میں اسکول کھولے گئے۔ دلتوں کی فلاح و بہبود تو ہوئی مگر لڑکیوں کی تعداد کم ہی رہی۔ بہار میں عورتوں کی تعلیم کے شعبہ میں رام کشن مشن، تھیوسوفیکل سوسائٹی اور کبیر پنتھ کا بھی زبردست رول رہا ہے۔ رام کرشن مشن کی شاخیں 1922ء میں پٹنہ اور دیوگھر میں قائم ہوئیں۔ 1882ء تک تھیوسوفیکل سوسائٹی نے بھاگلپور گیا، آرا اور پٹنہ میں پرارتھنا سبھا اور تعلیمی ادارے کھولے جو آج بدحالی کے شکار ہیں۔

بچپن کی شادی اور شادی کی عمر :

تصویر۔ 9 : کیشو چندر سین

بچپن کی شادی کی روایات کو چیلنج دیا جانے لگا۔ اس عہد میں کئی خواتین تنظیموں کو فروغ ہوا جو اس جہت کے تئیں فعال رہیں اور بچپن کی شادی کے خاتمہ کی حمایت میں کئی مضامین لکھے۔ یہاں تک کہ مرکزی قانون ساز یہ اسمبلی کے کئی ایم پی نے بچپن کی شادی پر پابندی کے لئے قانون بنانے کی جدوجہد شروع کی۔

1929ء میں بچپن کی شادی پر پابندی کا قانون پاس کیا گیا۔ حالانکہ اس اصلاحی قانون کے لئے بہت جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ اس قانون کے مطابق 18 سال سے کم عمر کے لڑکے اور 16 سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ بعد میں یہ عمر بالترتیب 21 سال اور 18 سال کر دی گئی۔

بچوں کے قتل کا رواج خصوصاً ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں تھا۔ غیر انسانی روایات کو 1870ء میں غیر قانونی اعلان کر دیا گیا۔ دیگر قانون بنانے میں جہاں بہت وقت لگتا تھا۔ اس سلسلے میں برٹش حکومت نے جس طرح کی جلد بازی دکھائی وہ حیرت انگیز تھی۔ 1870ء کے ایک خاص قانون کے ذریعہ اس جرم کو موثر ڈھنگ سے ختم کیا گیا کہ 1906ء کے آنے تک ایسے قانون کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس قانون کو نافذ کرنے سے قبل برٹش حکومت کا حوصلہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ ہندوستان کے اندرونی سماجی روایات میں مداخلت کر سکتی تھی۔ سرکار کا وہ خوف اب ختم ہو چکا تھا کہ اگر وہ ہندوستانی روایات سے چھیڑ چھاڑ کریں گے تو سیاسی طور سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس قانون کو کامیاب بنانے کے لئے کئی ہندوستانی خاندان کو جائزے میں رکھا گیا۔ تاکہ آبادی کے اعداد و شمار کو سرکاری نگرانی میں لایا جا سکے۔ یہ قانون برٹش حکومت کے بڑھتے ہوئے خود اعتمادی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس قانون سے انگریزوں کو ہندوستانی ثقافت اور روایات میں بھی مداخلت کی جرأت ہوئی۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ معصوم بچیوں کے قتل کے حقیقی اسباب کیا تھے یا کیا ہیں۔ کیونکہ یہ ظالمانہ رواج ایک بار پھر ماں کے پیٹ میں ہی بچوں کے قتل کی شکل میں ہمارے سماج میں ایک لعنت کی شکل میں ابھر چکا ہے جس کی وجہ سے بچیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ عورتوں کا گرتا ہوا فیصد آج بھی خاندان میں لڑکیوں کی پیدائش غم کی وجہ بنتی ہے۔ چونکہ لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ، جہیز کا سوال انہیں خاندان کے لئے بوجھ بنا دیتا ہے۔ اس لئے نچلے طبقے کے خاندان میں آج بھی لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھتے ہوئے جہیز کے لئے دولت جمع کی جاتی ہے۔

> **انہیں بھی جانیں**
>
> کیشو چندر سین کے ذریعہ تاریخی اسپیشل میرج ایکٹ 1871 کا ڈرافٹ پٹنہ میں تیار ہوا تھا۔

انیسویں صدی کے آخر تک خود خواتین بھی اپنی حالت میں اصلاح کے لئے آگے بڑھیں۔ انہوں نے کتابیں لکھیں رسائل نکالے اسکول اور تربیتی مراکز کھولے اور خواتین کو منظم کیا۔ ایسی دیگر کئی قومی خواتین کی تنظیم قائم ہوئی جن میں قومی خواتین کاؤنسل کل ہند خواتین کانفرنس (A.I.W.C) جیسی خواتین فرنٹ کو تیار کیا گیا جو خواتین میں بیداری لانے کا کام

> **انہیں بھی جانیں**
>
> 1861ء کے قانون نے جہیز کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ لیکن یہ رواج آج بھی رائج ہے جو خواتین کی حالت کو متاثر کرتا ہے۔

بھی کر رہی تھیں۔ اوسط طبقہ کی تعلیم یافتہ خواتین نے یہ جان لیا تھا کہ ان کے سامنے ایسے چیلنج تھے جنہیں برٹش حکومت کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے اپنی داخلی کمزوریوں کو دور کر سماجی اصلاحی تحریک کے ذریعہ خواتین کی حالت میں اصلاح کرنے کی پہل کی۔ ان کے ذریعہ خصوصاً ستی کا رواج، چھوٹی بچی کا قتل، کثرت ازدواج، بچپن کی شادی جیسے سماج کے غلط رواج کو دور کرنے کے لئے تعلیم کے ذریعہ کو ذریعہ دیا گیا۔ ان کے مطابق صرف تعلیم ہی ایسی بنیادی روایت اور دقیانوسی خیالات کو دور کرسکتی تھی۔ جن کی وجہ سے خواتین سماج میں اپنے جائز حقوق سے محروم تھیں۔

خواتین سے متعلق ایسے سنگین وحساس موضوع کو انیسویں صدی میں منظور کرلیا گیا بلکہ ہندوستان کو آزاد کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کی بدتر حالت کو ختم کرنے کی اس کوشش کو معمولی نہیں کہی جاسکتی ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز سے خواتین کو ووٹ دینے کا اختیار، طبی سہولیات اور حصول تعلیم کے بارے میں قانون سازی کے لئے سیاسی طور پر ایک جماعت بھی بن گئی تھی۔ ایسے ادارے آج بہت سرگرم ہیں اور ایسے بہت سے اصلاحی منصوبے صوبہ کے ذریعہ پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ خواتین نے 1920ء کے عشرے سے مختلف قسم کی قومی اور سماجی تحریکوں میں حصہ لیا۔ مہاتما گاندھی نے پہلی بار قومی تحریک میں خواتین کی حصہ داری پر زور دیا اور ان کی خود اعتمادی کو بیدار کیا جواہر لال نہرو نے خواتین کے لئے مزید آزادی ومساوات کے مطالبوں کی حمایت کی۔

بہار میں — لڑکی سائیکل منصوبہ نے بھی لڑکیوں کی تعلیمی تناسب کو آگے بڑھایا ہے۔

پنچایتی نظام میں — بہار میں پانچ فیصد ریزرویشن کی پہل خواتین کو طاقتور بنانے کی طرف اٹھایا گیا ایک مضبوط قدم ہے۔

سماجی مصلحین نے خواتین کے تئیں اپنائی گئی غیر حساس روایات کو قبول نہیں کیا۔ ان کے ذریعہ خواتین کے تئیں ہمدردی رکھی گئی۔ بیواؤں کو سماج میں برابری سے جینے کے مکمل اختیار دینے کی کوشش کی گئی۔ ستی رواج کی غیر انسانی حرکت کی سخت مخالفت کی گئی۔ کثرت ازدواج بچپن کی شادی جیسے غیر مفید رواجوں کو بھی ختم کی گئیں تاکہ وہ تعلیم سے محروم نہیں کی

جاسکیں۔

پردہ کے رواج کی وجہ سے عورتوں کو سماج سے الگ رکھا جاتا تھا۔ایسے میں ان روایات کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ جو اس دور کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ چونکہ عورت کو پہلی بار سماج کے مرکزی دھارا سے جڑنے کا موقع ملا اور عورتوں کے سوال پر انسانی نقطہ نظر کو اپنایا گیا گرچہ خواتین کی حالت میں اصلاح کی تدبیروں میں کچھ کمی پائی گئی جس کی وجہ سے یہ کوشش اعلیٰ طبقہ کی خواتین تک ہی محدود رہی اور وسیع تر دیہاتی علاقوں تک نہیں پہنچائی جاسکی۔اس لئے یہ کوشش محدود ہوکر رہ گئی۔

بیسویں صدی کے آنے تک بیداری کی لہر خواتین سماج تک پہنچ چکی تھی جنہوں نے خود حصول اختیارات کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھایا چونکہ مردوں کے ذریعہ صرف ان کی اصلاح کی تدبیریں کی گئی تھیں۔مگر یہ بھی محدود اور ناکافی سمجھی گئیں اور محدود مقاصد پر مبنی یہ تحریک وقت کے ساتھ کمزور ہوتی گئی۔اب خود اپنی ترقی اور برابری کے اختیار کے لئے خواتین کی جدوجہد آج بھی جاری ہے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنئے :

(i) خواتین کی نابرابری کی حالت پر پہلی بار کس کے ذریعہ سوالیہ نشان لگایا گیا؟

(الف) انگریزوں کے ذریعہ (ب) ہندوستانی تعلیم یافتہ کے ذریعہ

(ج) خواتین کے ذریعہ (د) نچلے طبقہ کے لیڈر کے ذریعہ

(ii) تعلیم کس طبقہ کی عورتوں تک محدود رہی؟

(الف) نچلے طبقہ (ب) متوسط طبقہ

(ج) اعلیٰ طبقہ (د) ان میں سے کوئی نہیں

(iii) قانون کے ذریعہ ستی کے رواج کا خاتمہ کب ہوا؟

(الف) 1826ء (ب) 1827ء

(ج) 1828ء (د) 1829ء

(iv) نکاح بیوگان کے لئے کس نے اپنی زندگی قربان کردی؟

(الف) ایشور چندرودیاساگر (ب) دیانند سرسوتی

(ج) راجارام موہن رائے (د) سید احمد خان

(v) بچپن کی شادی پر پابندی قانون کس سال نافذ ہوا؟

(الف) 1926ء (ب) 1927ء

(ج) 1928ء (د) 1929ء

آیئے غور کریں :

(i) عورتوں میں نابرابری کی حالت کے خاص اسباب کیا تھے؟

(ii) ستی کے رواج پر کس طرح کا تنازعہ رہا؟ ستی مخالف اور ستی حمایتی خیالات کو لکھیں۔

(iii) راجارام موہن رائے کے ذریعہ خواتین سے متعلق کس مسئلہ کے خلاف آواز اٹھایا گیا؟

(iv) ایشور چندرودیاساگر کی 'خواتین اصلاحی' خدمات کا تذکرہ کریں۔

(v) سوامی وویکانند نے خواتین ترقی کے لئے کون کون سے مشورے دیئے؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) خواتین میں خواندگی بڑھانے کے لئے آپ کے خیال میں کس طرح کی کوششیں کی جانی چاہئیں؟ درجے میں اپنے ساتھیوں سے مذاکرہ کیجئے۔

(ii) خواتین ترقی کے لئے چلائی جانے والی سرکاری منصوبوں کی جانکاری جمع کرکے اس کی ایک فہرست بنائیں۔

باب ۔10

انگریزی حکومت اور شہری تبدیلیاں

سبق ۔3 میں آپ نے پڑھا کہ کس طرح ہندوستان میں برٹش حکومت کے قیام کے بعد دیہاتی زندگی بدل گئی مگر انگریزوں کی حکومت تو سبھی جگہ تھی۔ شہروں میں بھی تو کچھ تبدیلیاں ضرور آئی ہوں گی۔ ہم اس سبق میں اسی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور دیکھیں گے کہ غلام ہندوستان میں شہریت کا عمل کیسا تھا اور اس وقت شہروں اور قصبوں میں لوگوں کی زندگی کیسی تھی۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہم غلامی کے دور میں شہروں کی ترقی تلاش کریں ہمیں برٹش حکومت کے پہلے کے شہروں پر ایک نظر ڈالنی چاہئے شہر میں عام طور سے دیہاتی علاقوں کے کافی لوگ ہوتے تھے اور یہاں کی معاشی سرگرمیاں اور ثقافتیں گاؤں سے بہت مختلف ہوتی تھیں آپ یہ جانتے ہیں کہ گاؤں کے لوگوں کا خاص کام کھیتی ہوتا تھا جبکہ شہروں میں کھیتی کا کام نہیں کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں مختلف طرح کی تجارت ہوتی ہے۔ شہروں میں تاجر، دستکار، حکمراں اور افسران رہتے تھے۔ اکثر شہروں کی قلعہ بندی کی جاتی تھی جو دیہاتی علاقوں سے اس کے فرق کی نشاندہی کرتی تھی۔ شہروں کا دیہاتی عوام پر غلبہ ہوتا تھا۔ اور وہ کھیتی سے حاصل ٹیکسوں اور مالگذاری کی بنیاد پر پھلتے پھولتے تھے۔

سولہویں صدی اور سترہویں صدی میں مغلوں کے ذریعہ بسائے گئے شہر آبادی کی کثرت، عظیم الشان عمارتوں اور شہری خوشحالی کے لئے مشہور تھے۔ آگرہ، دہلی، لاہور جیسے شہر مغل انتظامیہ اور حکومت کے اہم ترین مراکز تھے۔ ان مراکز میں شہنشاہ اور امرا جیسے اعلیٰ طبقہ کی موجودگی کی وجہ سے وہاں کئی طرح کی خصوصی خدمات انجام دینے والے لوگ رہائش پذیر تھے۔ دستکار اعلیٰ طبقہ کے لئے خصوصی دستکاریوں کا سامان تیار کرتے تھے۔ دیہاتی علاقوں سے شہر کے باشندوں کے لئے غلہ لایا جاتا تھا۔ شہنشاہ ایک حصار بند محل میں رہتا تھا اور شہر ایک دیوار سے گھرا ہوتا تھا جس میں الگ الگ دروازوں سے آمدورفت کا راستہ

ہوتا تھا۔ قلعہ بند شہروں کے اندر چڑیا خانہ (باغ باغیچے) مندر، مسجد، مقبرے، اسکول، بازار اور مسافر خانے بنے ہوتے تھے۔

تصویر۔ 1 : انیسویں صدی کے وسط میں شاہجہاں آباد کی تصویر۔
آپ بائیں طرف لال قلعہ دیکھ سکتے ہیں۔ شہر کو گھیرنے والی دیواروں میں دھیان سے دیکھیں۔ بیچوں بیچ چاندنی چوک کا خاص راستہ دکھائی دے رہا ہے، دیکھئے کہ جمنا ندی لال قلعہ سے سٹ کر بہہ رہی ہے اب اس کا راستہ بدل گیا ہے جہاں کشتی کنارے کی طرف بڑھ رہی ہے اسے اب دریا گنج کہا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ میں ان انتظامی شہروں کے علاوہ جنوبی ہند میں مدورئی، تنجاوور، کانچی پورم جیسے کچھ ایسے شہری مراکز تھے جو اپنے مندروں کے لئے مشہور تھے۔ لیکن یہ شہر پیداوار اور تجارتی سرگرمیوں کے بھی خاص مراکز تھے۔ مذہبی تیوہاروں کے موقع پر یہاں میلے کا انعقاد کیا جاتا تھا جس سے تیرتھ اور تجارت بھی شامل تھی۔۔

شہری مراکز میں تبدیلیاں:

اٹھارہویں صدی میں شہروں کی حالت میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ سیاسی اور تجارتی سرگرمیوں میں تبدیلی کے ساتھ پرانے شہر زوال پذیر ہوئے اور نئے شہروں کی ترقی ہونے لگی۔ مغل حکومت کے دھیرے دھیرے کمزور ہونے کی وجہ سے حکومت سے متعلق شہروں کا زوال ہونے لگا۔ نئی علاقائی حکومتی مراکز لکھنؤ، حیدرآباد سری رنگا پٹنم، پونا، ناگپور، بروده وغیرہ نئے شہری مراکز کی صورت میں قائم ہونے لگے۔ تاجر، دستکار، فنکار، حکمراں اور دیگر خصوصی خدمات پیش کرنے والے لوگ ان نئے حکومتی مراکز کی طرف کام اور تحفظ کی تلاش میں آنے لگے۔ تجارتی نظام میں تبدیلی کی وجہ سے بھی شہری مراکز میں تبدیلیوں کے علامات دیکھے گئے یورپی تجارتی کمپنیوں نے مغل عہد میں ہی مختلف مقامات پر اپنے تجارتی مراکز قائم کیے۔

پرتگالیوں نے گوا میں ڈچوں نے مچھلی پٹنم میں، انگریزوں نے مدراس (چنئی میں) فرانسیسیوں نے پانڈیچیری (پودوچیری) میں۔ تجارتی سرگرمیوں میں توسیع کی وجہ سے ان تجارتی مراکز کے آس پاس شہر آباد ہونے لگے۔

اٹھارہویں صدی کے آخر میں تبدیلی کا ایک نیا دور شروع ہوا جب تجارتی سرگرمیاں دیگر مقامات پر مرتکز ہونے لگیں تب پرانے تجارتی مرکز اور بندگاہ اپنی اہمیت کھونے لگے۔ خاص قسم کے سامانوں کو پیدا کرنے والے شہر اس لئے پچھڑنے لگے کیونکہ ان کی مانگ رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ انگریزوں کے ذریعہ مقامی حکمرانوں پر فتح کی وجہ سے بھی علاقائی حکومت کے پرانے مراکز برباد ہونے لگے اور حکومت کے نئے مراکز کو فروغ ہونے لگا۔ 1757ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد جیسے جیسے انگریز سیاسی قبضہ قائم کرتے گئے اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت پھیلنے لگی تب مدراس (چنئی)، کلکتہ (کولکاتہ) بمبئی (ممبئی) کی اہمیت پریزیڈنسی شہر کی صورت میں ابھری۔ نئی عمارتوں اور اداروں کی ترقی ہوئی اور شہروں کو نئے طریقوں سے منظم کیا گیا۔ نئے روزگار فروغ پائے اور لوگ شہروں کی طرف آنے لگے۔

اجڑتے شہر

بنگال میں بھاگیرتھی ندی کے کنارے پر واقع مرشدآباد ریشمی کپڑوں کی پیداوار خاص مرکز کی شکل میں ابھرتا ہے۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے دور کا شہر پہلے کی بہ نسبت توسیع اور اہمیت کے نقطہ نظر سے سکڑ گیا کیوں کہ وہاں کے بنکر انگلینڈ کی ملوں سے آئے سستے کپڑں کے ساتھ مقابلے میں ٹک نہیں سکے۔ یہی حال ڈھاکہ کا ہوا جو ململ کے کپڑوں کی تجارت کا مرکز اور بندرگاہ شہر تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں جب تجارت ممبئی، مدراس، کولکاتہ کے نئے بندرگاہوں پر مرتکز ہونے لگی تب یہ شہر اپنی تجارتی اہمیت اور خوشحالی کھو بیٹھا۔ بہار کے تناظر میں مونگیر، بھاگلپور وغیرہ شہروں کے اجڑنے کی حالت کی معاصر ایرانی سیاح احمر بہبانی نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

1853ء میں ریلوے کا آغاز ہوا ہر ایک ریلوے اسٹیشن خام مال کا گودام اور درآمد شدہ سامانوں کا تقسیم کار بن گیا۔

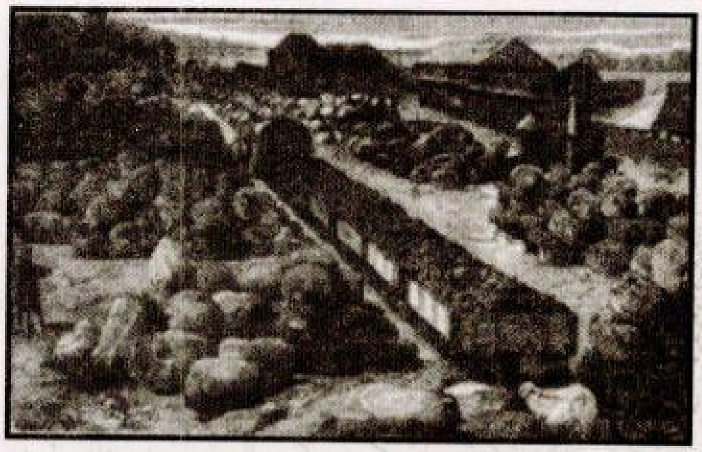

تصویر۔ 2 : ریلوے شہر کی تصویر

ریلوے کے توسیع کے بعد ریلوے ورکشاپ اور ریلوے کالونیوں کے بسنے کا کام شروع ہوگیا۔ اسی وقت جمال پور اور بریلی جیسے ریلوے شہر بھی وجود میں آئے۔

مغربی یورپ کے زیادہ تر ممالک میں جدید شہروں کا نمود، صنعت کاری کے ساتھ جڑا تھا انگلینڈ میں مین چیسٹر، لیور پول، لیڈس جیسے صنعتی شہروں کا انیسویں صدی میں تیزی سے ارتقاء ہوا۔ یہ شہر سوتی کپڑے اور اسپات پیداوار کے خاص مراکز تھے۔ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں لوگ روزگار کی تلاش میں گاؤں سے شہروں کی طرف آنے لگے۔ بڑے بڑے زراعتی فارموں کے قیام کی وجہ سے چھوٹے کسانوں کو گاؤں چھوڑ کر کام کی تلاش میں کارخانوں میں آنا پڑا جس سے صنعتی مراکز کی آبادی بڑھنے لگی۔ صنعتی مراکز کے آس پاس نئے شہروں کی ترقی ہوئی۔ جہاں انگلینڈ میں 1700ء میں 77% فیصد لوگ گاؤں میں بستے تھے وہیں 1900ء میں صرف 20 لوگ گاؤں میں رہ رہے تھے۔ اور 80 فیصد لوگ شہروں میں رہنے لگے۔ اس طرح آبادی کا شہروں کی طرف تیز رفتاری سے تبادلہ ہونے لگا۔ گاؤں کے اجڑنے اور نئے شہروں کے بسنے سے معاشی نظام کی بنیاد ہی بدل گئی۔ پہلے گاؤں ہی معاشی نظام کی بنیاد تھا اب صنعتی انقلاب کی وجہ سے شہر معاشی نظام کا بنیادی مرکز بن گیا۔ لیکن ہندوستان میں شہروں کی توسیع یورپی ممالک کی طرح تیزی سے نہیں ہوئی۔ کیوں کہ ہندوستان میں جانب دار اور سامراجی پالیسی نے ہمارے صنعتی ترقی کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ پھر بھی کانپور اور جمشید پور صحیح معنوں میں صنعتی شہر تھے۔ کانپور میں سوتی اور اونی کپڑے اور چمڑے کے سامان بنتے تھے۔ جبکہ جمشید پور اسٹیل پیداوار کے لئے مشہور ہوا۔

پریزیڈنسی شہر کی بناوٹ

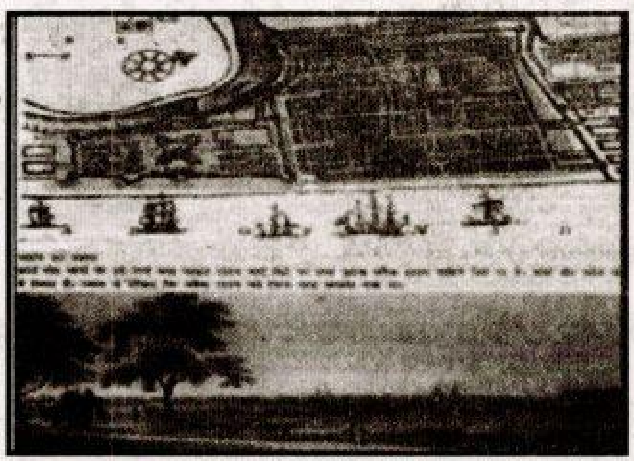

تصویر۔ 3 : فورٹ سینٹ جارج، مدراس کا نقشہ

فورٹ سینٹ جارج کے اردگرد بنا وہائٹ ٹاؤن بائیں طرف پر اور پرانا بلیک ٹاؤن داہنے دائیں طرف ہے۔ فورٹ سینٹ جارج گھیرے میں واقع ہے۔ دھیان سے دیکھئے کہ بلیک ٹاؤن کو کس طرح بسایا گیا تھا۔ نیچے بلیک ٹاؤن کا ایک حصہ۔

اٹھارہویں صدی کے وسط تک کولکاتہ، ممبئی اور مدراس تیزی سے بڑے شہر بن گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے کارخانے (تجارتی دفاتر) انہیں شہروں میں بنائے۔ یہ کارخانے کمپنی کے تجارتی سامان کے ذخیروں کے مرکز کی شکل میں کام کرتے تھے۔ یورپی تجارتی کمپنیوں کے درمیان مقابلے کی وجہ سے ان کی قلعہ بندی کی جاتی تھی۔ مدراس میں فورٹ سنٹ جارج، کولکاتہ میں فورٹ ولیم اور ممبئی میں فورٹ۔ یہ علاقے برٹش آبادی کی شکل میں جانے جاتے تھے۔ یورپی تاجروں سے لین دین کرنے والے ہندوستانی تاجر کاریگر اور مزدوران سے قلعوں کے باہر الگ علاقے میں رہتے تھے۔ ان علاقوں کو وہائٹ ٹاؤن یعنی گوراشہر اور بلیک ٹاؤن یعنی کالا شہر کہا جاتا تھا۔

غلامی کے شہر عہد وسطیٰ کے شہر سے کس طرح مختلف تھے؟ درجہ میں اس پر مذاکرہ کریں۔

شہری زندگی اور سماجی پس منظر :

شہروں میں انتہائی خوشحالی اور انتہائی غربت دونوں کے منظر ایک ساتھ ہوتے تھے۔ زندگی ہمیشہ دوڑتی بھاگتی سی دکھائی

دیتی تھی۔ ٹاؤن ہال، عوامی پارک، تفریح گاہوں اور سنیما گھروں جیسے عوامی مقامات کے بنانے سے لوگوں کو ملنے جلنے کے لئے نئی جگہ اور مواقع ملنے لگے تھے۔ شہروں میں ہر طبقہ کے لوگ آنے لگے۔ کلرکوں، معلموں، وکیلوں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کی مانگ بڑھتی جا رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں میں اوسط طبقہ کے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اسکول، کالج اور کتب خانے جیسے نئے تعلیمی اداروں کے کھلنے سے ان کے بیچ نئے خیالات کی توسیع ہوئی۔ تعلیم یافتہ ہونے کے ناطے وہ سماج اور سرکار کے بارے میں اخباروں، رسالوں اور عوامی محفلوں میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے تھے۔ بحث ومباحثے کا ایک نیا عوامی دائرہ پیدا ہوا۔

شہروں میں خواتین کے لئے بھی نئے مواقع تھے۔ گھر کی چہار دیواری سے باہر عوامی مقامات پر خواتین کی موجودگی بڑھنے لگی۔ وہ معلّمہ تھیئٹر اور فلمی فنکار، فیکٹری مزدور اور نوکرانی کی شکل میں شہر کی نئی تجارتوں میں شامل ہونے لگیں۔

شہروں میں محنت کش غریب اور مزدوروں کا ایک نیا طبقہ ابھر رہا تھا۔ دیہاتی علاقوں کے غریب روزگار کی تلاش میں شہروں کی طرف آ رہے تھے۔ مزدور طبقہ کے لوگ اپنے یورپی اور ہندوستانی مالکوں کے لئے خانساماں (کھانا بنانے والے) گاڑی بان، چوکیدار اور تعمیرات کے مزدوروں کی شکل میں مختلف قسم کی خدمات فراہم انجام دیتے تھے۔ وہ شہر کے مختلف علاقوں میں کچی جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔

ماضی کے آئینے میں بھاگلپور شہر :

بہار کے بھاگلپور شہر کا وجود گنگا ندی کے جنوبی کنارے پر تقریباً تین ہزار سال سے قائم ہے۔ اس کی پہچان ہمیشہ سے ایک تجارتی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت سے رہی ہے۔ قدیم زمانے میں شہر کا وجود ایک چھوٹے شہر کی شکل میں تھا۔ جو انگ دیش کی راجدھانی چمپا سے ملحق تھا لیکن وقت کا تقاضا دیکھئے اب چمپا ہی ایک چھوٹا شہر بن کر چمپا نگر ہو گیا اور بھاگلپور شہر کا خاص مرکز بن چکا ہے۔

بارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی کے وسط تک اس شہر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس دور میں بھاگلپور شہر صوفی تہذیب کا ایک اہم مرکز ہوا کرتا تھا۔ یہاں درجنوں مسجد، درگاہ، مزار خانقاہ، عیدگاہ اور امام باڑے تھے۔ جدید بھاگلپور شہر میں

گھومنے پران مراکز کی باقیات آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

مسجد : مسلمان قوم کی عبادت کا مقام

مزار : کسی عظیم شخصیت یا صوفی کی قبر یا دفن کرنے کا مقام

مقبرہ : قبر یا مزار پر بنائی گئی عمارت

خانقاہ : صوفی سنتوں کا مذہبی مرکز

عیدگاہ : مسلمانوں کی عید کی نماز پڑھنے کے لئے خاص مقام جو عام طور سے کھلے میدان کی شکل میں ہوتا ہے۔

امام باڑہ : شیعہ مسلم فرقہ کا مذہبی مقام جہاں محرم میں ماتمی مجلس منعقد ہوتی ہے۔

گھنے محلوں اور درجنوں بازاروں سے گھرا بھاگلپور ایک اہم ثقافتی اور تجارتی شہری مرکز تھا۔ شاعری اور رقص و موسیقی عام طور پر تفریح کے ذرائع تھے۔ اس شہر میں عیش و آرام صرف کچھ امیر لوگوں کے حصہ میں آتے تھے۔ امیر اور غریب کے درمیان دوری بہت زیادہ تھی۔

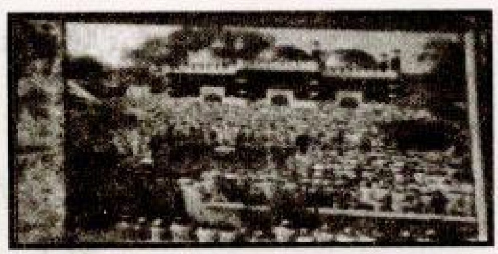

مغل شہنشاہ جہانگیر اور فرخ سیر کے عہد حکومت میں تعمیر شدہ بھاگلپور ریلوے اسٹیشن کے قریب 50 جنوب مغرب تاتارپور میں واقع ہے۔ حضرت محمد صلعم کے مقدس تبرکات محفوظ ہونے کی وجہ سے یہ مسلمانوں کا ایک مقدس مذہبی مقام ہے۔ اس محلے میں ایک مدرسہ تھا جہاں مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اس محلے کا نام مولانا چک پڑا۔

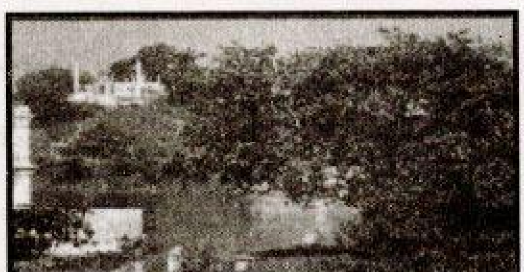

شاہ جنگی کا مقبرہ بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تقریباً دو کیلو میٹر جنوب مغرب کی طرف اونچے ٹیلے پر واقع ہے اور نیچے تالاب اور مسجد ہے۔ یہاں ہر سال محرم کا میلہ لگتا ہے۔ تعزیہ کا پہلام اسی جگہ کیا جاتا ہے۔

برٹش عہد حکومت میں بھاگلپور :

ہم برٹش عہد کے شہروں کے بارے میں گذشتہ اسباق میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ بھاگلپور شہر کے حالات دوسرے برٹش شہروں سے کافی الگ تھے۔ یہ شہر روایتی ہندوستانی شہروں جیسا تھا۔ یہ شہر تین قصبوں چمپانگر، بھاگلپور اور براری کو ملا کر فروغ پایا تھا۔ جب بھاگلپور میونسپل بورڈ قائم ہوا تو پہلے دو قصبے چمپانگر اور بھاگلپور اس میں شامل کئے گئے۔ بعد میں براری بھی شامل ہوا اور آج تینوں قصبے بھاگلپور میونسپل بورڈ کے تحت ہیں۔ شہر کے بیچ سے گزرنے والی ٹیڑھی میڑھی تنگ گلیوں میں الگ الگ ذات، مذہب، زبان اور پیشے کے لوگوں کے محلے تھے۔ الگ الگ وقت میں مختلف قسم کے معاشی کام کرنے والے کئی فرقے بھاگلپور شہر میں آئے اور یہیں بس گئے۔

انیسویں صدی میں جدید تعلیم کے توسیع، زمین کی مالگذاری کا نظام اور تاجروں کے نئے مواقع کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگلپور شہر میں بنگلہ زبان بولنے والے اور مارواڑی فرقہ کی آمد ہوئی شہر کی آبادی بڑھ گئی، روزگار بدل گئے اور شہر کی ثقافت بالکل مختلف ہوگئی۔ خوراک، لباس، فن اور ادب کے ہر حلقہ میں خاص طور سے اردو فارسی پر مبنی شہری ثقافت نئی دلچسپیوں کے نیچے دب گئی۔

تعلیم کے میدان میں انگریزوں کی کوششوں کا فائدہ سب سے پہلے یہاں کے بنگالیوں نے اٹھایا۔ دیکھتے دیکھتے ایک وقت ایسا بھی آیا جب شہر میں بنگال سے آئے ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، پروفیسر، کلرک، معلم، مصنف زیادہ تر بنگالی ہی ہوا کرتے تھے۔ بھاگلپور شہر کا بوڑناتھ، منصور گنج، آدم پور اور خنجر پور کا علاقہ خاص طور سے بنگلہ زبان بولنے والوں سے بھرا تھا۔ یہ بنگالی باشندے شہر میں اپنی ثقافت اور ادب کی چھاپ لے کر آئے اور بنگالی ماحول کی تعمیر کی۔

انیسویں صدی کے وسط میں تجارتی فائدے کے مقصد سے مارواڑی، اگروال جیسوال اور بنیا وغیرہ ذاتیں ایک طاقت ور تجارتی گروہ کی شکل میں بھاگلپور شہر میں قائم ہوئے۔ یہ تاجر ایجنٹ، بینکر اور مہاجن ہوتے تھے اور شہر کی تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ مارواڑی ٹولہ، خلیفہ باغ، شجاع گنج میں مارواڑی نیا بازار میں اگروال اور منصور گنج محلے میں جیسوال لوگ بستے تھے۔

برہمن اور کائستھ مقامی دیہاتی ذاتیں تھیں۔ جو انگریزی تعلیم کا فائدہ اٹھا کر سرکاری عہدوں پر قابض ہوئے یہ لوگ شہر کے مودی چک اور خنجر پور علاقے میں بس گئے۔ کچھ برہمن اور کائستھوں کا تعلق زمیندار خاندان سے بھی تھا۔

شہر کا جنوب مغربی علاقہ تاتار پور، کبیر پور، مولنا چک، شاہ جنگی، حبیب پور، حسینہ بادوغیرہ محلے میں مسلم تاجر کاریگر، بنکر اور مزدور رہتے تھے۔ کئی مسلم خاندانوں کا تعلق مسلم صوفی سنتوں کے ساتھ تھا۔ جو نسل در نسل سالوں سے اس شہر میں رہتے آ رہے تھے۔

بھاگلپور شہر کے ناتھ نگر اور چمپانگر محلے میں روایتی تجارت میں خصوصیت حاصل کر کے مسلم جولاہے اور ہندو تانتی ذات کے بنکر رہتے تھے۔ یہ ریشمی کپڑے اور دھاگے تیار کرنے کا کام کرتے تھے۔

1862ء میں ریلوے کی شروعات اور تعلیمی اداروں کے قیام نے شہر کی کایا پلٹ کر دی۔ کثیر تعداد میں لوگ روزگار، تجارت، تعلیم اور دیگر سہولیات کی امید میں شہر کی طرف آ رہے تھے۔ جیسے جیسے بھاگلپور کی آبادی بڑھنے لگی۔ براری میں نئے لوگوں نے بسنا شروع کر دیا۔ روزگار کی تلاش میں دیہاتی علاقوں سے آئے محنت کش غریب اور مزدوروں کا ایک نیا طبقہ ابھرا جو براری قصبے میں گنگا ندی کے کنارے کالی گھاٹ واقع مایا گنج علاقے کی کچی جھونپڑیوں میں رہنے لگے۔

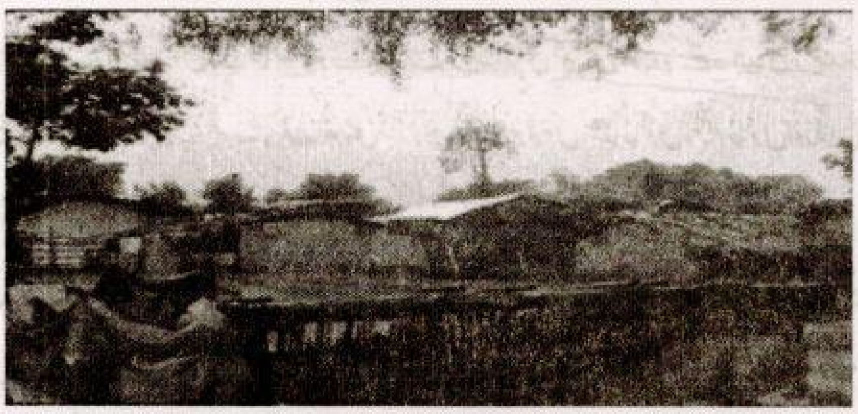

تصویر۔ 6 : مایا گنج علاقے میں غریبوں کی جھونپڑی

مہاشیہ ڈیوڑھی

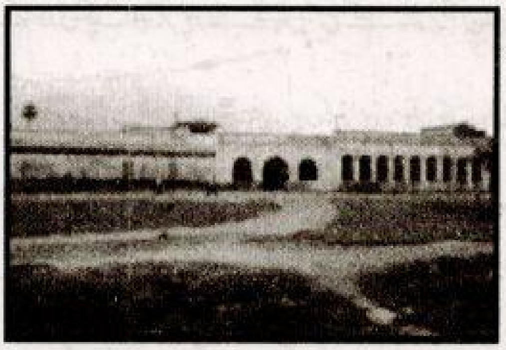

تصویر۔ 7 : مہاشیہ ڈیوڑھی

اس عظیم عمارت کی تعمیر اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں بھاگلپور شہر کے مقامی زمیندار مہاشئے خاندان کے پریش ناتھ گھوش نے گنگا ندی کے کنارے جوکہ نعمت پور (چمپانگر) میں اپنی رہائش گاہ کے لئے کروایا تھا مہاشئے نسل کے خاندان کے ممبر مغل عہد سے بھاگلپور پرگنہ نام کے انتظامی شاخ میں قانون گو کے عہدے پر کام کرتے آرہے تھے۔ جب 1765ء میں انگریزوں نے مغل بادشاہ سے دیوانی کا اختیار حاصل کیا تب اس خاندان کے لوگ بھاگلپور پرگنہ میں دیوان کے عہدہ پر بحال ہوئے۔ بعد میں بھاگلپور کے ضلع کلکٹر مسٹر چیرمین نے پریش ناتھ گھوش کو شجاع نگر پٹہ کی زمینداری کی سند عطا کی۔

برٹش حکومت کی زمین کے محصول کی پالیسی کے نتیجہ میں بھاگلپور شہر میں کئی زمیندار خاندان کی آمد ہوئی۔ دراصل ان کی زمینداری کا حلقہ دیہاتی علاقوں میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن یہ لوگ شہر کے مختلف علاقوں میں رہتے تھے۔ مہاشئے خاندان بنیلی براری اور اڑواری جیسے بڑے زمینداروں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے زمیندار بھی شہر میں موجود تھے۔ ان کی زمینداری کا علاقہ بھاگلپور، مونگیر بانکا نو گچھیا اور پورنیہ وغیرہ میں تھا۔ شہر میں مندروں، تعلیمی اداروں، شفاخانوں، یتیم خانوں اور فلاح و بہبود کے کاموں کو تحفظ عطا کرنے سے ان لوگوں کی وہاں کے سماج میں ایک طاقتور پوزیشن قائم ہو چکی تھی۔

اس طرح کئی قصبوں کو ملا کر بھاگلپور شہر دور تک پھیلی کم گھنی آبادی والا شہر بن گیا اور بھاگلپور کے اردگرد قصبے اس کے نئے نیم شہری علاقے بن گئے۔

بھاگلپور برٹش طرز کے شہر سے مختلف ایک روایتی شہر تھا۔ کیسے؟

کاروبار، تجارت اور صنعت :

ہم نے اوپر دیکھا کہ اس عہد میں باہر سے آئے تجارتی گروہ کے لوگوں نے بھاگلپور شہر کو اپنا تجارتی ٹھکانہ بنایا۔ ریلوے اور گنگا ندی کے کنارے بسے ہونے کی وجہ سے شہر کی تجارتی سرگرمیوں میں اور بھی تیزی آئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھاگلپور ایک اہم تجارتی شہر کی شکل میں ترقی کرنے لگا۔

بھاگلپور شہر میں اسٹیشن چوک سے خلیفہ باغ تک کا علاقہ راجستھان سے آئے مارواڑی فرقہ کا رہائشی علاقہ تھا۔ راجستھانی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مارواڑیوں نے اپنے گھروں کے باہر دکان کھول کر تجارتی سرگرمیوں کو شروع کیا۔ مارواڑیوں کے ساتھ دیگر دوسری ذاتیں اور فرقے جیسے درزی، موچی، نیل گر، رنگریز اور بساطی مسلمان بھی آئے۔

راجستھانی موچیوں کی دکان ہڑیا پٹی (شجاع گنج سے شمال جانب) میں تھی۔ یہ موچی چمڑے کے اوپر کشیدے کا کام بھی کرتے تھے۔ ان کے گھر اور دکان ایک ہی جگہ تھے۔ اسی ہڑیا پٹی میں مٹی کے برتنوں کی دکانیں بھی تھیں۔ مٹی کے برتن کا کام خاص طور سے مقامی کمہار ہی کرتے تھے۔ ہڑیا پٹی سے پورب طرف نیل گر اور انگریزوں نے شہر کے کوتوالی کے پاس اپنا بسیرا ڈال رکھا تھا۔ یہ لوگ کپڑا رنگنے کا کام کیا کرتے تھے۔ یہیں بساطیوں کے بھی گھر تھے۔ یہ بساطی کپڑوں پر گوٹا کناری اور بیل بوٹے کا کام کرتے تھے۔ عورتیں بندھیج کی چنری اور رنگنے کا کام کرتی تھیں۔ مہیری ٹولی، مسجد گلی اور تاتار پور میں بسے مینار لاٹ لاہ کی چوڑی بناتے تھے۔ کچوری گلی میں حلوائیوں کی دکانیں تھیں۔ سوناپٹی (شجاع گنج سے مغرب جانب) سوناروں کا محلّہ تھا۔ اس تجارت سے متعلق لوگ مقامی سونار اور راجستھان سے آئے مارواڑی بھی تھے۔ گنگا ندی کے کنارے واقع محلے، گولا گھاٹ، سرائے، منصور گنج (ریلوے اسٹیشن سے شمال جانب) اور میر جان ہاٹ (اسٹیشن سے جنوب جانب) میں غلہ کے بڑے بڑے گودام تھے۔ جہاں غلے کا تھوک اور کھدرا تجارت ہوتا تھا۔ میر جان ہاٹ سے سٹے گورہٹا میں گور کا کاروبار ہوتا تھا۔

بھاگلپور شہر کے بڑے تاجروں میں سب سے پہلے میسرس بھودرمل چنڈی پرساد کا نام سامنے آتا ہے۔ یہ راجستھان

سے بھاگلپور آئے تھے۔ اور اس خاندان کو بھاگلپور میں بسے ہوئے دو صدیوں سے زیادہ ہو گئے ہیں۔ یہ فرم بینکنگ، سونا، چاندی، غلہ، تسر اور ریشم کی تجارت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ میسرس بوہت رام رام چندر، میسرس شوبھا رام جورتی رام، میسرس جے رام داس، ہنومان داس، میسرس جانکی داس بیجناتھ، اور میسرس جیون رام رام چندر وغیرہ فرم بھاگلپور میں تھے۔ ان فرموں میں بینکنگ کمپنیوں کے بکری ایجنٹ ہڈی کے کام کے علاوہ سلک سوتی اونی کپڑے کرانہ اور غلہ اور تیل کا تھوک تجارت ہوتا تھا۔

بھاگلپور شہر کا سب سے مشہور صنعت تسر سلک کا کپڑا تیار کرنا تھا۔ یہ تجارت بہت پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے اس لئے اس شہر کو سلک سٹی بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں 1810ء میں تقریباً 3275 کرگھے چل رہے تھے۔ اس تجارت کا خاص مرکز چمپانگر اور ناتھ نگر محلہ تھا۔ تسر کا کو با بانکوڑہ، سنتھال پرگنہ اور گیا سے آتا تھا۔ جگدیش پور اور پورینی کے گاؤں میں دھاگا تیار کرنے کا کام ہوتا تھا۔ پھر دھاگہ ناتھ نگر اور چمپانر کے بنکروں کے گھر پہنچتا تھا۔ جہاں ہتھ کرگھے پر ریشم کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔

تصویر۔ 8 : پاورلوم پر کام کرتا ہوا ایک بنکر

پٹوا، مومن، جولاہا (سبھی مسلمان) تانتی (ہندو) ذاتیں خاص طور سے اس پیشے میں مصروف ہیں۔ ریشم اور سوت کی ملاوٹ سے بافتا تیار کیا جاتا تھا۔ یہاں کا تیار کپڑا یورپی ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ جہاں اس کی بہت مانگ تھی۔

> بافتا : بافتا ایک ہی رنگ کا ریشمی کپڑے کا ٹکڑا ہوتا ہے جسے بننے کے بعد رنگا جاتا ہے۔ اس کا ٹکڑا 20-22 ہاتھ لمبا اور 15-1 ہاتھ چوڑا ہوتا ہے۔

بھاگلپور ایک تجارتی شہر تھا۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

حکومت کا نظام

جب ہندوستان مین انگریزی حکومت مضبوط ہونے لگی توانگیزوں نے اپنی حکومت کومزید مضبوط بنانے کے لئے ملک میں ایک نئی حکومتی نظام کی بنیاد ڈالی۔اس وقت حکومتی شاخوں کے دفاتر شہروں میں واقع ہوتے تھے۔آیئے ہم بھاگلپور کے حکومتی انتظام کے ذریعہ سے انگریزوں کے ذریعہ ایک ضلع میں قائم حکومتی نظام کے بارے میں جانیں۔

1774ء میں بھاگلپور کوضلع بنایا گیاضلع کا سب سے بڑاافسر کلکٹر کہلاتا تھا۔ بھاگلپور ضلع کا پتلاکلکٹر کیووئلینڈ تھا۔کلکٹر کی مدد کے لئے ضلع کے دفتر میں ڈپٹی کلکٹر، سب ڈپٹی کلکٹر اور اسسٹنٹ کلکٹر ہوتے تھے۔ 1936 تک یہ ضلع چارسب ڈویژنوں (بھاگلپور، بانکا، مدھے پور، سپول) میں منقسم تھا۔سب ڈویژن کا سب سے بڑا فسر(ایس ڈی او) کہلاتا تھا۔

تصویر۔ 9 : بھاگلپورکلکٹریٹ

ضلع میں عدلیہ کا سب سے بڑا افسر ڈسٹرکٹ اورسیشن جج (ضلع اورسیشن جج) کہلاتا تھا۔ دیوانی مقدموں میں ان کی مدد کے لئے سب آرڈی نٹ جج اور منصف ہوتے تھے۔فوجداری مقدموں میں ضلع مجسٹریٹ اور ڈپٹی اور سب ڈپٹی مجسٹریٹ ان کی مدد کرتے تھے۔

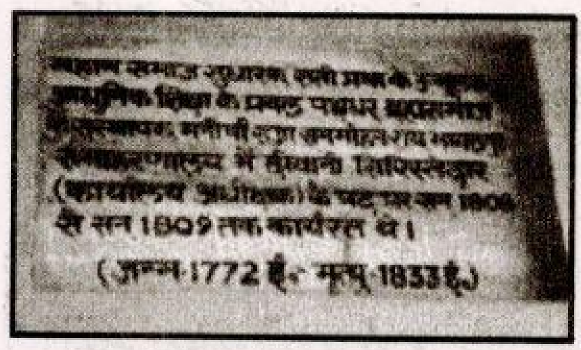

تصویر۔ 10

ضلع کے پولس شعبے کا سب سے بڑا افسر سپرنٹنڈنٹ آف پولس (ایس پی) کہلاتا تھا اس کے نیچے اسسٹنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ رہتے تھے۔ پولس کے کام کے لئے ضلع کو پچیس حصوں میں بانٹا گیا تھا یہ حصے تھانہ کہلاتے تھے۔ آزادی کے وقت تک بھاگلپور شہر کے اندر تین تھانے تھے۔ بھاگلپور شہر، بھاگلپور مفصل اور نگر تھانہ۔ تھانے کا بڑا افسر انسپکٹر یا سب انسپکٹر ہوتا تھا جسے داروغہ کہا جاتا تھا۔

بھاگلپور میونسپل کارپوریشن :

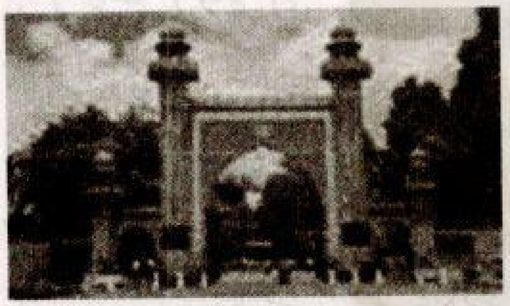

تصویر۔ 11 : بھاگلپور میونسپل کارپوریشن

دس مربع میل علاقہ میں پھیلے ہوئے بھاگلپور شہر کے میونسپل بورڈ کا قیام 1864ء میں ہوا تھا۔ عوام الناس کے ذریعہ منتخب اور سرکار کے ذریعہ نامزد نمائندوں کے ذریعہ اس کا انتظام ہوا تھا۔ میونسپل بورڈ میں بائیس ارکان ہوتے تھے جس میں سات ممبر نامزد، دس اور چودہ منتخب ہوتے تھے۔ اپنے حلقہ اثر میں شہر کی صفائی سڑک، پل، پینے کا پانی، تعلیم، صحت کی جواب دہی میونسپل بورڈ کے ذمہ تھا۔ شہر میں پینے کے پانی کی کمی کو دور کرنے کے لئے بھاگلپور میونسپل بورڈ کے ذریعہ 1887ء میں ایک ٹنکی کی تعمیر کی گئی۔ 97-1896ء میں اس کی توسیع چمپانگر اور ناتھ نگر کی طرف کی گئی۔ ٹنکی (حوض) کو بڑا بنانے کے لئے سرکار نے میونسپل بورڈ کو تین لاکھ روپے قرض دیئے تھے۔ 37-1936ء میں میونسپل بورڈ کی کل سالانہ آمدنی 5-4 لاکھ روپے تھی۔ بھاگلپور میونسپل بورڈ حلقہ کے تحت شہر کی کل آبادی 1872ء میں 65377 تھی جو 1931ء میں 83847 ہوگئی۔

تعلیمی وراثت :

بھاگلپور تعلیم کا اہم ترین مرکز تھا۔ مختلف عہد سے گزرتے ہوئے بھاگلپور نے اپنی تعلیمی شناخت کو قائم رکھا ہے۔ قدیم زمانے میں انتی چک وکرم شیلا یونی ورسٹی تھا۔ تو عہد وسطیٰ میں مولنا چک کا خانقاہ شہباز یہ ہوا کرتا تھا۔ برٹش عہد میں ابتدائی

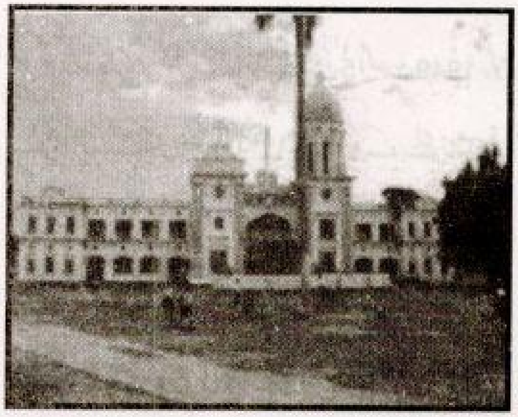

تصویر۔ 12 : سی ایم ایس ہائی اسکول

تعلیم، ہائر سکنڈری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے تبلیغ وتوسیع میں یہاں کے زمیندار بنگالی، مارواڑی، عیسائی فرقے کا اہم رول رہا ہے۔اس کے ذریعہ قائم کردہ تعلیمی ادارے آج بھی یہاں بھی یہاں تعلیمی وراثت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ سرکاری سطح 1832ء میں ضلع اسکول شروع کیا گیا۔ مارواڑی کنیا پاٹھ شالہ۔ بال سمبودھنی اسکول مارواڑیوں کی دین تھی۔ چرچ مشنری سوسائٹی (CMS) کے ذریعہ آدم پور میں ابتدائی اور ہائی اسکول 1854ء اور چمپانگر میں اقلیتی مڈل اسکول کو چلایا جاتا تھا۔مانک سرکار واقع درگا چرن پرائمری اسکول 1860ء اور ہائی اسکول 1937ء بنگالی فرقہ کے خدمات کی داستان سنا رہے ہیں۔اسی درگا چرن ابتدائی اسکول میں مشہور ناول نگار شرت چندر چٹوپادھیائے نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔شہر کے مقامی زمیندار تیج نرائن سنگھ نے 1883ء میں تیج نارائن جبلی کالجیٹ ہائی اسکول اور 1887ء میں تیج نرائن جبلی کالج قائم کیا۔دونوں ہی ادارے نیا بازار محلے میں چلا کرتے تھے۔بعد میں بنیلی اسٹیٹ کے ذریعہ بخشش کی شکل میں زمین اور روپیہ دیئے جانے کے بعد ان اداروں کے نام کے ساتھ بنیلی لفظ جڑ گیا آج بھی شہر میں تعلیم کے میدان میں اس کی ایک پہچان ہے۔کامرس کی تعلیم کی مانگ کو دیکھتے ہوئے شہر کے مارواڑی فرقہ کے ذریعہ 1941ء میں مارواڑی کالج قائم کیا گیا۔

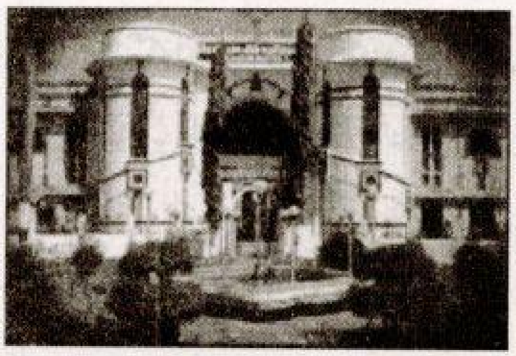

تصویر۔ 13 : ٹی این بی کالج

بھاگلپور میں خواتین کی تعلیم کی طرف بھی اہم ترین قدم اٹھائے گئے۔شری اروند گھوش کے والد شری کرشنا گھوش نے 1868ء میں موکچھدار بالیکا اسکول قائم کیا۔1868ء میں ہی زنانہ مشن اسکول بھی کھولا گیا۔خواتین کے اعلیٰ تعلیم کے لئے

موکچھدار بالیکا اسکول کے احاطے میں 5 اگست 1949ء کو مہیلا مہاودیالیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ بعد میں زمیندار نریش موہن ٹھاکر نے خنجر پور محلے میں عطیہ کی شکل میں کالج کے لئے زمین فراہم کرائی۔ اس لئے ان کی ماں کے نام پر اس کالج کا نام سندروتی مہیلا مہاودیالیہ ہوا۔

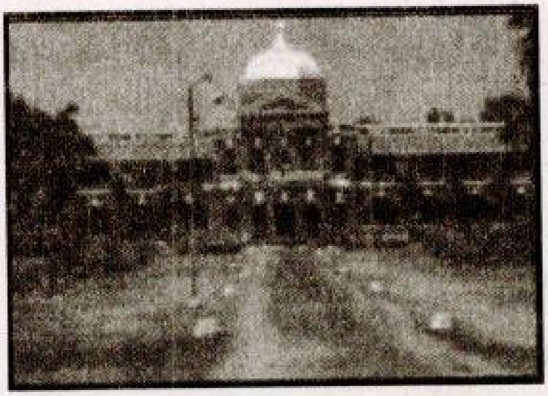

تصویر۔ 14: بہار کرشی کالج سبور، بھاگلپور

تکنیکی تعلیم کے میدان میں 1910ء میں سبور میں واقع بہار زراعتی کالج کی بنیاد اس وقت کے گورنر سر اینڈر یوفریزر نے رکھی تھی۔ اس کالج کی گنتی ایشیا کے اہم کالجوں میں ہوا کرتی تھی۔ اس سے زراعتی تعلیم کے میدان میں نئے پہلو قائم ہوئے روزگار سے متعلق تعلیم کے لئے 51-1947ء میں ناتھ نگر میں سلک انسٹی چیوٹ شروع کیا گیا تھا۔

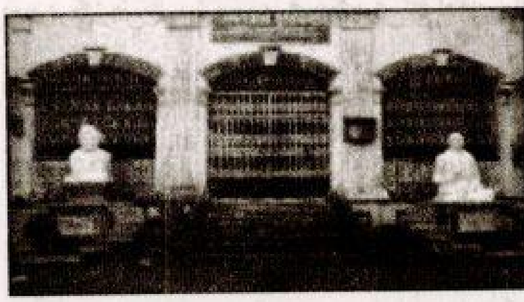

تصویر۔ 15 : بھگوان لائبریری

بھگوان لائبریری بھاگلپور اسٹیشن سے تقریباً ایک کیلومیٹر شمال گوشالہ کے نزدیک نیا بازار میں واقع ایک مشہور لائبریری ہے۔ یہاں ادب وسائنس کی کتابیں اور خطوط وغیرہ دستیاب ہیں۔

یہاں تعلیم کی توسیع میں کتب خانوں کا اہم کردار تھا۔ سبور میں واقع بہار زراعتی کالج، تیج نرائن بنیلی کالج، بھاگلپور کلکٹریٹ (سماہرنالیہ) بھگوان کتب خانہ، سرسوتی کتب خانہ اور بنگلہ انسٹی چیوٹ میں کتابوں کا اچھا ذخیرہ تھا۔

ثقافتی سرگرمیاں :

آزادی سے قبل بھاگلپور کی ثقافتی وراثت بھی کم اہم نہیں رہی ہے۔ اس پس منظر میں بھاگلپور کی ادبی وثقافتی سفر کا بیان اپنے آپ میں بہت دلچسپ ہے اگر ہم بھاگلپور کی ثقافتی سرگرمیوں کی بات کریں تو شہر میں کئی مشہور ومعروف ادباء، فنکار،

دستکار، موسیقی کار نغمہ نگار اور فوٹو گرافروں کی جماعت ملتی ہے۔

اس وقت بھاگلپور کے ادب پر بنگلہ ادب کا بہت زیادہ اثر تھا۔ شرت چندر چٹرجی ویبھوتی بھوشن اپادھیائے اور رابندر ناتھ ٹیگور جیسے لوگ بھاگلپور کا سفر کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت جس ادیب نے یہاں طویل مدت تک رہ کر اپنی تخلیق جاری رکھی وہ تھے بلائی چند مکھرجی، انہیں لوگ بن پھول کے نام سے جانتے ہیں۔ بھاگلپور کے ادیب اور رنگ کرمی رادھا کرشن سہائے نے ان کی تخلیقات کا بنگلہ سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ شرت چندر نے عہد ساز ناول دیوداس ویبھوتی بھوشن بندو پادھیائے نے پتھر پانچالی کی تخلیق بھاگلپور میں ہی رہ کر کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی مشہور تخلیق گیتا نجلی کے کچھ حصوں کو بھاگلپور میں ہی لکھا تھا جس کو ادب کا نوبل انعام ملا تھا۔

اس عہد میں بھاگلپور میں ہندی ادب بھی تخلیق کی جارہی تھی۔ ڈاکٹر رادھا کرشن نے بھاگلپور میں ساہتیہ گوشٹھی نام کا ادارہ بنایا۔ جلد ہی یہ ادارہ اس وقت بھاگلپور شہر کے ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ ہندی کے جن اہم تخلیق کاروں نے بھاگلپور کے فخر میں اضافہ کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر شیونندن پرشاد (طنز) ڈاکٹر شیوشنکر ورما (افسانہ نگار) اور جناردن پرشاد جھا دیپ وغیرہ اہم ہیں۔

بھاگلپور کا ناٹک کی تاریخ کوئی زیادہ پرانی نہیں ہے۔ بھاگلپور کی ادبی وراثت کو خوش حال کرنے میں شرت چندر نے خود کئی ڈرامے لکھے تھے۔ اور انہیں اسٹیج بھی (نمائش) کیا گیا تھا۔ وہ ڈرامے بھی جدید طرز و اسٹیج کے نہیں تھے۔ یہاں صرف تھیٹر یا ڈرامہ کی روایات کے تحت بنگالی سماج اہم رول نبھاتا تھا۔ اردھیندر بابو کے نام ایک شخص نے ہر سال کولکاتہ سے بھاگلپور آکر جاترا نام کے ڈرامے کی نمائش کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں ایک بار پرتھوی تھیٹر بھی بھاگلپور آیا تھا اور اس نے کئی ناٹک اسٹیج کئے تھے۔ ویسے شہر کی روایت کا پہلا ڈرامہ ہری کنج کی تخلیق بابری میراتھی جسے ہر کنج نے خود ہدایت کیا تھا۔ لیکن رنگ منچ کے آندولن کے کمرے میں جس نے بھاگلپور کے ناظرین کی توجہ اپنی طرف کھینچا تھا وہ ادارہ تھی۔ ابھینے بھاوتی۔

ہری کنج۔ بھاگلپور شہر کے ثقافتی رکن

1838ء میں ہری کنج نے بھاگلپور شہر میں ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے کے لئے چرن سنستھاؤں کی بنیاد ڈالنے میں خصوصی کردار ادا کیا۔ یہ ادارے میں ہندی یاترا پارٹی شرگورانگ، سنکرتن سمیتی، باگیشوری سنگیتا تنے اور چتر شالا۔ چتر شالا میں اس وقت کے مشہور ادیبوں، رنگ کرمیوں دستکاروں، رقص کاروں، موسیقی نگاروں، فوٹوگرافروں کا مجمع لگتا تھا۔ اس مجمع میں افسانہ نگار پھنیشور ناتھ رینو، قومی شاعر گوپال سنگھ نیپالی، قومی شاعر رام دھاری سنگھ دنکر، ادیب ڈاکٹر بچن، مختصر افسانہ نویس، بن پھول، بھارت رتن بسم اللہ خان رقاصہ ستارا دیوی، فلم ہیرو اشوک کمار جیسی ہستیاں شامل ہوتی تھیں۔

مذہبی مقام

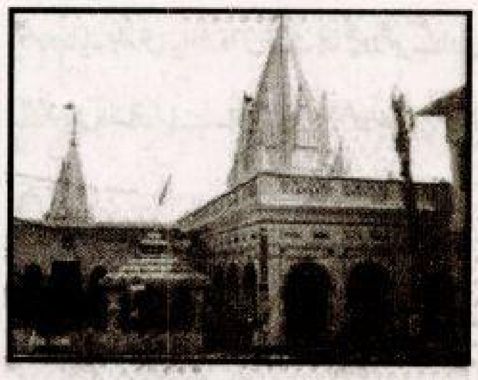

تصویر۔ 16 : بوڑھاناتھ مہادیو مندر

بھاگلپور شہر میں گنگا ندی کے جنوبی کنارے پر بوڑھاناتھ محلّہ میں بابا بوڑھاناتھ مہادیو مندر ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہ ہے۔ (تصویر پر نظر ڈالئے)۔ اس مندر کی تعمیر شنکر پور کے زمیندار بچھی نرائن سنگھ نے کروایا تھا۔ بابو موہن شاہ اور بابو رام کرشن بھگت نے مندر احاطے میں دو دھرم شالائیں بنوائیں تھیں جہاں مسافروں کو ٹھہرنے کا اچھا انتظام تھا یہاں چیت اور آسن نوراتر میں خصوصی تقریب ہوتی ہے۔ جس میں ہندو عقیدت مند بڑی تعداد میں حصہ لیتے تھے۔

جین مذہب کے بارہویں تیرتھنکر باسوپوجیہ کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے بھاگلپور شہر جینیوں کی مقدس زمین مانی جاتی تھی۔ شہر کے ناتھ نگر محلّہ میں دیگمبر جین مندر اور چمپانگر میں شوتمامبر جین مندر جینیوں کی عبادت گاہیں ہیں۔ مرا بو حکومت

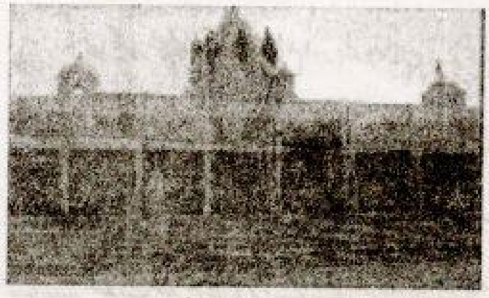

تصویر۔ 17 : ناتھ نگر واقع دگمبر جین مندر

کے زمین دار دھپت سنگھ نے تیرتھ یاتریوں کے ٹھہرنے کی سہولت کا خیال رکھتے ہوئے شوکتا مبر دھرم شالا کی تعمیر کر کے بڑی رواداری کا ثبوت دیا تھا۔ مارواڑی محلّہ میں جینیوں کے کئی مندر ہیں۔

تصویر۔ 18 : گھنٹہ گھر کے پاس واقع گرجا گھر

سکھ فرقہ کا عبادت خانہ نیا بازار اور خلیفہ باغ محلّہ میں واقع ہے۔ عیسائیوں نے 1845 میں گھنٹہ گھر کے قریب اور 1854 میں کرن گڑھ میں گرجا گھر کی تعمیر کی تھی۔

عوامی عمارت :

اگر آپ بھاگلپور کی عمارتوں پر ایک نظر ڈالیں تو انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی سے پہلے تعمیر شدہ قلعے، محل، مندر، مسجد، مقبرے اور انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں تعمیر شدہ سرکاری دفاتر، ٹاؤن ہال، عوامی ہاسپٹل، ریلوے اسٹیشن گھنٹہ گھر، چرچ کلب، اسکول کالج وغیرہ۔ یہ بھسون لوگوں کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ حکمرانوں اور مقامی زمینداروں کی پسند اور خواہشات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر پہلی بار استعمال میں لائے گئے لوہے اور سمنٹ کی وجہ سے ممکن ہو پایا۔ پہلے کی عمارتیں بالکل سادی ہوتی تھیں۔ بعد میں انگریزوں نے ہندو اور اسلامک طرز کے تعمیر کی تکنیک کے مجموعہ سے کچھ خوبصورت عمارتیں تعمیر کیں۔ انہوں نے کچھ قدیم عمارتوں کے نقل کرنے پر بھی غور کیا۔ اگر آپ ایسی کچھ قدیم عمارتوں کو دھیان سے دیکھیں تو ان میں یورپی اور ہندوستانی طرز تعمیر کا بڑا ہی دلچسپ تال میل نظر آئے گا۔ تعمیر عمارت، فن کے کچھ دلچسپ طرزوں کا مطالعہ باب گیارہ میں کریں گے۔ آیئے ہم بھاگلپور شہر کی سیر کرتے ہوئے عمارتوں کا جائزہ لیں۔

بھاگلپور شہر کا مرکزی مقام اور ہندوستان کے قدیم ریلوے اسٹیشن مین سے ایک ہے۔ جس کی وجہ سے بھاگلپور شہر تک خاص تجارتی مقام ہے۔ یہاں ای آئی آر (ایسٹ انڈین ریلوے) اور BNWR بنگال نارتھ ویسٹرن ریلوے کے اسٹیشن ہیں۔ اس کی شروعات 1862ء میں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں کی زندگی میں بڑی تبدیلیاں آئیں۔ تاجر اپنے کاروبار کے لئے عقیدت مند تیرتھ یاترا کے لئے افسران اپنے کام کے لئے اور دیگر لوگ روزگار کی تلاش میں سفر کرتے تھے آمد ورفت کے اس نئے ذریعہ کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔

تصویر۔ 19 : بھاگلپور ریلوے اسٹیشن

بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تقریباً تین کیلو میٹر شمال میں گنگا ندی کے کنارے واقع کمبو لینڈ ہاؤس کا شمار عظیم اور خوبصورت عمارتوں میں کی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر بھاگلپور کے پہلے ضلع کلکٹر کمبولینڈ کے ذریعہ 83-1780ء کے وسط میں کروائی تھی۔ اٹالین طرز میں تعمیر طرز میں تعمیر شدہ یہ عمارت ایک بلند ٹیلے پر بنا ہے۔ پہلے یہاں شہر کے مقامی زمیندار مہاشئے خاندان کے پریش ناتھ گھوش کی رہائش گاہ تھی۔ کمبولینڈ نے مہاشئے خاندان کو چوکی نعمت پور میں 84 بیگھہ زمین دے کر اسے اپنے قبضہ میں کرلیا اور اپنا رہائش گاہ بنایا۔ بعد میں یہ عظیم الشان عمارت ٹیگور خاندان کے ہاتھ میں چلی گئی گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے اسے اپنا مطالعہ گاہ بنایا اور گیتا نجلی کے کچھ حصے یہیں لکھے۔ بعد میں انہیں کے نام پر اس عمارت کو رابندر بھون کے نام سے جانا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں روندر بھون میں تلکا مانجھی یونی ورسٹی بھاگلپور کو تاریخ، ثقافت اور آثار قدیمہ کا شعبہ اور علاقائی مطالعہ مرکز اپنے کلاس کروائے ہیں۔

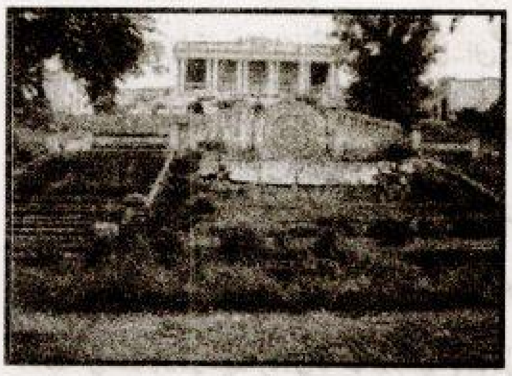

تصویر۔ 20 : کلیولینڈ ہاؤس

تصویر۔ 21 : گھنٹہ گھر

انیسویں صدی کی ابتدا میں وقت دیکھنے کا یوروپی طریقہ انگریزی حکومت کے ہندوستان میں بھی نافذ کیا گیا۔ اب کام کرنے کا یوروپی نظام الاوقات (۱۰ بجے سے شام پانچ بجے تک) ہندوستان میں بھی اپنا لیا گیا تھا۔ لوگ دیر سے آنے کے کوئی بہانے نہیں بنا سکیں۔ اس کے لئے عوامی مقامات پر گھنٹہ گھر بنائے گئے اس میں چاروں طرف ڈائل ہوتے تھے۔ تاکہ لوگ دور اور کسی بھی جانب سے گھڑی کو دیکھ سکیں۔ یہی نہیں لوگوں کو وقت کی جانکاری دینے کے لئے ان گھنٹہ گھروں سے متعینہ وقت کے بعد گھنٹے کی آواز بھی ہوتی تھی۔ بھاگلپور شہر کا گھنٹہ گھر چوک ایک مثال تھا۔

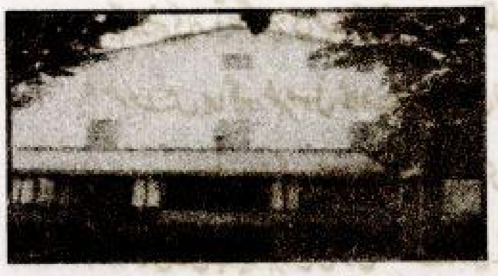

تصویر۔ 22 : ٹاؤن ہال

بھاگلپور ریلوے اسٹیشن سے تین کیلومیٹر شمال کی طرف لاجپت پارک کے قریب واقع بیسویں صدی کے شروع میں تعمیر شدہ ٹاؤن ہال کی عمارت ہے یہاں عوامی جلسے منعقد کیے جاتے تھے۔

تصویر۔ 23 : اسٹیشن کلب، سینڈس کمپاؤنڈ

بھاگلپور کچہری احاطے کے قریب سوامی دویکانند پتھ پر واقع سنلیش کمپاؤنڈ میدان ایک عوامی پارک تھا۔ اس کا نام بنیلی اسٹیٹ کے مینجر ڈسنیڈس کے نام پر رکھا گیا۔ اس کمپاؤنڈ کے بھیتر انگریز انتظامی افسران نے تفریح اور موج مستی کے لئے اسٹیشن کلب کی تعمیر کی۔ آپ تصویر میں کلب کی بدحالی کو دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کسی شہر کے تعلیمی، مذہبی عوامی اور سرکاری عمارت کی ایک فہرست بنائیں اور معلومات حاصل کریں کہ ان کی تعمیر کب ہوئی؟ آپ یہ بھی بتائیں کہ اس کا استعمال کس کام کے لئے کیا جاتا ہے؟

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح یا غلط بتائیں :

(i) بھاگلپور شہر کی ترقی انگریزی عہد کے شہروں سے مختلف روایتی شہروں کی شکل میں ہوئی۔

(ii) مسلم عہد میں بھاگلپور شہر صوفی ثقافت کا مرکز نہیں تھا۔

(iii) انیسویں صدی میں بھاگلپور میں بنگالی اور مارواڑی فرقہ کی آمد ہوئی۔

(iv) ہندوستان میں جدید شہروں کی ترقی صنعت کاری کے ساتھ ہوئی۔

(v) پریزیڈنسی شہروں میں گورے اور کالے لوگ الگ الگ علاقوں میں رہتے تھے۔

2. درج ذیل کے جوڑے بنائیں۔

(الف) پریزیڈنسی شہر	بریلی، جمال پور
(ب) ریلوے شہر	بمبئی، کلکتہ، مدراس
(ج) صنعتی شہر	کانپور، جمشید پور

3. خالی جگہوں کو بھریں:

(الف) بھاگلپور میونسپل بورڈ کا قیام.................... میں ہوا تھا۔

(ب) بھاگلپور میں سلک کپڑا کے پیداوار کا مرکز............اور............تھا۔

(ج) بھاگلپور میں ثقافتی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے والے خاص ثقافت کار..............تھے۔

(د) ریلوے اسٹیشن کچے مال کا.....................اور درآمد سامان کا..............تھا۔

(ہ) عہد ساز ناول.....................کی تخلیق شرت چندر چٹو پادھیائے نے کی تھی۔

آیئے غور کریں :

(i) شہر بننے کا مفہوم کیا ہے؟

(ii) اٹھارہویں صدی میں نئے شہری مرکز کی ترقی کے مرحلوں پر روشنی ڈالئے۔

(iii) دیہاتی اور شہری معاشی نظام کے فرق کو واضح کیجئے۔

(iv) بھاگلپور شہر ایک تجارتی اور ثقافتی شہر تھا کیسے؟

(v) بھاگلپور کو سلک سیٹی (ریشمی شہر) کہا جاتا ہے کیوں؟

(vi) شہروں کے سماجی پس منظر کو سمجھائیں۔

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) آپ اپنے صوبہ کے کسی شہر کی تاریخ کا پتہ لگائیں اور شہر کی وسعت اور آبادی کے بسنے کے بارے میں بتائیں۔ ساتھ ہی شہر میں چلنے والے تجارتی، تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کے بارے میں جانکاری دیں۔

باب-11

فن کے میدان میں تبدیلی

ہندوستان کی ثقافت خوشحال اور متضاد ہے۔ قدیم اور عہد وسطیٰ کی تاریخ کے مختلف ادوار میں ہندوستان کے لوگوں نے نقاشی، فن تعمیر، رقص، موسیقی اور ادب کے میدان میں کئی اہم حصولیابیاں حاصل کی تھیں۔ اٹھارہویں صدی میں ملک کے اندر سیاسی انحطاط کا دور چل رہا تھا۔ بادشاہوں اور نوابوں کی حالت ابتر اور مالی نقطۂ نظر سے کمزور ہوگئی تھی۔ نتیجہ کے طور پر فنکار اور ادیب سرکاری تحفظ و سرپرستی سے محروم ہوگئے۔ ہر طرف ثقافتی زوال کی علامت دکھائی دے رہی تھی۔ پلاسی کی جنگ کے بعد جو نئی برٹش قوت ابھر رہی تھی۔ اس کا اثر ملک کی زندگی کے کئی پہلوؤں پر پڑ رہا تھا۔ اس دوران فن کے میدان میں ہندوستانی اور یوروپی طرز ایک دوسرے کے قریب آئے۔

اس باب میں ہم اس بات کا مطالعہ کریں گے کہ برٹش فن کے تحت نقاشی فن تعمیر اور ادب کے میدان میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کو ہم برٹش عہد اور قومیت سے جڑنے کے پس نظر میں دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

برٹش فن:

برٹش فن (سامراجی فن) میں کئی یوروپی فنکار انگریز تاجروں اور افسران کے ساتھ ہندوستان آئے اور ان کی سرپرستی میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ یہ فنکار نقاشی کی نئی طرز، موضوعات، روایات اور تکنیک کو ہندوستان میں شروع کیا۔ ان کے ذریعہ بنائے گئے تصاویر کو یوروپ کے ملکوں میں کافی مقبولیت ملی۔ کیونکہ ان تصاویر کے ذریعہ سے انہیں غیر ممالک میں ہندوستان کے عکس کو دکھانے کا موقع ملا۔

یوروپی نقاش حقیقت پسندی کے نقطۂ نظر کو لے کر ہندوستان آئے۔ یہ نقطۂ نظر اس خیال پر مبنی تھا کہ فنکار اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اسے اسی شکل میں تصویر کشی کرنی چاہئے۔ تاکہ تصویر حقیقی اور اصلی نظر آئے۔ یہ فنکار نقاشی کے ایک نئی تکنیک کو

ہندوستان میں لائے۔ ان کے ذریعہ بنائے گئے مختلف موضوعات کی تصویروں میں برٹش ثقافت کی برتری کو دکھایا گیا ہے۔ آیئے ہم برٹش عہد کی نقاشی کے کچھ پہلوؤں کا مطالعہ کریں۔

ہندوستان کے زمینی مناظر کی تصویر کشی:

چند برٹش نقاشوں نے ہندوستان کے زمینی مناظر کی تلاش میں مختلف علاقوں کے سفر کیے دراصل یہ نقاش ہندوستان کو ایک پسماندہ اور قدیم ملک ثابت کرنے کے لئے یہاں کی ثقافتی تضادات کو دکھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے انگلینڈ کے ذریعہ ہندوستان میں جیتے گئے علاقوں کی کچھ دل پذیر تصاویر بنائیں۔

تصویر۔ 1 : ٹامس ڈینیل کے ذریعہ بنایا گیا غازی پور میں گنگا کے کنارے واقع کھنڈر تصویر (1791ء)

تصویر۔ 2 : ٹامس ڈینیل اور ولیم ڈینیل کے ذریعہ بنایا گیا کلکتہ واقع کلائیو اسٹریٹ (1786ء)

تصویر۔ا پر نظر ڈالیئے۔ اس تصویر میں گزرے زمانے کی ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے کھنڈرات نظر آرہے ہیں۔ اس میں ایک ایسی تہذیب کے باقیات دکھائے جارہے ہیں جو اب زوال کی طرف گامزن ہے۔ تصویر۔۲ کو دیکھئے اس میں چوڑی سڑکیں اور پرانی طرز میں بنائی گئی عظیم الشان عمارتیں دکھائی دے رہی ہیں۔ تصویر۔ا اور ۲ کو دیکھنے پر آپ کو کوئی فرق نظر آتا ہے؟ ہاں ان میں ہندوستان کی روایتی زندگی اور برٹش حکومت کے تحت ہندوستانی زندگی میں فرق کو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تصویر۔ا میں ہندوستان کی روایتی زندگی کو زوال پذیر اور ساکن دکھایا گیا ہے۔ جبکہ تصویر۔۲ برٹش حکومت کے تحت ہندوستان کے جدیدیت کا عکس دکھایا گیا ہے۔ ڈینیل حضرات کے ذریعہ تیار کی گئی تصویروں کے البم کو لوگ بڑی تجسس کے ساتھ خریدتے تھے کیونکہ وہ ہندوستان میں برٹش حکومت کو جاننا چاہتے تھے۔

> بنائی گئی تصویر۔۔ لکڑی یا دھات کے چھاپے سے کاغذ پر بنائی گئی تصویر۔
> البم۔۔ تصویر رکھنے کی کتاب

مجسمہ سازی :

مجسمہ سازی۔ کسی شخص کی ایسی تصویر جس میں اس کے چہرے اور نقل وحرکت پر خاص زور دیا گیا ہو۔ کرنچ گاڑھا یا موٹا کپڑا جس پر تصویر کندہ کی جاتی ہے۔

برٹش عہد میں نقاشی کی ایک اہم اور مقبول طرز مجسمہ سازی (جسم کی تصویر کشی) تھی۔ ہندوستانی راجے رجواڑے اور برٹش لوگ اپنی طاقت، حکومت اور دولت کے مظاہرہ کرنے کے لئے کرنچ پر اپنی تصویریں بنواتے تھے۔ قبل کے زمانے میں تصویر کا عکس چھوٹے سائز میں بنایا جاتا تھا لیکن برٹش عہد میں بناء گئے مجسمے آدم قد ہوتے تھے۔

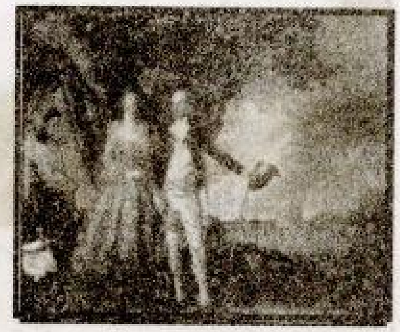

تصویر ۔ 3.4 : یوہان جوفنی کے ذریعہ بنائی گئی تصویر (1784ء)

مجسمہ سازی کی طرز کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کئی یورپی مصور کام کی تلاش میں ہندوستان آئے۔ 1780ء میں ہندوستان یورپی مصور یوہان جوفنی کے ذریعہ بنایا گیا۔ تصویر۔۳ اور ۴ مجسمہ سازی کی کچھ مثالیں ہیں۔ ان تصویروں میں ہندوستانی نوکروں کو اپنے انگریز مالکوں کی خدمت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان میں ہندوستانیوں کی حیثیت کو ذلیل حقیر اور کمتر دکھانے کے لئے دھندلے پس منظر کا استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ انگریز مالکوں کو برتر ثابت کرنے کے لئے انہیں قیمتی لباس پہنے رعب دار اور شاہی انداز میں دکھایا گیا ہے۔

انگریزوں کی دیکھا دیکھی کئی ہندوستانی اور نواب نے بھی یورپی فنکاروں سے اپنی آدم قد مجسمے بنوائے۔ جارج ولیم کے ذریعہ بنایا گیا تصویر۔۵ آرکاٹ کے نواب محمد علی خان کا آدم قد مجسمہ ہے۔ تصویر کو دیکھنے سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نواب

تصویر۔ 5 : جارج ولسن کے ذریعہ بنائی گئی آرکٹ کے نواب **محمد علی** خان کی تصویر (1775ء)

نے اپنے شاہی رعب و داب کو کس طرح ظاہر کیا ہے جبکہ نواب انگریزوں سے شکست کھا کر ان کے پنشن یافتہ بن چکے تھے۔ کیونکہ یہ انگریزوں کی ثقافتی برتری کو قبول کرتے ہوئے ان کے طرز اور روایات کو اپنانا چاہتے تھے۔

تاریخی واقعات کی تصویر کشی

برٹش کی نقاشی کا ایک دیگر طرز تواریخ کی تصویر کشی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی فتح برٹش نقاشوں کے لئے نقاشی کا ایک اہم موضوع تھا۔ تصویر۔٦ اور ٧ تاریخی واقعات پر بنی نقاشی کی مثال ہے۔ باب۔٢ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انگریزوں نے پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ کو ہرا کر میر جعفر کو مرشد آباد کا نواب بنایا تھا۔ تصویر۔٦ میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں میر جعفر اور اس کے فوجیوں کے ذریعہ پلاسی جنگ کے بعد لارڈ کلایو کا استقبال کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

تصویر۔ 6 : فرانسیسی ہیمن کے ذریعہ بنائی گئی تصویر (1762ء)

تصویر۔٧ میں سری رنگا پٹنم کے اس مشہور لڑائی کو دکھایا گیا جس میں میسور کے حکمراں ٹیپو سلطان کی بری طرح شکست ہوئی تھی۔ تصویر میں جنگ کے مناظر کو آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں انگریزی فوجی ٹیپو کے فوجیوں کا قتل عام کر رہی ہے اور ٹیپو

تصویر۔ 7 : روبر کیر پوٹر کے ذریعہ بنائی گئی تصویر (1800ء)

کے قلعے پر برٹش جھنڈے کو لہرا رہی ہے۔ برٹش مصوروں کے ذریعہ ایسے تصاویر بنانے کے پیچھے مقصد یہ تھا کہ وہ انگریزوں کو طاقتور ثابت کرسکیں تاکہ انگریزوں کی جیت کا اثر عوام کے دلوں میں باقی رہے۔

بعد کے مصوروں نے انگریزوں کی برتری کو ظاہر کرنے کے لئے نقاشی کے کون سے موضوع، طرز اور روایت کو اپنایا۔ درجہ میں اس کا تذکرہ کیجیے۔

درباری فن کار اور مقامی فنکار

ہندوستانی شاہی درباروں کی سرپرستی میں کام کرنے والے مقامی فنکاروں نے سامراجواری فن کے طرز کو کس طرح چیلنج دیا آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف درباروں میں موجود مقامی فنکار نقاشی کے طرز کے رجحانوں کو کس طرح ظاہر کررہے تھے۔

تصویر۔ 8 : سرینگاپٹم واقع دریا دولت محل کی دیوار پر درباری مصور کے ذریعہ بنائی گئی بھتی تصویر

میسور کے حکمراں ٹیپو نے انگریزوں کو ثقافتی روایات کی مخالفت کرتے ہوئے مقامی طرز اور روایات کو تحفظ عطا کیا۔ ان کے محل کی دیواریں مقامی فنکاروں کے ذریعہ بنائے گئے اندرونی تصاویر سے سجے ہوئے تھے۔ تصویر۔ ۸ میں ایک اندرونی تصویر دکھائی دے رہی ہے اس اندرونی تصویر میں پولیلور کی

بھتی تصویر
دیوار پر بنائی گئی تصویر

مشہور لڑائی کے منظر کو دکھایا گیا ہے جس میں میسور کی فوج نے انگریزوں کو بری طرح ہرایا تھا۔

مرشد آباد ریاست میں مقامی فنکاروں کو انگریزوں کے طرز اور روایت کو سیکھنے کے لئے حوصلہ افزائی کی جارہی تھی۔

تصویر۔۹ میں ایک جلوس کی تصویر ہے مقامی فنکار کے ذریعہ بنائی گئی اس تصویر میں تناظر کے اصول کا استعمال کیا گیا ہے اس تصویر میں نزدیک اور دور والی چیزوں کے بیچ دوری کو واضح کرنے کے لئے روشنی اور سائے کا استعمال کیا گیا ہے۔

تصویر۔ 9 : مرشد آباد میں مقامی فنکاروں کے ذریعہ بنائی گئی عید کے جلوس کی تصویر

ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوجانے کے بعد مقامی ریاستوں کے راجے رجواڑے اور نواب کی حالت ایسی نہیں رہ گئی تھی کہ فنکاروں کو اپنے دربار کی خدمت میں رکھ سکیں۔ ایسی صورت میں مصور بھی کام کی تلاش اور روزی روٹی کے لئے انگریزوں کی پناہ میں جانے لگے۔ ہندوستان میں آئے انگریز افسران اور تاجر بھی ایسی تصویریں بنوانا چاہتے تھے۔ تا کہ وہ ہندوستان کو سمجھ سکیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مقامی فنکاروں نے پودوں، جانوروں تاریخی عمارتوں، مذہبی تیوہاروں، تجارتوں، ذات اور فرقوں کی تصویر بنانے لگے۔ ان تصویروں کو کمپنی تصویر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

کئی مقامی فنکار ایسے بھی تھے جو راج دربار کے اثرات سے آزاد مقامی ماحول میں نقاشی کی آزاد طرز اور روایت کے رجحانوں کو ظاہر کررہے تھے۔ ایسی ہی طرزوں میں بہار کی 'مدھوبنی پینٹنگ' ایک خاص طرز نقاشی ہے۔ اس میں فطری مذہب اور سماجی قدروں کے تصاویر کو دیہاتی پس منظر میں بنایا جارہا تھا۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مدھوبنی پینٹنگ کے فنکار دیہات کے عوامی نقاشی کے رجحانوں کو کس طرح ظاہر کررہے ہیں۔

مدھوبنی پینٹنگ

اس عوامی عہد کی طرف محبان فن اور دور بین نگاہوں کی توجہ اس وقت ہوئی جب 1942ء میں لندن کی آرٹ گیلری میں مدھوبنی پینٹنگ کی نمائش کی گئی۔ مدھوبنی نقاشی پورے طور پر ایک خواتین نقاشی طرز ہے۔ وہ اس نقاشی کو نسل در نسل وراثت کی شکل میں چھوڑتی گئیں۔ اس طرح گھر کی دیواروں اور آنگن کے فرش سے کپڑوں اور کاغذ پر اس کا تبادلہ ہوتا گیا۔ دیگر عوامی فنون کی طرح مدھوبنی نقاشی بھی مختلف تیوہار شادی اور خاندانی تقریبات کے ساتھ جڑی ہے۔

مدھوبنی نقاشی کی دو شکلیں ہیں۔ دیواروں پر تصویر اور زمین پر تصویر (تصویر-۱۰)

دیوار کی تصویروں میں دیوی دیوتاؤں، رادھا کرشن کی لیلا رام سیتا کی کہانیوں کی تصویروں کو خاص طور سے دکھایا گیا ہے۔ شادی کے موقع پر گھر کے باہر اور اندر کی دیواروں پر نفسیات سے متعلق تصاویر اور جانور اور پرندوں کے تصاویر کو علامت کی شکل میں تصویر کشی کی جاتی ہے۔

زمین پر کی تصویرون میں آنگن یا چوکھٹ کے سامنے زمین پر بنائے جانے والے تصاویر ہیں۔ انہیں بنانے میں پیسے ہوئے چاول کو پانی اور رنگ میں ملایا جاتا ہے۔ زمینی تصویروں کے تحت انسان جانور، پرندہ، درخت، پھل پھول، چراغ وغیرہ کی تصویروں کو بنایا جاتا ہے۔

مدھوبنی طرز کی تصاویر میں تصویری سامانوں کو محض علامتی شکل دی جاتی ہے۔ پہلے کی تصویر خاص طور سے دیواروں اور فرشوں پر بھی بنائے جاتے تھے مگر کچھ سالوں سے کپڑے اور کاغذ پر بھی تصویر کشی کا رجحان کافی بڑھا ہے۔ تصویر کشی کے سامان کے نام پر بانس کی کوچی اور مختلف قسم کے فطری رنگ ہوتے ہیں۔ زیادہ تر رنگ پودوں سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

اس نقاشی کے خاص فنکاروں میں سیا دیوی، کوشلیا دیوی، سنیتی کلا دیوی، گنگا دیوی، بھگوتی دیوی وغیرہ کے نام لئے

جاسکتے ہیں۔حصول آزادی کے بعد یہ نقاشی اپنے مقامی ماحول کے حدود کو پار کرتے ہوئے ملک اور غیر ممالک میں کافی مقبول ہوئی ہیں اوراس کی نمائشیں لگائی گئیں۔جاپان کے تو کاماچی شہر میں مدھوبنی پنٹنگ کا میوزیم بنایا گیا ہے۔

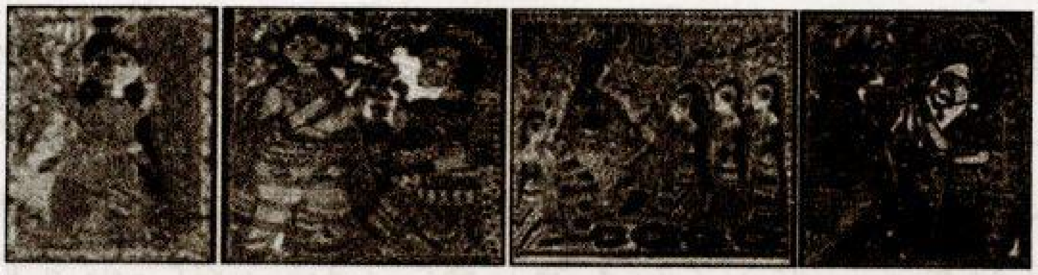

تصویر۔ 10 : مدھوبنی پینٹنگ

قومی نقاشی طرز :

تصویر۔ 11 : راجا روی ورما کے ذریعہ بنائی گئی تصویر

انیسویں صدی کے آخری عشرے اور بیسویں صدی کی ابتداء میں عوام الناس کی تصویروں میں قومیت کے پیغام دیئے جانے لگے تھے۔راجا روی ورماان نقاشوں میں سے ایک تھے جنہوں نے قوم پرستی سے متعلق طرز کو ترقی دینے میں اہم خدمات انجام دیں۔انہوں نے مجسمہ سازی کے یورپی فن کے طرز کو اپنی نقاشی کا بنیاد بنایا۔ انہوں نے رامائن، مہابھارت اور اساطیری کہانیوں کے ڈرامائی مناظر کو کرچ پر تصویر کشی کیا۔ان کے ذریعہ بنائے گئے تصاویر محبان فن کے درمیان کافی مقبول ہوئے۔تصویروں کے تیئں لوگوں کے کشش کو دیکھتے ہوئے راجا روی ورما نے بمبئی میں پرنٹنگ پریس لگوائی یہاں ان کے ذریعہ بنائی گئی تصویروں کی چھپائی بڑی تعداد میں ہونے لگی۔اب عام لوگ بھی سستے قیمت پر ان کی تصویروں کو خرید سکتے تھے۔

موڈرن اسکول آف آرٹس (فنکاروں کا جدید شعبہ) :

انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو مغربی تعلیم سے مستفیض کرنے کے تعلیمی پالیسی کے تحت سرکار نے کلکتہ، بمبئی، مدراس اور لاہور میں آرٹ اسکول قائم کیا۔ ان اسکولوں میں فن کے جدید طریقوں کو ہی مطالعہ کے موضوع کی شکل میں رکھا گیا تھا۔ ای دی ہیول مدراس اسکول آف آرٹس مین فن کے استاد تھے۔ انہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور کی مدد سے ہندوستانی مصوروں کا ایک الگ گروہ بنایا جنھیں فنکاروں کا جدید شعبہ کہا گیا۔ بنگال کے قوم پرست فنکاروں کی جماعت ان کے ساتھ جڑنے لگے۔ اس جماعت کے فنکاروں نے موضوعات کے انتخاب اور تکنیک میں اجنتا کے دیوار کے تصویروں، عہد وسطیٰ کی چھوٹی تصویروں اور ایشیائی فن کے تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے والے جاپانی فنکاروں سے سبق حاصل کیا۔

ایشائی فن تحریک

جاپانی فنکار راوکا کورا اکا کو نے جاپانی فن پر تحقیق کی اور ایک ایسے وقت میں جاپانی فن کے روایتی تکنیک کو بچانے کی ضرورت پر زور دیا کہ مغربی طرز کی وجہ سے خطرے میں پڑتی جارہی تھی۔ انہوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ جدید فن کیا ہوئی ہے اور روایتوں کو باقی رکھنے اور جدت پسند بنانے کے لئے کیا کیا جانا چاہئے وہ جاپان فن اکیڈمی کے بانی صدر تھے اور کاکورا نے شانتی نکیتن کا بھی دورہ کیا تھا۔ روندر ناتھ ٹیگور اور واونندر ناتھ ٹیگور پران کا گہرا اثر تھا۔

تصویر۔١٢ کو دیکھئے۔ رویندر ناتھ ٹیگور کے ذریعہ بنائے گئے اس تصویر میں راجپوت گھریلو تصویر کے طرز کا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ تصویر۔١٣ میں دھندلے پس منظر میں ہلکے رنگوں کے استعمال کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس تصویر کے طرز میں جاپانی فنکاروں کے اثرات واضح طور سے ظاہر ہورہے ہیں۔ تصویر۔١٤ نندلال بوس کے ذریعہ بنایا گیا ہے اس تصویر میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ نندلال بوس نے اپنی تصویر میں سہ جہتی (تین پہلو) اثر پیدا کرنے کے لئے سایہ کا استعمال کیا ہے۔ نندلال بوس کے اس تصویر میں اجنتا کے تصویری طرز کے اثر کو صاف دیکھا جاسکتا ہے۔

تصویر۔12:
میری ماں، اوننددر ناتھ ٹیگور کے ذریعہ بنائی گئی تصویر

تصویر۔13: کالیداس کی نظم اوننددر ناتھ کے ذریعہ بنائی گئی تصویر۔ یہ طرز جاپانی جل رنگ کی تصویروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تصویر۔14: جاتو گروداہ (پانڈووں کی منتقلی کے دوران لکشا گرہ کے جلنے کی تصویر) نند لال بوس کے ذریعہ بنائی گئی۔ اجنتا کی آرٹ کی طرز سے متاثر۔

بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کے بعد فنکاروں کی ایک الگ جماعت نے اوننددر ناتھ کے طرز فن سے مختلف خیالات کو پیش کیا۔ اس گروہ کے فنکاروں کا عقیدہ تھا کہ فنکاروں کو قدیم فن کی شکلوں کے بجائے عوامی فن اور قبائلی فن کے طرز سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ جیسے جیسے یہ بحث آگے بڑھتا رہا ویسے ویسے فن کے نئے طرز اور روایات کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔

— برٹش عہد کی نقاشی اور قوم پرستی کی نقاشی میں فرق واضح کریں۔

— درجہ سات کے باب۔۸ میں منقش چھوٹی تصویروں کو دیکھ کر تصویر۔۱۲ کا موازنہ کیجئے۔

کیا آپ کو یکسانیت یا عدم یکسانیت نظر آتی ہے؟

تعمیر عمارت کی نئی طرز اور نئی عمارتیں

جب ہندوستان میں برٹش حکومت کو استحکام حاصل ہوا۔ تب بنیادی طور پر دفاع، انتظامیہ رہائش اور تجارت جیسی ضروریات کی تکمیل کے لئے عمارتوں کی ضرورت پیش آنے لگی۔ انیسویں صدی سے شہروں میں بننے والی عمارتوں میں قلعے، سرکاری دفاتر، تعلیمی ادارے، مذہبی عمارتیں اور تجارتی عمارت وغیرہ خاص تھیں۔ یہ عمارتیں انگریزوں کی برتری، اختیار، حکومت کی علامت اور ان کی قوم پرستی کے خیالات کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ اس سوچ کو انگریزوں نے کس

طرح عملی جامہ پہنایا۔

عوامی عمارات کے لئے موٹے طور پر تین فن تعمیر کے طرز کا استعمال کیا گیا۔ ان میں سے ایک طرز کو گریکو۔ رومن طرز تعمیر کہا جاتا تھا۔ بڑے بڑے ستونوں کے پیچھے اقلیدسی بناوٹ اور گنبد کی تعمیر اس طرز کی خصوصیت تھی۔ (آپ تصویر۔۱۵ کو دیکھیں)۔ یہ طرز بنیادی طور سے قدیم روم کی تعمیر عمارت طرز سے نکلی تھی۔ جسے یورپی بیداری کے دوران دوبارہ زندہ کیا گیا۔ انگریزوں نے اس طرز کا استعمال ہندوستان میں شاہی شان وشوکت کے اظہار کے لئے کیا تھا۔

تصویر۔ 15 : سنٹرل پوسٹ آفس کلکتہ

ایک اور طرز جس کا کافی استعمال کیا گیا وہ گاتھک طرز تھا۔ اونچی اٹھی ہوئی چھتیں، نوک دار محرابیں باریک سجاوٹ اس طرز کی خصوصیت تھی۔ گاتھک طرز کا استعمال سرکاری عمارتوں تعلیمی اداروں اور گرجا گھروں میں بڑے پیمانے پر کیا گیا۔

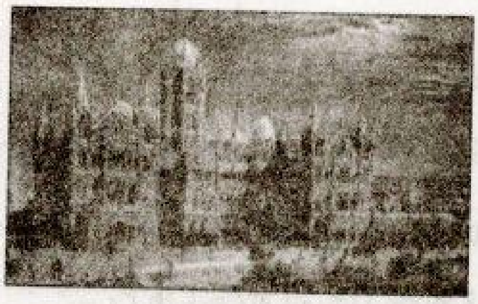

تصویر۔ 16 : وکٹوریہ ٹرمنس ریلوے اسٹیشن بمبئی

انیسویں صدی کے آخر میں اور بیسویں صدی کے آغاز میں ایک نئی مشترک طرز تعمیر کو فروغ ہوا جس میں ہندوستانی اور یوروپی طرزوں کے عناصر موجود تھے۔ اس طرز کو انڈو سارا سینک طرز کا نام دیا گیا تھا۔ انڈو لفظ ہندو کا مختصر شکل تھا جبکہ سارا سین لفظ کا استعمال یورپ کے لوگ مسلمانوں کو مخاطب کرنے کے لئے کرتے تھے۔

تصویر۔ 17 : مدراس لاء کورٹ

ہندوستان میں عہد وسطی کی عمارتوں گنبدوں

چھتریوں، جالیوں اور محرابوں سے یہ طرز متاثر تھی۔ ہندوستانی طرز کی آمیزش سے انگریز یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ یہاں کے قانونی اور فطری حکمراں ہیں۔

یورپی ڈھنگ کی دکھنے والی عمارتوں سے برٹش مالکوں اور ہندوستانی عوام کے درمیان فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ شروعات میں یہ عمارتیں روایتی ہندوستانی عمارتوں کے مقابلے عجیب سی دکھائی پڑتی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ہندوستانی بھی یورپی فن تعمیر کے عادی ہوگئے اور انہوں نے اسے اپنالیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے اپنی ضروریات کے مطابق کچھ ہندوستانی طرز کو

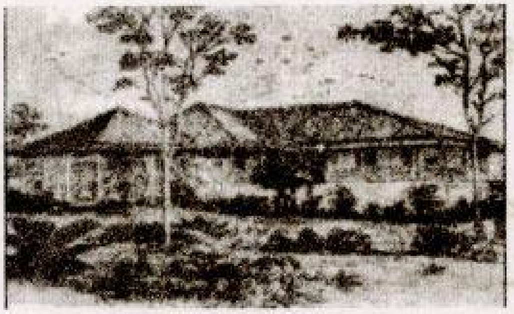

تصویر۔ 18 : انیسویں صدی کا ایک بنگلہ

اپنالیا اس کی ایک مثال ان بنگلوں کو مانا جاسکتا ہے جسے پورے ملک میں سرکاری افسران کی رہائش کے لئے بنایا جاتا تھا۔ بنگال کے روایتی پھوس کی بنی جھونپڑی کو انگریزوں نے اسے اپنی ضروریات کے مطابق بدل دیا تھا۔ انگریزوں کا بنگلہ ایک بڑی زمین پر بنا ہوتا تھا روایتی ڈھلواں چھت، چاروں طرف بنا برآمدہ اور اس کے پیچھے گھر بنا ہوتا تھا۔ بنگلے کے احاطے میں گھریلو نوکروں کے لئے الگ سے کوارٹر ہوتے تھے۔

آپ اپنے گاؤں، قصبہ اور شہر میں واقع عمارتوں کی ایک فہرست بنائیں اور یہ بتائیں کہ ان کی تعمیر کس فن تعمیر میں ہوئی ہے۔

ادب میں قوم پرستی کے خیالات :

اس باب میں مطالعہ کے بعد آپ ہندوستان میں قوم پرستی کے خیالات کی توسیع میں مختلف ہندوستانی زبانوں کے خاص ادیبوں کے ادبی خدمات سے واقف ہوسکیں گے۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک (اس کا تذکرہ آئندہ باب میں کریں گے) میں ادب نے اہم رول نبھایا ہے۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں جب قوم پرست خیالات ابھرنے لگے۔ تب مختلف ہندوستانی زبان کے ادیبوں نے ادب کو وطن پرستی کے مقاصد کے لئے استعمال میں لانے لگے۔ دراصل ان میں سے

زیادہ تر ادیبوں کا یقین تھا کہ وہ غلام ملک کے شہری ہیں۔ اس لئے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس قسم کے ادب کی تخلیق کریں جو ان کے ملک کی آزادی کی راہ نکالے۔ ادب میں غلامی کے احساس اور آزادی کی ضرورت واضح طور پر ظاہر ہو رہی تھی۔ اتنا ہی نہیں ادب نے ملک کی آزادی کے لئے عوام الناس کو ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے اکسایا۔ سہولت کے نقطہ نظر سے ہمارے بیان کا موضوع تین زبانوں۔ بنگلہ، ہندی اور اردو تک محدود رہے گا۔

بنگلہ ادب :

جدید بنگلہ ادب کے عظیم ادیب بنکم چندر چٹوپادھیائے (1894-1838ء) کے ناول اپنے ملکی باشندوں میں حب وطن کے جذبات کو بیدار کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے ملک کے لوگوں کو ملک کے موجودہ دگرگوں حالت کے اسباب پر غور کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اپنے مشہور گیت 'بندے ماترم' کے ساتھ آنند مٹھ محبان وطن کے لئے سبق لینے کا ذریعہ بن گیا۔ آنند مٹھ آزادی کے ان دیوانے وطن پرست اور انقلابی لوگوں کا رزمیہ ہے جنہوں نے بندے ماترم کا نعرہ لگاتے ہوئے ملک کی آزادی کے لے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔

معاشی قوم پرستی کے دعویدار کی شکل میں مشہور رمیش چندر دت (1909-1848) کو اپنی تخلیق کا سبق انہیں ادبی وطن پرستی سے ملی تھی۔ رمیش چندر دت ایسے ہندو تھے جنہیں اپنی روایات اور ثقافت سے بڑی محبت تھی۔ انہوں نے ناول 'سماج' میں قدیم ہندوستان کے ماضی کو ایک نمونہ کی شکل میں پیش کیا۔ انہوں نے اپنے ناول میں ایسے ہندوستانی قومیت کی تصویر کشی کی ہے جو ہندوؤں پر مرکوز تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رمیش چندر دت فرقہ پرست تھے۔ یہاں ہندو نمونوں کو پیش کرنے

معاشی قومیت : انگریزی سماج کی معاشی تنقید کے ذریعہ سے ہندوستانی قومیت کی معاشی بنیاد تیار کرنے کی کوشش۔

ادبی قومیت : قوم پرستی کے خیالات کے اظہار کے لئے ادب کو ذریعہ بنانا

کے پس پردہ اس بات کو روشنی میں لانا تھا کہ اس وقت ہندوستانی قومیت میں ایسے امکانات پنہاں تھے جو فرقہ وارانہ جذبات کو جنم دے سکتی تھی۔ اس لئے رمیش چندر دت کو ان کے زمانے کے رجحانات کو زبان دینے والے نمائندہ کی شکل میں دیکھا اور

سمجھا جانا چاہئے۔

بنگلہ ناول نگار تاراشنکر بندوپادھیائے (1971-1898ء) کی 1947ء سے قبل کی تخلیقات پر نظر ڈالنا کافی مفید ہوگا خصوصاً گن دیوتا اور پنچ گرام ناول میں انہوں نے استحصال اور صنعت کاری کی وجہ سے دیہاتی سماج کے بکھراؤ کو دکھایا ہے۔ اس استحصال اور مظالم کے خلاف غریب دیہاتیوں کے جدوجہد کا بھی بیان کیا گیا ہے جو آخر کارنا کام ہوتا ہے یہ ناکامی اس لئے نہیں تھی کہ اثر دار طبقہ طاقتور تھا بلکہ اس لئے کہ صنعت کاری کے حقائق کے سامنے دیہاتی سماجی زندگی اور معاشی نام تکی نہیں رہ سکتی۔

ہندی ادب :

آیئے اب ہم ہندی ادب کا تذکرہ کریں اور بھارتیندو ہریش چندر کے بارے میں جانیں۔ بھارتیندو (1885-1850ء) ہندی ادب میں جدید دور کے نمائندہ رہے ہیں۔ اپنے ملک اور سماج سے لوگوں کو واقف کرانے کے لئے انہوں نے مختلف ادبی اصناف جیسے شاعری، ڈرامے اور مضامین لکھے۔ بھارتیندو کے ذریعہ تخلیق کردہ ادب کا ایک بڑا حصہ غلامی کے سوال سے متعلق ہے۔ اپنے مشہور ڈرامہ اندھیر نگری چوپٹ راجا اور بھارت دروشا میں انہوں نے انگریزی حکومت کے استحصالی کردار کو اجاگر کرنے کے لئے ایسی عوامی کہانی کا استعمال کیا جو ملک کے مختلف حصوں میں عام طور سے رائج تھیں۔ کئی قوم پرست لیڈروں اور مصنفوں نے ہندوستانی دولت کے لوٹ کے ذریعہ سے برٹش حکومت کے استحصال کا پردہ فاش کیا۔ بھارتیندو نے بھی شاعری کے ذریعہ سے ہندوستانی دولت کی لوٹ کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

कल के कल बल छलन सों ठने इतेके लोग।
नित-नित धन सों घटत है बढ़त है दु:ख सोग।।
मारकीन मलमल बिना चलत कुछ नहिं काम
परदेशी जुलाहन के मानहु भये गुलाम

भीतर-भीतर सब रस चूसै।
हंसि हंसि के मन-तन-धन मुसै।

जाहिर वातन में अति तेज।
क्यों राखि साजन नहिं अंगरेज।

بیسویں صدی کے ابتدائی دو عشروں تک استحصال، آزادی اور غلامی کے تئیں ذہنی رویہ عام طور پر وہی تھا جو انیسویں صدی کے دوران ابھرا تھا۔ لیکن عالمی جنگ اول (1914-18ء) کے بعد حالت تیزی سے بدلنے لگے۔ اب معاملہ صرف ہندوستان کی آزادی کا نہیں رہا۔ وہ تو کسی بھی قیمت پر لینی ہی تھی۔ اب آزادی کا بنیادی مفہوم اور خاص مقصد ہی تذکرہ کی بنیاد بن گئے اور آزادی کس کے لئے جیسے سوالات اٹھنے لگے جیسا کہ پریم چند کی ایک کہانی آہوتی میں روپ متی کہتی ہے۔

'کم از کم میرے لئے آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جان کی جگہ گوبند بیٹھ جائے جن برائیوں کو دور کرنے کے لئے آج ہم جانوں کو ہتھیلی پر لئے ہوئے ہیں انہیں برائیوں کو کیا عوام اس لئے سر چڑھائے گی کہ وہ غیر ملکی نہیں ملکی ہیں۔ اگر آزادی آنے پر بھی جائداد کا یہی غلبہ رہا اور تعلیم یافتہ سماج یوں خود غرض بنا رہے تو میں کہوں گی کہ آزادی کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔'

پریم چند نے قوم پرست نیتاؤں کی خود غرضیوں اور عیش پرستی کا واضح طور سے پردہ فاش کیا ہے اس کا ماننا تھا کہ اگر ملک کے رہنما صحیح نہیں ہوں گے تو ہندوستان کی آزادی کا کیا فائدہ؟ پریم چند کے ناول 'غبن' 1931ء میں اسی فکر کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دیوی دین جو ایک پکا قوم پرست ہے وہ رہنماؤں سے کہتا ہے۔

ابھی جب تمہاری حکومت نہیں ہے تب تو عیش و آرام پر اتنا مرتے ہو جب تمہاری حکومت ہو جائے گی تب تو تم غریبوں کو پیس کر پی جاؤ گے۔

لیکن قوم پرست سیاست کا سب سے افسوس ناک پہلو 'گودان' میں منعکس ہوتا ہے۔ رائے صاحب جو کہ ایک دولت مند زمیندار ہیں وہ ستیاگرہ میں شامل ہوتے ہیں اور بے ایمانی سے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے دولت کا استعمال کرتے ہیں۔ کھنا جو کہ مہاجن، تاجر اور صنعت کار ہیں۔ تحریک میں حصہ لے کر پھر ایسے طریقوں سے دولت بنانے میں مصروف

ہو جاتے ہیں جنھیں جائز نہیں کہا جا سکتا ہے او نکار ناتھ صحافی ہیں جو اپنے ادارتی تحریروں میں آگ اگلتے ہیں۔ لیکن وہ بنیادی طور پر خود غرض ہیں جن کے لئے قوم پرستی مفاد کی تکمیل کا ایک ذریعہ ہے۔

— ادب میں کن قوم پرست عناصر کو اجاگر کیا گیا ہے؟ درجہ میں تذکرہ کریں۔

اردو زبان :

آپ نے عہد وسطیٰ کی تاریخ کو پڑھتے وقت یہ جانا کہ ملک میں ایک مشترکہ ثقافت کو فروغ حاصل ہوا جسے گنگا جمنی ثقافت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی کئی مثالوں میں اردو زبان بھی شامل ہے۔ اردو زبان کی پیدائش پنجاب کے علاقے میں گیارہویں صدی میں ہوئی اور عہد وسطیٰ میں اس کو رفتہ رفتہ فروغ حاصل ہوا۔ اٹھارہویں صدی تک یہ ایک ادبی زبان بن چکی تھی۔ جس میں فارسی اور کچھ ہندوستانی زبانوں کے الفاظ شامل تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب قومی تحریکوں نے زور پکڑا تو شمالی ہند میں سب سے زیادہ رائج اردو زبان ہی تھی جسے ہم ہندوستانی بھی کہتے ہیں شاید آپ جانتے ہوں کہ اردو اور ہندی کے بہت سارے الفاظ ایک ہی ہیں۔ اور ان میں خاص فرق رسم الخط کا ہے۔ ہندی دیوناگری رسم الخط اور اردو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اس وقت شمالی ہند میں زیادہ تر اخبارات ورسائل اردو زبان میں ہی شائع ہوتے تھے۔ 1857ء کے ہنگامے کے وقت دلی سے شائع ہونے والی 'دہلی اخبار' اور لکھنؤ سے شائع ہونے والی طلسم جیسے اخبار آج خاص تاریخی ذرائع ہیں۔ قومی تحریک کے خاص رہنما مولانا ابوالکلام آزاد نے کئی اخبارات نکالے جن میں 'الہلال' اور 'البلاغ' کافی اہم تھے۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے اخبار اردو میں نکالے جاتے تھے جن کے ذریعہ سے حب وطن کے جذبہ کی توسیع ہوئی اور انگریزوں کی حکومت ناانصافی اور مظالم کے خلاف لوگوں میں بیداری لائی گئی۔ آپ جانتے ہوں گے کہ 'انقلاب زندہ باد' کا نعرہ اردو زبان کا ہی ہے۔

اردو زبان کے اخباروں کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے ذریعہ سے بھی حب وطن اور سماجی یکجہتی کا پیغام گھر گھر پہنچایا

گیا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں علامہ اقبال نے 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' نظم کی تخلیق کی تو پٹنہ کے بسمل عظیم آبادی نے لکھا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ایسی کئی مثالیں آپ کو دیکھنے کو ملیں گی جب ملک کی آزادی کے لئے جان قربان کرنے والوں نے ایسے اشعار اور گیت دہراتے ہوئے موت کو گلے لگایا۔ اردو زبان آج بھی مقبول عام ہے اور ہماری دوسری سرکاری زبان بھی ہے۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح یا غلط بتائیں :

(i) ادب میں غلامی کے احساس یا آزادی کی ضرورتوں کو واضح اظہار ملنے لگی تھی۔

(ii) پریم چند نے آنند مٹھ کی تخلیق کی تھی۔

(iii) رمیش چندر دت کے ناول میں ہندو حمایتی رجحان دیکھنے کو ملتا ہے۔

(iv) بھارتیندو ہریش چندر نے ہندوستانی دولت کے لوٹ کو ڈرامے کے ذریعہ سے پردہ فاش کیا ہے۔

(v) 'بندے ماترم' گیت کی تخلیق بنکم چندر چٹرجی نے کی تھی۔

2. خالی جگہوں کو بھریں :

(الف) لکڑی یا دھات کے چھاپے سے کاغذ پر بنائی گئی تصویر کر..................کہا جاتا ہے۔

(ب) برٹش عہد میں بنائے گئے عکسی تصویر..................ہوتے تھے۔

(ج) انگریزوں کی فتح کو ظاہر کرنے کے لئے..................کی تصویر کشی کی جاتی تھی۔

(د) ایشیائی فنی تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے والے..................فنکار تھے۔

3. درج ذیل کے جوڑے بنائیں۔

(الف) سنٹرل پوسٹ آفس، کلکتہ	(i) گوتھک طرز
(ب) وکٹوریہ ٹرمینلس ریلوے اسٹیشن، بمبئی	(ii) انڈوسارا سینک طرز
(ج) مدراس لاء کورٹ	(iii) انڈوگریک طرز

آیئے غور کریں :

(i) مدھوبنی پینٹنگ کس طرح کے طرز کا فن تھا۔ اس کے تحت کن موضوعات کو دھیان میں رکھ کر تصویر بنائے جاتے تھے۔

(ii) برٹش مصوروں نے انگریزوں کی برتری اور ہندوستانیوں کے کمتر حیثیت کو دکھانے کے لئے کس طرح کی تصویروں کا مظاہرہ کیا ہے۔

(iii) انیسویں صدی کی عمارتیں انگریزوں کی برتری طاقت اور حکومت کی علامت اور ان کے قومی خیالات کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اس قول کی بنیاد پر فن تعمیر طرز کی خصوصیات کا بیان کریں۔

(iv) ادبی حب وطن سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ غور کریں۔

(v) ماڈرن اسکول آف آرٹس سے جڑے ہندوستانی فنکاروں نے قومی فن کو بڑھاوا دینے کے لئے کن موضوعات کو منتخب کیا۔ تصویر 14,13,12 کی بنیاد پر بیان کریں۔

آیئے کرکے دیکھیں :

(i) آپ اپنے گاؤں یا شہر کے آس پاس موجود تعمیر عمارت کے طرز پر توجہ دیجئے۔ جو سبق میں دیئے گئے عمارتوں سے ملتی جلتی ہوں۔ آپ اس عمارت کا ایک اسکیچ تیار کرکے اس کی طرز تعمیر کی خصوصیات کو بیان کریں۔

(ii) مختلف ہندوستانی زبانوں میں شائع شدہ قومی خیالات کی حوصلہ افزائی کرنے والی شاعری، کہانی اور گیتوں کو جمع کر کے درجہ میں اس کی نمائش کریں۔

باب۔12

قومی تحریک (1885-1947ء)

آپ نے گذشتہ ابواب میں پڑھا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کیسے ہوئی؟ ان کے ذریعہ جو حکومتی نظام قائم کی گئی وہ ہندوستانیوں کے لئے کیسے استحصالی ثابت ہوئیں؟ ان کے ذریعہ ہندوستان میں اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے کیسے سماجی اقتصادی اور تعلیمی اصلاح کا تانا بانا بنا گیا جس نے ہندوستان کے خودکفیل معاشی نظام کو تو ختم کر ہی دیا، سماجی اور مذہبی یکجہتی کو بھی ختم کر دیا۔ ساتھ ہی استحصالی اور تفریق کرنے والی پالیسی نے 1857ء کی بغاوت کو بھی جنم دیا۔

آپ نے ایسا محسوس کیا ہوگا کہ ہندوستانیوں میں سخت بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی قوم پرست لوگ اب نہیں چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان میں بغیر روک ٹوک حکومت کریں۔ ہندوستانی اب منظم طریقے سے انگریزوں کی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ ابتدائی سالوں میں کچھ تنظیمیں قائم کی گئیں جن کے اثرات علاقائی سطح تک ہی محدود رہے لیکن ان کے مقاصد پورے طور پر قومی مفاد میں تھے۔ ان تنظیموں کے ذریعہ ملک کے مختلف علاقوں میں ہندوستانی عوام کو سماجی اور سیاسی طور سے بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔

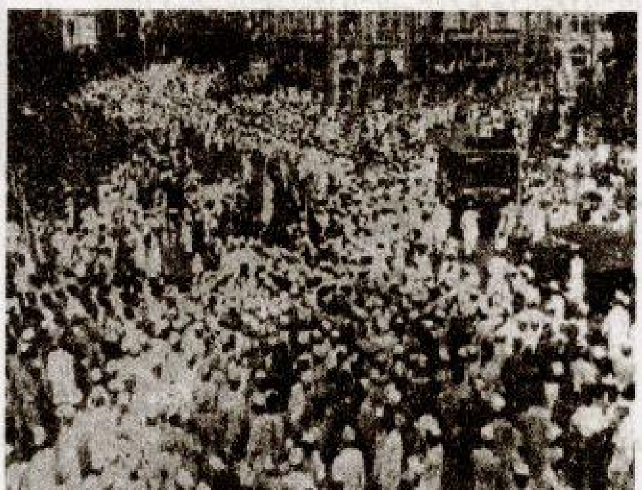

تصویر۔ 1 : قومی تحریک میں عوامی ہجوم

ہندوستان کی اہم ابتدائی سیاسی تنظیمیں

1. 1851-52ء۔ برٹش ہندوستان کے تینوں صوبوں میں شروع میں الگ الگ تین تنظیموں کی تشکیل ہوئی جس کے ارکان خاص طور سے انگریز اور ہندوستانی زمیندار تھے۔ بنگال میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن مدراس میں مدراس نیٹو ایسوسی ایشن اور بمبئی میں بمبئی ایسوسی ایشن۔
2. 1867ء۔ پونا عوامی مجلس کا قیام مہادیو گووند راناڈے نے کیا۔ اس کے ممبر متوسط طبقہ کے عام لوگ تھے۔
3. 1876ء۔ انڈین ایسوسی ایشن کا قیام سریندر ناتھ بنرجی نے کولکاتہ میں کیا تھا۔ اس کے ممبر بھی پڑھے لکھے عام لوگ تھے۔
4. 1878ء۔ نیٹو پریس (Native Press) اور پولیٹیکل ایسوسی ایشن کانفرنس کلکتہ کی تشکیل
5. 1883ء۔ کل ہند کانفرنس میں سریندر ناتھ بنرجی کے ذریعہ کچھ پڑھے لکھے ہندوستانیوں کو بلایا گیا۔
6. 1884ء۔ مدراس مہاجن سبھا کی تشکیل کی گئی۔ اس کے زیادہ تر ممبر متوسط طبقہ کے لوگ تھے۔
7. 1885ء۔ الہ آباد پیپلز ایسوسی ایشن۔ ممبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن جیسے اداروں کے ممبر بھی متوسط طبقہ کے لوگ تھے۔
8. 20 دسمبر 1885ء۔ بھارتیہ راشٹریہ کانگریس کا قیام

کل ہند کانگریس—28 دسمبر 1885ء :

1850ء کے بعد سیاسی تنظیموں سے جڑے لوگوں کے دل میں ملک کے تئیں ایک فکر پیدا ہوئی۔ ان لوگوں کی نظر میں ہندوستان میں رہنے والے سبھی طبقہ، مذہب، رنگ، ذات، زبان، جنسی گروہ کے لوگ ہندوستانی ہیں اور ہندوستان میں ان ہندوستانیوں کا گھر ہے۔ یہاں کے وسائل اور نظام پر ہندوستانیوں کا حق ہونا چاہئے۔ جب تک انگریز یہاں سے باہر نہیں

جائیں گے۔ ہندوستان ہندوستانیوں کا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اپنے ملک کے تئیں لوگوں میں قومیت کے جذبات کا فروغ ہونے لگا اور قوم پرستی کا جنم ہوا۔ رفتہ رفتہ ان تنظیموں کی قومی بیداری اور گہری ہوتی چلی گئی۔ ان جذبات کی بنیاد وہ فکر تھی کہ ہندوستان کو ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے بارے میں سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کی آزادی ہونی چاہئے اس طرح ہندوستانیوں میں قومیت کے جذبات بیدار ہوئے۔ اس بیداری میں کئی عوامل نے مل جل کر رول نبھایا۔

ہندوستان میں انگریزی حکومت کی سامراجی پالیسیوں نے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہندوستان کا معاشی استحصال کرنا شروع کر دیا۔ انگلینڈ نے اپنی صنعتی ضروریات کی تکمیل کے لئے سستے کچے مال کی برآمد اور تیار مال کے لئے خریدار بازار کی شکل میں ہندوستان کا استعمال شروع کیا۔ مثال کے طور پر انگلینڈ نے اپنی کپڑا صنعت کو بڑھانے کے لئے ہندوستان سے برآمد ہونے والے کپڑوں پر بھاری مقدار میں ٹیکس لگائے جبکہ انگلینڈ میں تیار مال کو ٹیکس میں رعایت دی۔ انگریزوں کا سول اور فوجی انتظامیہ کافی خرچیلا تھا۔ اونچے عہدوں پر ہندوستانیوں کی بحالی نہ کر کے انگریزوں کی بحالی کی جاتی تھی۔ اور انہیں موٹی تنخواہ دی جاتی تھی۔ وہ اپنی تنخواہ کی ساری رقم انگلینڈ بھیج دیتے تھے۔ ہندوستانی معاملوں سے جڑے انگلینڈ میں کام کرنے والے افسروں کو بھی ہندوستان سے ہی پیسہ دیا جاتا تھا۔ ان معاشی استحصال کی وجہ سے ہندوستان میں ہر سال قحط پڑنے لگا۔ کیونکہ ہندوستانی کسان اپنی ضرورت کے مطابق غلہ کی پیداوار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ انہیں انگلینڈ کے عوام اور صنعتوں کو پیش نظر رکھ کر سامانوں کی پیداوار کرنا پڑتا تھا۔ ہندوستانی لیڈران نے انگریزوں کی ہندوستان مخالف معاشی پالیسی کو ہی غربت کا ذمہ دار بتایا۔ اس کے مطابق ملکی مال اور آزادی ہی مسئلہ کا صرف واحد حل تھا۔

انگریزوں نے پورے ہندوستان کو اپنے مفاد میں سیاسی طور پر متحد کیا۔ ہندوستان کے سیاسی اتحاد نے ملک کے ہر کونے کے لوگوں کو ملنے جلنے کا موقع عطا کیا۔ انگریزوں نے سیاسی اتحاد قائم کرنے کے ساتھ ہی انتظامی اتحاد بھی قائم کی۔ پورے ہندوستان میں ایک ہی طرح کی عدالتی اور حکومتی نظام قائم کیا۔ انگریزوں نے پورے ہندوستان کو سڑک تار اور ریلوے کے ذریعہ سے ایک دھاگے میں باندھ دیا۔ رسل ورسائل کے ذریعوں اور انتظامی یکسانیت میں الگ الگ جگہوں پر

رہنے والوں پر ملنے چلنے پر برٹش انتظامیہ کی استحصالی پالیسی پر غور کرنے کا موقع دیا۔ نتیجہ کے طور پر ہندوستان میں قومی پرستی کے جذبات کو منظم ہونے کے لئے ایک پلیٹ فارم مل گیا۔

انگریزی تعلیم نے ہندوستان میں جدید قومیت کے جذبات کو مضبوط بنایا۔ جدید تعلیمی نظام نے پورے ملک کو دانشوروں کا ایک نیا طبقہ عطا کیا جو جدید خیالات، آزادی، مساوات اور ہندوستانیت کے جذبات سے متاثر تھا۔ انگریزی زبان کی شکل میں تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو ایک رابطے کی زبان مل گئی جس کے ذریعہ وہ اپنے مسائل اور خیالات سے پورے ہندوستان میں ایک دوسرے کو واقف کراسکتے تھے۔

انگریزوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں جدید اخبارات کو فروغ ہوا۔ سستے اخبارات لوگوں تک پہنچنے لگے۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی لوگوں کے ذریعہ اخبارات چھاپے جانے لگے۔ ان اخبارات نے انگریزوں کی استحصالی پالیسیوں کو اجاگر کیا۔ اخباروں کے ذریعہ سے جب انگریزوں کے مظالم اور استحصال کا پردہ فاش ہونے لگا تو انگریزوں نے ورنا کولر پریس ایکٹ (1878ء) کے ذریعہ سے پابندی کی کاروائی کی تاکہ ان کی توسیع رک جائے۔ لیکن پابندی کے باوجود ہندوستانی اخبارات اپنے مشن میں لگے رہے۔ اخبارات اب لاکھوں لوگوں تک پہنچنے لگے۔ انگریزوں کے استحصال کے خلاف اخباروں میں عوامی رائے بنانے اور قوم پرستی کی تبلیغ میں اہم رول ادا کیا۔

(ملکی زبان) ورنا کولر پریس ایکٹ (1878ء) کے ذریعہ ہندوستانی زبانوں میں چھپنے والے اخبارات پر پابندی لگادی گئی۔

انڈین میرر (بنگال، کیسری (مراٹھی) ہندو، بس پیٹریاٹ ۵ اور امرت بازار پتریکا وغیرہ کئی انگریزی اخبارات اور ہندوستانی زبان کے اخباروں نے انگریزوں کے نازیبا حرکات کو نہ صرف یہ کہ شائع کیا بلکہ نمائندوں کے ذریعہ حکومت کے نظام آزادی اور جمہوری خیالات کو عام لوگوں کے بیچ مقبول بنایا۔ اس طرح ہندوستانی اخبارات سیاسی تربیت اور قوم پرستی کے خیالات کی توسیع کے خاص اسلحے کی شکل میں کام کرنے لگے۔

کچھ انگریز دانش وروں جیسے ولیم جانس ،میکس مولر وغیرہ نے تحقیق اور کھدائی کے بعد قدیم ہندوستانی ثقافت کی اہمیت اور قیمتی وراثت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ یورپی دانشوروں نے ویدوں اور اپنیشد وغیرہ کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی آریہ اسی انسانی شاخ کے لوگ ہیں جن سے یورپی ذاتیں پیدا ہوئی ہیں۔اس سے ہندوستانیوں میں جو خلش زدہ تھے ایک خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے اپنی قدیم روایات ،رسم و رواج اور سماجی رسوم کو پھر سے آزمانا شروع کر دیا۔ان لوگوں نے ہندوستانی سماج کی برائیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔مندرجہ بالا حالات کے تناظر میں جب ہندوستان میں قوم پرستی کے خیالات ایک شکل اختیار کرنے لگے۔تبھی آئی سی پی اب (آئی اے ایس)میں بحال ہونے کی عمر گھٹا کر 21 سے 19 سال کر دی گئی تا کہ ہندوستانی تعلیم یافتہ نوجوان امتحان میں شامل نہ ہو سکیں۔

ہندوستانی اسلحہ قانون بنا کر ہندوستانیوں کو لگام لگانے اور ستانے کی کوشش کی گئی۔ان کاموں نے انگریزوں کے تئیں ناراضگی میں اضافہ کیا۔کئی سیاسی اداروں کا جنم ہوا اور سرکار مخالف تحریکیں چلیں۔

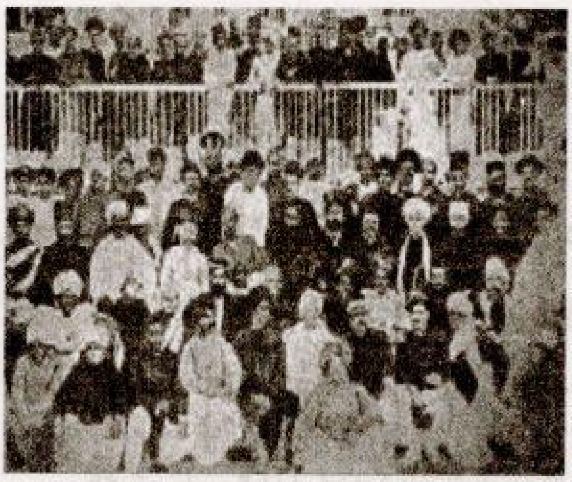

تصویر۔2 : کانگریس کے بانی اراکین

لارڈ ربن نے ذات پات کی تفریق پر مبنی نابرابری کو دور کرنے کی کوشش کی۔اس نے البرٹ بل کے وسیلہ سے ہندوستانی ضلع اور سیشن ججوں کو بھی وہ قوت اور اختیار عطا کیے جو یورپی ججوں کو حاصل تھے۔یہ نظام یوروپی لوگوں کو پسند نہیں آیا اور ان لوگوں نے البرٹ بل کی منظم مخالفت کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے کو یہ بل واپس لینا پڑا۔اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانیوں کو یورپی کے برابر درجہ حاصل نہیں ہے۔ساتھ ہی ساتھ منظم مخالفت کے بعد سرکار کسی فیصلہ کو واپس لینے پر مجبور ہو سکتی ہے۔

اس طرح درج بالا سارے کاموں اور حالات نے قومیت کے جذبات کے ساتھ ایک قومی تنظیم کی ضرورت کو ناگزیر بنادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 28 دسمبر 1885ء کو بمبئی کے گوکل داس کالج کے ہال میں ہندوستانی قومی کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں ملک کے مختلف حصوں سے 72 نمائندوں نے شرکت کی۔

کانگریس کے ابتدائی قائدین میں دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتا، بدرالدین طیب، جی ڈبلوسی بنرجی، آرسی دت اور ایک سال بعد شامل ہونے والے سریندر ناتھ بنرجی جیسے تعلیم یافتہ اور دوربین افراد تھے۔ ان قائدین نے اپنی دوربینی کا ثبوت دیتے ہوئے اے او ہیوم جیسے ریٹائرڈ انگریز افسر کو اپنی تنظیم کا خاص حصہ بنایا۔

کانگریس کے ابتدائی دن: کانگریس اپنے شروع کے دنوں میں قومی بیداری کے توسیع کا ہر ممکن کوشش کرنا چاہتی تھی کیونکہ انگریز حکمراں ہندوستان کو ایک قوم کی شکل میں مانتے ہی نہیں تھے۔ وہ صرف ہندوستان کو ایک جغرافیائی اصطلاح کی شکل میں متعارف کرتے تھے کیونکہ ہندوستان ان کی نظر میں الگ الگ مذہب فرقوں، ذاتوں اور مختلف زبان بولنے والوں کا ایک مجموعہ تھا۔ کانگریس قائدین نے نہ صرف یہ کہ اس خیال کی تردید کی بلکہ سریندر ناتھ بنرجی، گوکھلے، تلک وغیرہ لیڈران نے ہندوستان کو ایک ابھرتا ہوا ملک ظاہر کیا۔

کانگریس کے لیڈران کا ماننا تھا کہ ہندوستان کے ثقافتی تضادات کو دیکھتے ہوئے بہت احتیاط کے ساتھ قومی اتحاد کی کوشش کی جائے۔ یہ طے کیا گیا کہ کانگریس کا سالانہ جلسہ باری باری سے ملک کے مختلف حصوں میں منعقد کئے جائیں اور صدر اس حلقے کا نہ ہو جہاں جلسہ ہو رہا ہو۔

کانگریس نے یہ طے کیا کہ کسی بھی تجویز کو پاس کرنے میں اقلیتوں کے خیالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور کاؤنسل میں ان کے منتخب نمائندوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے کم نہ ہو۔ ابتدائی دور سے ہی قوم پرست لیڈر سیکولرزم کے زوردار حمایتی تھے۔ کانگریس یہ بھی چاہتی تھی کہ سیاسی کارکن منظم ہو کر کل ہند پیمانے پر اپنی سرگرمیاں چلائیں۔

کانگریس کے ابتدائی دنوں میں بہار کے نمائندے

کانگریس کے قیام کے وقت بہار سے کوئی نمائندہ تو شامل نہیں تھا لیکن کلکتہ کے دوسرے اجلاس 1886ء میں کل سولہ ہزار روپے خرچ ہوئے جس میں 2500 کا امداد تنہا دربھنگہ مہاراج لکھمیشور سنگھ کے ذریعہ دیا گیا۔ ہتھوا اور ڈمراؤں مہاراج نے بھی مالی مدد کیا۔ دوسرے اجلاس میں ڈیلی گیٹ کی شکل میں بہار سے شالیگرام سنگھ اور یشیشور سنگھ (کلہڑیا اسٹیٹ) جن کے نام پر ہی بی این کالج ہے شامل ہوئے تھے۔ اور پورنیندو نارائن سنہا اور گجادھر پرساد جو پیشے سے وکیل تھے۔

تصویر۔ 3

گوپال کرشن گوکھلے : جہاں تک ہو سکے ہمیں زیادہ سے زیادہ لوگوں میں قومی بیداری پیدا کرنی چاہئے اور اس میں بڑھاوا دینا چاہئے تاکہ مذہب، ذات اور طبقہ کے تضادات کو الگ رکھ کر وہ متحد ہو سکیں۔

شروع میں کانگریس کے لئے عوامی تحریک وغیرہ چلانا ناممکن تھا۔ اس لئے انہوں نے سیاسی شعور کو بیدار کرنے اور عوامی رائے بنانے کے لئے متوسط طبقہ کے لوگوں سے رابطہ کرنا شروع کیا جو رفتہ رفتہ عام لوگوں تک پہنچا۔

تصویر۔ 4

دادا بھائی نوروجی : ہم یہاں تک سیاسی تنظیم کی شکل میں جمع ہوئے ہیں تاکہ ہم اپنی سیاسی خواہشات سے اپنے حکمرانوں کو واقف کرا سکیں۔

تصویر-5

ڈبلوسی بنرجی : کانگریس کا مقصد بھائی چارے کے وسیلہ سے ہندوستانی عوام کے بیچ تمام ذات اور طبقے اور علاقائی تعصبات کو ختم کرنے اور ملک کے لئے کام کرنے والوں کے بیچ بھائی چارے اور دوستی کو زیادہ مضبوط بنانا ہے۔

کانگریس کے لیڈران نے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ ہم ایک قوم ہیں سامراج ہمارا دشمن۔ اسی دشمن کے خلاف ہماری جدوجہد ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت کے لیڈران نے برٹش حکومت کے خلاف کوئی عوامی تحریک نہیں چلائی۔ لیکن انہوں نے سامراج واد کے خلاف فکری سطح پر لڑائی کی ابتدا ضرور کر دی کانگریس نے اس عہد کے سیاسی خیالات سماجی طبقوں اور گروہوں کو اپنے ساتھ جوڑ کر قوم پرستی کو تحریک کی شکل میں قائم کیا۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کانگریس نے اپنی ابتدائی حالت میں جمہوریت اور سیکولرازم کے تحریک کی بنیاد رکھ دی۔ عوام میں سیاسی شعور پیدا کی اور اسے سیاسی طور پر تعلیم یافتہ کیا۔ اپنے ابتدائی بیس سالوں میں کانگریس نے تحریک کی زمین تیار کرنے کا کام کیا۔

آزادی کی خواہش : انیسویں صدی کا آخری عشرہ آتے آتے کانگریس کے ہی بہت سارے لیڈران برٹش حکومت مخالف سیاسی طور طریقوں سے عدم اتفاقی ظاہر کرنے لگے تھے۔ وہ کانگریس کی درخواست اور گزارش کی پالیسی کے سخت مخالف تھے۔ اس طرح کے خیالات کی قیادت بنگال میں بپن چندر پال، پنجاب میں لالہ لاجپت رائے اور مہاراشٹر میں بال گنگادھر تلک کر رہے تھے۔ انہوں نے گزارش کے بجائے تخلیقی کاموں اور خود کفالت پر زور دیا۔ انہیں انگریزوں کی انصاف پسندی اور نیک ارادوں پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ وہ تنظیم کو طاقتور

لال-بال-پال

اور منظم بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ آزادی کے لئے انگریزوں سے لڑسکیں۔ تلک نے نعرہ دیا۔ آزادی میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لے کر رہوں گا۔ ان لیڈران نے گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو منظم کیا اور آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کی اہمیت پر بھی زور دیا۔

درخواست اور گزارش کی پالیسی کیا ہے؟ اساتذہ سے بیان کریں

بنگ بھنگ اور ملکی تحریک : لارڈ کرزن نے قومی جذبات کو کمزور کرنے کے لئے 1905ء میں بنگال کی تقسیم کا فرمان جاری کیا۔ اس وقت بنگال کے تحت بنگلہ دیش، مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار اور جھارکھنڈ کے صوبے تھے۔ انگریزوں کی دلیل تھی کہ چونکہ یہ صوبہ کافی بڑا ہے اس لئے انتظامی سہولت کے لئے بنگال کی تقسیم لازمی ہے۔ لیکن اس تقسیم کے پس پردہ مقصد یہ تھا کہ متحد بنگال جو کانگریس اور قومی تحریک کا مقصد تھا اسے فرقہ وارانہ بنیاد پر ہندو اکثریتی مغربی بنگال، بہار جھارکھنڈ اور اڑیسہ میں اور مسلم اکثریتی مشرقی بنگال کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ اس تقسیم میں بنگلہ زبان کے علاقے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور مختلف جغرافیائی اور لسانی حالت رکھنے والے بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کو مغربی بنگال کے تحت رکھا گیا۔

قوم پرست اور کل ہند قومی کانگریس نے کرزن کے اس قدم کی مخالفت کا فیصلہ کر لیا۔ 16 اکتوبر 1905ء کو تقسیم کے نفاذ کے دن پورے بنگال میں 'یوم ماتم' منایا گیا۔ لوگوں نے فاقے کیے۔ بنگال کی گلیوں میں 'بندے ماترم' کے نعرے گونج اٹھے۔ کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ ہوا جس میں بال گنگادھر تلک بھی موجود تھے۔ لوگوں نے غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ اور ملکی سامان کے استعمال کا اعلان کیا۔ طلبہ نے اسکولوں اور کالجوں اور وکیلوں نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ ملکی تحریک میں خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ملکی تحریک کو ملک کے کونے کونے میں قوم پرستوں نے پھیلانے کا فیصلہ کیا۔ بنگال سے باہر ملکی تحریکوں کی قیادت تلک اور لالہ لاجپت رائے کے ہاتھوں میں تھی۔

برٹش حکومت نے اسے دبانے کی کوشش کی۔ عام جلسوں پر پابندی لگادی گئی اخباروں پر مالی جرمانہ کیا گیا اور قومی لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ تلک کو حکومت سے بغاوت کے الزام میں پھنسا کر چھ سالوں تک کی قید کی سزا دی گئی۔ تحریک رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگی۔ لیکن جوان قوم پرستوں میں جوش باقی تھا۔ یہ لوگ انگریز افسروں کو قتل کر کے اس کے ظلم کا جواب دینا چاہتے تھے۔

فرقہ واریت کا بیج لگانا : انگریزوں نے بنگال تقسیم سے تجربہ کیا کہ فرقہ واریت کی پالیسی کو آگے بڑھاتے ہوئے 1906ء میں مسلمان زمیندار اور نوابوں کے ذریعہ ڈھاکہ میں قائم آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل میں بھرپور مدد کی۔ لیگ نے بنگال تقسیم کو جائز قرار دیا۔ لیگ نے مسلمانوں کے لئے الگ انتخابی علاقوں کا مطالبہ کیا جسے 1909ء میں سرکار نے مان لیا۔ ریزروسیٹوں سے منتخب ہوکر آنے والے مسلم نمائندے صرف اپنے ہی فرقہ کے لوگوں کے مفاد کی بات کرنے لگے۔ اسی وقت پنجاب 'ہندوسبھا' نام سے ایک سیاسی پارٹی کی تشکیل کی گئی۔ 1915ء میں اسی پارٹی کی توسیع ہندومہاسبھا کی شکل میں کی گئی۔ دونوں پارٹی باہمی مخالف خیالات رکھنے والے تھے۔ جس سے آگے چل کر ہندوستانی قومی تحریک فرقہ وارانہ خیالات سے کمزور پڑ گئی۔

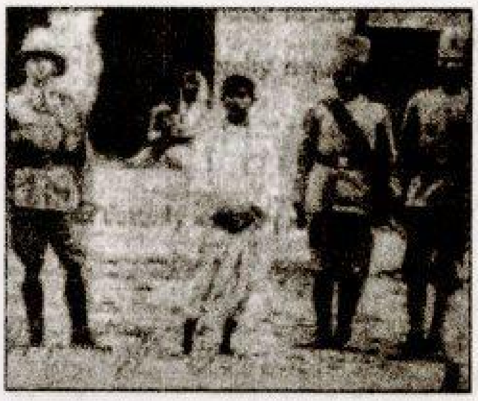

تصویر-7: کھودی رام بوس

انتہا پسند انقلابی : برٹش حکومت سے ناراض نوجوان طبقہ میں انتہا پسندی کے خیالات بھی زور پکڑنے لگے تھے۔ یہ انقلابی نوجوان ضرورت پڑنے پر تشدد کا راستہ اپنانے کو بھی تیار تھے۔ کھودی رام بوس قومی تحریک میں بم کی سیاست شروع کرنے والے پہلے انقلابی تھے۔ ان کے پہلے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انقلابیوں کے ذریعہ پستول کا ہی استعمال شروع کیا گیا تھا۔ کھودی رام بوس کا مقصد آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو اذیت دینے والے انگریز افسران کو سبق

سکھاتا تھا۔ مظفر پور کے ضلع جج ڈی ایچ کنگس فورڈ کے قتل کی ذمہ داری انہیں دی گئی۔ انہوں نے غلطی میں کنگس فورڈ کی جگہ پر مسز کینڈی کی بگھی پر 30 اپریل 1908ء کو بم پھینک دیا۔ بگھی میں سوار کینڈی کی بیٹی موقع واردات پر ہی مرگئی اور کینڈی کی بیوی نے اسپتال جاکر دم توڑ دیا۔ کھودی رام بوس راتوں رات میلوں پیدل چل کر وینی ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ کچھ لوگوں کے ذریعہ اس حادثہ کا تذکرہ چل رہا تھا۔ جس پر کھودی رام بوس اچانک بول پڑے۔ کیا کنگس فورڈ نہیں مرا؟ وہاں کے لوگوں کو ان پر شک ہوا اور یہ پکڑے گئے۔ مقدمہ چلا کر انہیں 11 اگست 1908 ء کو پھانسی دے دی گئی۔

مظفر پور بم کانڈ سے ایک نئی سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔ اس واقعہ کے بارے میں 22 جون 1908ء کو کیسری اخبار کے اداریئے میں تلک نے لکھا کہ 1897ء میں جب پونا میں پلیگ کمشنر رینڈ کا قتل چاپلیکر برادران کے ذریعہ کیا گیا تھا اس کے بعد مظفر پور بم پھٹنے کا واقعہ تک کوئی ایسا اہم کام نہیں ہوا جو افسران کا دھیان عوام کی طرف متوجہ کرتا۔ دونوں واقعات میں کافی فرق ہے۔ اگر کام کو جرأت کے ساتھ صحیح انداز میں انجام دینے کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو چاپلکر حضرات کے کام کو بنگال کے واقعہ سے برتر ماننا ہوگا۔ چاپلکر حضرات اور بنگال کے انقلابیوں کے ذریعہ کئے گئے قتل عام سے مختلف تھی۔ کیونکہ انجام دینے والے سمجھتے تھے کہ وہ قومی مفاد میں اہم کام کررہے ہیں۔

اگرچہ مظفر پور اور پونا کے دونوں واقعات کا مقصد ایک ہی تھا لیکن مظفر پور کے واقعہ کا نقطہ نظر وسیع تھا۔ کیونکہ پونا کے پلیگ کمشنر کے قتل کی وجہ پونا کی بدنظمی اور مظالم تھے جبکہ مظفر پور کے واقعہ کی وجہ بنگال کی تقسیم تھی۔

> **الگ انتخابی حلقے** : کسی خاص مذہب اور ذات کے لوگوں کا انتخاب اپنی ذات یا مذہب کے لوگوں کے ذریعہ کیا جانا۔
>
> **فرقہ پرستی** : کسی فرقہ کے ذریعہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مذہبی جذبات کا استعمال

تصویر۔ 8 : جنوبی افریقہ میں گاندھی جی

گاندھی کی آمد : جنوبی افریقہ میں ستیا گرہ کا کامیاب استعمال کرنے کے بعد مہاتما گاندھی 1915ء میں ہندوستان لوٹے۔ گاندھی نے انگریزوں کی نسلی تفریق کی پالیسی کے خلاف عدم تشدد تحریک چلا کر جنوبی افریقہ کے لوگوں حق کی لڑائی لڑی تھی۔ جنوبی افریقہ میں ان کی جدوجہد اور ان کی کامیابی نے ہندوستان میں انہیں بہت مقبول بنا دیا تھا۔

ستیا گرہ : استحصال اور ناانصافی کے خلاف عدم تشدد کے طریقے سے انصاف کا مطالبہ

نسلی تفریق : جسمانی رنگ اور بناوٹ کی بنیاد پر لوگوں کے بیچ تفریق کرنا

گاندھی جی نے اس عہد کے حالات کو سمجھنے کے لئے پورے ملک کا دورہ کیا اور سابرمتی آشرم (احمد آباد) کو قائم کیا۔ گاندھی جی کی آمد کے وقت ہندوستان میں 'ہوم رول تحریک' پورے زوروں پر تھی۔ لیکن وہ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ وہ ہوم رول تحریک کاروں کے اس خیال کے مخالف تھے کہ انگریزوں کے لئے کوئی بھی مصیبت ان کے لئے ایک موقع ہے۔ اسی حکمت عملی کے تحت ہوم رول تحریک چھیڑی گئی تھی۔ گاندھی نرم روی کی سیاست میں بھی یقین نہیں رکھتے تھے۔ گاندھی جی صرف ستیا گرہ میں یقین رکھتے تھے۔ وہ کسی بھی تنظیم میں اپنی شرطوں پر شامل ہونا چاہتے تھے۔

ہندوستان میں ستیا گرہ کا پہلا تجربہ۔۔۔چمپارن :

گاندھی جی نے قومی تحریک کے مین اسٹریم سے جڑنے کے پہلے مقامی مسائل کو لے کر چمپارن بہار احمد آباد اور کھیڑا میں تحریک کی قیادت کی۔ چمپارن اور کھیڑا تو کسانوں کی تحریک تھی لیکن احمد آباد تحریک صنعتی مزدوروں سے متعلق تھی۔

سب سے کامیاب قصہ بہار کے چمپارن کا قصہ تھا۔ انیسویں صدی کی ابتداء میں ہی چمپارن کے کسانوں کے ساتھ انگریز باغات مالکوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس فیصلے کے تحت بیگھہ کے تین کٹھے (3/20) میں کسانوں کو نیل کی کھیتی لازمی

طور سے کرنی پڑتی تھی۔ اسے تین کٹھیا طریقہ بھی کہتے تھے۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں جرمنی کے کیمیاوی رنگوں نے نیل کی مانگ کو بین الاقوامی بازار سے باہر کردیا۔ نیل کا مطالبہ گھٹ جانے کی وجہ سے کسان نیل کی کھیتی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انگریز بگان مالکوں نے معاہدے سے آزاد کرنے کے لئے کئی طرح کی نامناسب شرطیں رکھیں۔ کسانوں کی مخالفت اور تنگ حالی کے باوجود انگریز زمیندار کسانوں کو لوٹتے رہے۔

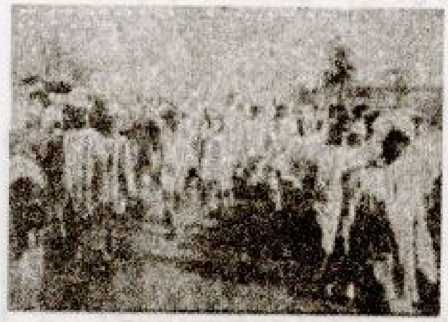

تصویر۔ 9 : چمپارن میں گاندھی جی

چمپارن کے کسانوں کو زمینداروں کے چنگل سے آزاد کرنے کے لئے راجکمار شکل ونے کمار کے لکھنؤ اجلاس میں گاندھی جی سے چمپارن آنے کی گزارش کی۔ گاندھی جی جب کسانوں کے مسائل کو سمجھنے کے لئے چمپارن پہنچے تو کمشنر نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا۔ لیکن گاندھی نے اسے ماننے سے انکار کردیا۔ اور کسی بھی سزا کو بھگتنے کا فیصلہ کرلیا۔ برٹش حکومت گاندھی جی کو اب تک باغی نہیں مانتی تھی۔ اور اس معاملے کو طول دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے مقامی انتظامیہ کو اپنا حکم واپس لے کر گاندھی جی کو چمپارن کے گاؤں میں جانے کی چھوٹ دینے کی ہدایت کی۔

گاندھی جی اپنے مددگاروں برجکیشور پرشاد، راجندر پرشاد، مہادیو ڈیسائی، جے بی کرپلانی اور بہار کے مقامی لیڈروں کے ساتھ گھوم گھوم کر ان کے مسائل کو جاننے کی کوشش کرتے اور بیان درج کرتے تھے۔ سرکار نے بھی معاملے کی چھان بین کے لئے کمیٹی تشکیل دی۔ جس کا ایک رکن گاندھی جی کو بھی بنایا۔ گاندھی جی اس کمیشن کو یہ سمجھانے میں کامیاب رہے کہ تین کٹھیا نظام ختم ہو۔ اور بگان مالکوں کے ذریعہ غیر قانونی طور سے وصولی گئی رقم واپس کیا جائے بگان مالک 25 فیصد رقم واپس کرنے کو تیار ہو گئے۔ گاندھی جی بھی مان گئے کیوں کہ ان کی نظر میں یہ بھی بگان مالکوں کے لئے بہت بڑی بے عزتی تھی۔ شرمندگی کی وجہ سے ایک عشرہ کے اندر ہی بگان مالک چمپارن چھوڑ کر چلے گئے۔

چمپارن کی کامیابی کے بعد احمد آباد کے مزدوروں نے بھی مدد مانگی۔ وہ عالمی جنگ کی وجہ سے بڑھتی ہوئی گرانی کو لے کر تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن مل مالک مزدوروں کے مطالبے پر توجہ نہیں دے رہے تھے۔ گاندھی جی نے پرامن ہڑتال کا مشورہ دیا۔ لیکن مزدور بغیر تنخواہ طویل عرصے تک ہڑتال نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات میں گاندھی جی نے خود بھوک ہڑتال پر بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال سے گھبرا کر مل مالکوں نے مزدوروں کی تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔

گاندھی جی نے ہندوستانی قوم پرستوں کو ستیا گرہ کا اسلحہ دیا۔ پرامن ہڑتال اور فاقہ کشی کے وسیلہ سے انگریزی سامراجیت کا قوم پرستوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

"موتیہاری میں اپنے داخلے پر کمشنر کے ذریعہ پابندی لگانے سے متعلق سرکاری فرمان کے جواب میں موتیہاری کے کلکٹر کو 6 اپریل 1917ء کو گاندھی جی نے اپنے خط میں واضح الفاظ میں کہا کہ عوامی مفاد اور ذمہ داری کے جذبہ میں یقین رکھتے ہوئے ان کے لئے چمپارن ضلع چھوڑنا ممکن نہیں ہے اور سرکاری فرمان کی حکم عدولی کے لئے سرکار انہیں جو بھی سزا دے گی وہ اسے ماننے کے لئے بخوشی تیار ہیں۔"

رولیٹ ستیا گرہ :

تصویر۔ 10 : جلیانوالہ باغ قتل حادثہ

قومی تحریک میں داخلے کے ساتھ ہی جہاں گاندھی جی نے چمپارن کھیڑا اور احمد آباد تحریک کے وسیلہ سے لوگوں کو مخالفت کے لئے ستیا گرہ کا پیغام دیا۔ وہیں پہلے عالمی جنگ کے بعد اپجے ناراضگی کو دبانے کے لئے انگریزوں نے کچلنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے مارچ 1919ء میں رالٹ ایکٹ (Raltact) نام کا قانون بنایا جس میں بغیر کسی اپیل کے کسی شخص کو گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ گاندھی جی رولٹ ایکٹ کی مخالفت میں 6 اپریل 1919ء کو قومی بے عزتی کا دن منانے کا فیصلہ کیا۔ قومی سطح پر مخالفت اور مظاہرے ہوئے اسی سلسلہ میں پنجاب کے دو

لیڈران سیف الدین کچلو اور ستیہ پال کو گرفتار کرلیا گیا۔ پنجاب کے لوگ مخالفت اور مظاہرہ کے لئے 13 اپریل 1919ء (بیساکھی کے دن) کو بڑی تعداد میں جلیانوالہ باغ (امرتسر) میں جمع ہوئے۔ لوگ جلسہ کر ہی رہے تھے کہ پولس نے بغیر کسی دھمکی کے براہ راست گولی چلانا شروع کردیا۔ سینکڑوں لوگ مارے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے۔ اس واقعہ نے سارے ملک میں لوگوں کو مشتعل کردیا۔

خلافت اور عدم تعاون تحریک

پہلی عالمی جنگ میں شکست کے بعد ترکی کے خلیفہ کو عہدہ سے معزول کردیا گیا تھا۔ دنیا کے دیگر حصوں کے مسلمانوں کی طرح ہندوستانی مسلمان بھی خلافت عثمانی کے مقدس اسلامی مقامات پر خلیفہ کا قبضہ باقی رکھنا چاہتے تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے محمد علی اور شوکت علی کی قیادت میں انگریزوں کی وعدہ خلافی کے خلاف خلافت تحریک کی شروعات کی۔ گاندھی جی نے اسے ہندو مسلم اتحاد کے موقع کی شکل میں دیکھتے ہوئے جلیانوالہ باغ قتل کانڈ اور خلافت کے معاملے میں ہوئے مظالم کے خلاف عدم تعاون تحریک چلاکر آزادی کے مطالبہ کی آواز لگائی۔

تصویر۔ 12 : شوکت علی

تصویر۔10 : محمد علی

خلیفہ : مسلمانوں کا مذہبی اور سیاسی طور سے خاص رہنما

اگست 1920ء کو گاندھی جی کی قیادت میں عدم تعاون تحریک چلانے کا فیصلہ لیا گیا۔ عدم تعاون تحریک کے درمیان سرکاری خطابات کو واپس کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ رویندر ناتھ ٹیگور نے 'نائٹ' اور مہاتما گاندھی نے 'قیصر ہند' کا خطاب واپس کردیا۔ انتخاب کا ووٹروں کے ذریعہ بائیکاٹ کیا گیا۔ وکیلوں سے عدالت چھوڑنے کو کہا گیا۔ موتی لال نہرو سی آر داس راج گوپال

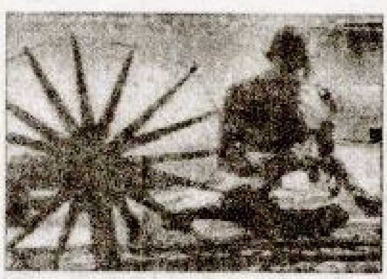

تصویر۔ 13 : چرکھا چلاتے ہوئے گاندھی جی

آچاریہ اور آصف علی جیسے وکیلوں نے وکالت چھوڑ دی۔ طلبہ نے اسکولوں اور کالجوں کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے غیر ملکی سامان کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ غیر ملکی کپڑوں کی ہولی جلائی گئی۔ انگلینڈ سے درآمد کپڑوں کے مقدار میں بھاری گراوٹ ہوئی۔ پورے ملک کی عوام مشتعل ہو اٹھی۔

عوامی حصہ داری :

تصویر۔ 14 : تحریک میں خواتین کی حصہ داری

ملک کے مختلف حصوں میں لوگوں نے گاندھی کے خیالات کو مقامی مسائل سے جوڑ کر تحریک چلایا۔ کھیڑا (گجرات) کے کسانوں نے انگریزوں کے ذریعہ تھوپے گئے مالگذاری کے خلاف تحریک چلایا۔ تمل ناڈو میں شراب دکانوں کی گھیرابندی۔ آندھرا پردیش میں جنگل ستیا گرہ تو پنجاب میں اکالیوں نے گرودوارے میں بیٹھے ہوئے جرائم پیشہ مہنتوں کو ہٹانے کے لئے تحریک چلایا۔ عدم تعاون تحریک کا بہار میں بھی زبردست اثر تھا۔ برج کشور پرشاد کے مشورے پر آزادی کے موضوع کو بھی عدم تعاون تحریک میں شامل کرلیا گیا۔ مظہرالحق نے قومی تحریک کی سرگرمیوں کو چلانے کے لئے خیرو میاں کی زمین پر بہار ودیا پیٹھ اور صداقت آشرم کو قائم کیا گیا۔ مظہرالحق نے عدم تعاون کے پروگرام کو پھیلانے اور ہندو مسلم اتحاد کو قائم کرنے کے مقصد سے صداقت آشرم سے دی مدرلینڈ کا اخبار نکالا۔

تصویر۔ 15 : مولانا مظہرالحق

22 دسمبر 1921ء کو برٹش شہزادے کی پٹنہ میں آمد ہوئی اس دن شہر میں ہڑتال منائی گئی۔

عدم تعاون تحریک اپنے عروج پر آتے آتے پرتشدد ہوگیا۔ 5 فروری 1922ء کو تحریک کاروں کی بھیڑ نے چوڑی چوڑا پولس تھانہ (اتر پردیش) پر حملہ کر کے 22 پولس والوں کو زندہ جلا دیا۔ گاندھی جی پرتشدد تحریک کے خلاف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے

8 فروری 1922ء کو تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

جھنڈا ستیا گرہ: جھنڈا ستیا گرہ کا آغاز 13 اپریل 1923ء سے شروع ہوا جب برٹش حکومت نے لوگوں کو جھنڈا لے کر چلنے سے روک دیا۔ کانگریسیوں نے حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے ناگپور میں ستیا گرہ کرنے کا ارادہ کیا۔

جج کے روکنے پر بھی ڈی ایس پی نے بھیڑ پر حملہ بول دیا۔ کئی لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ جمنالال بجاج کمیٹی نے ایک مئی 1923ء سے جھنڈا ستیا گرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ستیا گرہ میں ملک کے دیگر حصوں کے ساتھ ساتھ بہار کے لوگ بھی گئے۔ یہ تحریک 109 دنوں تک چلی اور 1560ء ستیا گرہیوں کو سزائیں ہوئیں رفتہ رفتہ سرکار کا رخ نرم ہونے لگا اور ترنگا لے کر چلنے کی اجازت دے دی گئی۔

شہید ہردیو نے ترنگے کے احترام میں شہادت دی

ناگپور جھنڈا ستیا گرہ میں ملک کے کونے کونے سے ستیا گرہی پہنچنے لگے۔ بہار سے ستیا گرہیوں کو بھیجنے کی ذمہ داری راجندر بابو کی تھی۔ بہاری ستیا گرہیوں کے گروہ میں ایک نوجوان ہردیو نارائن سنگھ بھی تھے جو پٹنہ ضلع کے اکبر پور پالی گنج کے راستے پر واقع گاؤں تورنی کے باشندے تھے۔ وہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں اودھ بہاری سنگھ، دیاس سنگھ اور ہردیو سنگھ وغیرہ کے ساتھ ناگپور پہنچے۔ یہاں 18 جون 1923ء کو ان لوگوں کو قید کر لیا گیا اور ایک سال کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ کھانے پینے کی دشواریوں کی وجہ سے ان کی صحت بگڑنے لگی۔ ساتھی ستیا گرہیوں نے برٹش افسران سے معافی مانگ کر جیل سے چھوٹنے کی صلاح دی۔ لیکن انہوں نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا۔ اور ناگپور جیل میں ہی ان کی موت ہو گئی۔ اس وقت راجندر بابو بھی اسی جیل میں بند تھے۔ ہردیو نارائن سنگھ کی لاش راجندر بابو، سردار پٹیل اور چترنجن داس وغیرہ کو سونپا گیا۔ سبھوں نے مل کر آخری رسوم ادا کئے۔ اپنے شہید اولاد کی یاد میں والد چندریکا سنگھ اپنے کندھے پر زندگی بھر ترنگا اوڑھے رہے اور اسے ڈھوتے رہے۔

اگلی لڑائی کی تیاری میں

عدم تعاون تحریک کے خاتمہ (1922ء) کے بعد کانگریس کا اجلاس گیا میں منعقد ہوا۔ گاندھی جی نے اپنے مقلدین کو دور کے دیہاتوں میں تخلیقی کام کرنے کا پیغام دیا۔ جبکہ چترنجن داس اور موتی لال نہرو جیسے لیڈران نے پارٹی کو کونسل کے انتخاب میں حصہ لینے کی حمایت کی۔ ان کی دلیل تھی کہ کاؤنسل کے وسیلے سے سرکاری پالیسیوں کو متاثر کرنا چاہئے۔ اسی نقطے پر اختلاف کے بعد چترنجن داس اور موتی لال نہرو نے فروری 1923ء میں آزادی پارٹی 'سوراجیہ دل' کی تشکیل کی۔ اس کی ابتدائی میٹنگ پٹنہ میں ہی ہوئی۔ لیکن بہار میں ڈاکٹر راجندر پرشاد وغیرہ کے اثرات کی وجہ سے سوراجیہ دل ناکام رہا۔

عدم تعاون تحریک کے التوا کے بعد عوام کے بیچ پھیلی ناراضگی کے جذبات کا فائدہ اٹھانے کے مقصد سے ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اور راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کی تشکیل ہوئی۔ بالترتیب ایک پارٹی عوام الناس کے طبقہ کی نمائندہ تھی تو دوسری خود کو ہندو پرست اور جارح قوم پرست تنظیم مانتی تھی۔ اسی دوران سردار بھگت سنگھ جیسے انقلابی محبان وطن نے ہندوستانی سوشلسٹ ری پبلکن آرمی کی تشکیل کی۔ اسی عشرے کے آخری سالوں میں جواہر لال نہرو کی صدارت میں مکمل آزادی کی تجویز بھی پاس کی گئی۔ اور 26 جنوری 1930ء کو لاہور میں راوی ندی کے کنارے پر یوم آزادی منایا گیا۔

BOMB OUTRAGE IN AS

تصویر۔ 16

جب بہار کے سپوت نے بھگت سنگھ کے قتل کے ذمہ دار کو مار ڈالا

بیکنٹھ شکل

تصویر۔ 17 : بیکنٹھ شکل

بیکنٹھ شکل کی پیدائش 1910ء مظفرپور (ویشالی) کے جلال پور گاؤں میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کر لی اور پرائمری اسکول کے معلم بنے۔ انہوں نے 1930ء کے سول نافرمانی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ انہیں گرفتار کر کے پٹنہ کیمپ جیل میں رکھا گیا۔ 1931ء میں گاندھی اروِن معاہدہ کے بعد دیگر ستیاگرہیوں کے ساتھ رہا کیے گئے۔ بعد میں ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن آرمی کے رابطے میں آ کر انقلابی بن گئے۔ پھندر ناتھ گھوش جو بتیا کے باشندہ تھے۔ جب پارٹی مخالف کام کرنے لگا تب اس کے قتل کے منصوبہ میں انہوں نے سرگرم حصہ لیا تھا۔ پھندر ناتھ گھوش نے سرکار کی طرف سے کئی سیاسی سازشوں میں گواہی دی۔ لاہور سازش کانڈ میں بھی وہ اہم مخبر تھا۔ اس نے 1930ء میں بھگت سنگھ، راجگرو اور سکھ دیو کے خلاف گواہی دی جس کی وجہ سے ہی انہیں پھانسی کی سزا ملی تھی۔

پھندر ناتھ گھوش پر حملہ بیکنٹھ شکل اور چندر ما سنگھ کے ذریعہ 9 نومبر 1932ء کو ہوا جب وہ مینا بازار کی اپنی دکان میں بیٹھ کر اپنے دوست کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا۔ اس پر دھار دار ہتھیار سے حملہ ہوا۔ زخمی پھندر ناتھ 17 نومبر 1932ء کو مر گیا۔

بھاگتے وقت بیکنٹھ شکل کا تھیلا چھوٹ گیا جس میں رکھی دھوتی نے بیکنٹھ شکل تک پہنچنے میں مدد کی۔ بیکنٹھ شکل 6 جولائی 1933ء کو سونپور۔ حاجی پور پل کے پاس پولس گروپ کے ذریعہ گرفتار کیے گئے۔ سیشن جج نے بیکنٹھ شکل کو پھانسی کی سزا دی۔ ہائی کورٹ نے بھی سزا برقرار رکھی۔ نتیجہ کے طور پر 14 مئی 1934ء کو انہیں گیا جیل میں پھانسی دے دی گئی۔

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی اور آر ایس ایس نظریات کا تذکرہ اپنے استاد سے کیجیے

ڈانڈی مارچ : جب گاندھی نکل پڑے نمک قانون کوتوڑنے کے لئے

سرکار کا نمک کی پیداوار اور فروخت پر ایک طرفہ اختیار ہوتا تھا جس سے سرکار کو اچھی آمدنی ہوتی تھی۔اس قانون سے ملک کا ہر شخص (غریب، امیر، عورت، مرد، اونچ، نیچ) متاثر تھا۔گاندھی جی نے نمک قانون کو قومیت کے جذبات سے جوڑا کیونکہ یہ قدرت کی دی ہوئی چیز ہے اور بغیر ٹیکس کے سب کے لئے دستیاب ہونا چاہئے۔گاندھی جی اپنے چنے ہوئے 79 ساتھیوں کے ساتھ 12 مارچ 1930ء کو سابرمتی آشرم سے داانڈی (ساحل سمندر کے کنارے) کے لئے نمک قانون توڑنے کے لئے نکل پڑے۔6اپریل 1930ء کو ڈانڈی پہنچ کر گاندھی جی نے عوامی طور سے نمک اکٹھا کر کے نمک قانون کو توڑا۔گاندھی جی نے پانی ابال کو بھی نمک بنایا۔دیکھتے دیکھتے یہ تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔اس تحریک میں کسانوں، عورتوں اور آدیباسیوں نے بھی حصہ لیا۔

تصویر۔ 18

صوبائی خودمختاری۔۔ مرکز کے اندر رہتے ہوئے اپنے صوبائی علاقہ میں عوامی مفاد میں آزادانہ طور پر فیصلہ لینے کا اختیار حاصل ہونا۔

سرکار نے جبری کاروائی کرتے ہوئے ہزاروں ستیہ گرہیوں کو جیل میں ڈال دیا لیکن انہیں بھی اب عوامی طاقت کا احساس ہونے لگا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ 1935ء میں صوبائی خودمختاری قانون کے ذریعہ صوبوں میں عوام پسند سرکار کی تشکیل کی تجویز کی۔اسی تجویز کے تحت اس عہد کے گیارہ صوبوں میں سے 7 صوبوں میں کانگریس کی منتخب سرکار بنی۔دو سال بعد عالمی جنگ شروع ہونے کی وجہ سے کانگریس نے جنگ کے بعد ہندوستان کو آزاد کرنے کی شرط پر جنگ میں تعاون کی بات کی۔لیکن برٹش حکومت نے یہ بات نہیں مانی، جس سے 1939ء میں کانگریسی سرکار نے استعفیٰ دے دیا۔

انگریزو بھارت چھوڑو۔1942 (Quit India Movement)

دوسری عالمی جنگ سے پیدا شدہ حالات میں مہاتما گاندھی نے انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے کی دھمکی دی۔ اس کے لئے گاندھی جی نے عوام کو 'کرو یا مرو' کا نعرہ دیا۔ حالانکہ گاندھی جی نے بمبئی کے گوالیا ٹینک میدان سے 8 اگست کو عدم تشدد جدوجہد کی ہی آواز دی تھی۔ لیکن برٹش حکومت نے جبری کاروائی کرتے ہوئے بشمول گاندھی جی تمام اہم کانگریسی لیڈروں کو جیل میں بند کردیا۔ لیڈران کی گرفتاری کے بعد عوام اور مشتعل ہو گئے۔ کسانوں طلبہ اور خواتین کی حصہ داری نے تحریک کو کافی مشتعل اور طاقتور بنا دیا۔ حکومت اور مواصلات کے علامتی نشان پر قبضہ کر کے مقامی لوگوں نے اپنی سرکار کی تشکیل کی۔

بہار میں جب 80 تھانوں پر عوام کا قبضہ ہو گیا....

پٹنہ ضلع کے پالی گنج میں زبردست تنظیم رہنے کی وجہ سے تھانہ کو جھکنا پڑا اور 14 اگست کو تھانہ میں تالا لگا دیا گیا۔ 15 اگست کو داروغہ جی نے خود 'انقلاب زندہ باد' کا نعرہ لگاتے ہوئے جھنڈا لہرایا۔ اسی دن ایک گروہ الارے ارول کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ اس گروہ پر پولس کی طرف سے اچانک گولی چلائی گئی جس میں رام کرت سنگھ (کورڈا رائی پور کے رہنے والے تھے) کے بازو میں گولی لگی۔ وہاں سے انہیں زخمی حالت میں پالی گنج اسپتال میں لایا گیا جہاں ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس بہادر کا ہزاروں لوگوں نے گاجے باجے کے ساتھ مہابلی پور کے نزدیک سون ندی میں آخری رسوم ادا کی۔

انگریزوں نے جبر کا سہارا لیتے ہوئے 90,000 لوگوں کو جیل میں ڈال دیا ہزاروں لوگ پولس کی گولی سے مارے گئے۔ اکثر مقامات پر ہوائی جہاز سے گولیاں برسائی گئیں۔ لیکن برٹش حکومت کو تحریک نے جھکنے پر مجبور کردیا۔

1942 کے ہندوستان چھوڑو تحریک کے دوران پٹنہ کے حالات کو ظاہر کرتا ہوا ایک خط جسے ڈاکٹر یواین شاہی نے اپنی بیوی کو بھیجا۔

بندے ماترم

پٹنہ

21 اگست 1942ء

پیاری

کئی دن ہوئے تیرا خط ملا لیکن خط کا جواب نہیں دے سکا تھا۔ اس کی پہلی وجہ تو خود فراموشی ہی کہا جائے گا۔ اور دوسری وجہ اسے تم تک پہنچنے کے ذرائع کی کمی۔ رام پھل بابا کی آمد نے دوسرے کا حل دیدیا ہے۔ اس لئے کچھ لکھنے بیٹھا ہوں۔ اب تک کسی طرح جسم سے اچھا رہا ہوں۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کتنے دنوں کے لئے ہے۔ یوں تو یہ کہنا انتہائی دشوار ہے کہ کب کس کو کیا ہوگا، لیکن آج کی دنیا میں یہ بالکل ایک ناممکن سا ہوگیا ہے۔ کسی کے جان مال کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اوراس میں اس کی بات کیا پوچھنا جس میں پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں — اپنی چھوٹی کشتی کو جلا دی ہے اور سمندر کی اچھلتی کودتی پاگل ترنگوں پر کود گیا ہے۔ اسے نہین معلوم کہ اس کی پالیسی کیا ہوگی؟ گذشتہ 8 تاریخ کو ہی یہاں کے تمام کالجوں میں تالا لگ گیا ہے۔ اب تو وہاں طلبہ کی جگہ گورے سپاہی ڈٹے ہیں۔ یہاں کی اور خبریں چاچا جی، سبھوں نے سن لینا۔ ابھی کوئی خاص شور وہنگامہ یہاں نہیں ہے سکریٹریٹ پر جھنڈا پھہرانے میں گولیاں چلیں اور ہم میں سے 11 بہادر شہید ہوگئے۔ اور تقریباً 22 زخمی ہوگئے۔ انہیں بہادروں کی مردہ روحوں کی پکار نے یہاں کی عوام میں آگ لگا دی اور آگے کی بات کا کیا پوچھنا۔ سرکار کا ہر ایک کام بند ہوگیا۔ ہنستے ہنستے گولی سہنے والوں میں میرا ایک ساتھی بھی تھا اور وہ یہاں میرے ہی ساتھ ایک کمرے میں رہتا تھا لیکن مجھے اس کی تکلیف نہیں ہے بلکہ

فخر ہے۔ بہتوں نے لاٹھیاں کھائیں کوڑے سہے۔ بڑی ماں کے بھتیجے کے لڑکے نے بھی لاٹھیں سے سر پھوڑ دیا۔ رام بابو گیارہ تاریخ کو ہی گرفتار کرلیا گیا۔ پٹنہ کی ہی بات نہیں ہے ملک کے کونے کونے میں یہی سازش رچی گئی ہے۔ ایک طرف نہتی عوام اپنے انسانی حق کے لئے عدم تشدد کے طریقے سے لڑائی لڑ رہی ہے اور دوسری طرف جدید اسلحوں سے لیس حیوانی طاقتیں بندوق، مشین گنوں اور بموں سے انہیں دبانے کی پوری کوشش کررہی ہے۔ پھر شہیدوں کی تعداد کی گنتی کیا؟ مجھے یقین ہے کہ ہماری قربانیاں کبھی رایئگاں نہیں جائیں گی۔ یہاں ایک ایسی آگ جلی ہے جو برٹش سامراجواد کو ضرور ہی خاک میں ملادے گی۔ انگریزوں کے پاپ اور مظالم اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے اب ضرورہی اس کا خاتمہ ہوگا اور زیادہ لکھنے کا موقع نہیں ہے۔

میں یہاں 13 تاریخ سے تقریباً نظر بند ہوں۔ یہ مجھے بری طرح کھلتی ہے دیکھو کیا ہونا ہے؟ تم سے الگ ہوتے وقت میں نے تمہیں انہیں باتون کو دھیان مین رکھ کر انصاف اور قربانی کی کچھ کہانیاں کہی تھیں، سمجھایا بھی تھا۔ کسی خط میں بھی کچھ لکھا تھا۔ انہیں ہی یادرکھو۔ ایثار ہی دنیا کا سب سے بڑا احساس ہے پھر ہم تم تو زندوں میں ہیں۔ ایشور بھی اس کے لئے کبھی دل دیں دماغ دیں اور ہمت سے ایثار و قربانی کا جذبہ دیں۔

امید ہے تم بھی اچھی ہوگی۔

تیرا اوپندر

بہار میں بھارت چھوڑ تحریک : 8 اگست کو ہندوستان چھوڑ تحریک پاس ہونے کے اگلے دن پٹنہ کے کلکٹر ڈبلو جی آرچر نے راجندر پرشاد کو گرفتار کرلیا۔ 11 اگست کو طلبہ کے ایک جلوس نے سکریٹریٹ عمارت کے سامنے اسمبلی ہاؤس کی عمارت پر قومی جھنڈا پھہرانے کی کوشش کی۔ افسران کے حکم پر پولس فائرنگ میں سات طلبہ مارے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ مرنے والے طلبہ اوما کانت سنہا، رامانند سنگھ، ستیش پرشاد جھا، دیوی پد چودھری، راجندر سنگھ، رام گووند سنگھ اور جگ پتی کمار تھے۔

سب سے پہلے تین اعلیٰ افسران شاہنواز ڈھیلن اور سہگل پر مقدمہ چلایا گیا۔ ان افسروں کے دفاع میں کانگریس آگے آئی اور ملک کے بڑے بڑے بیرسٹروں جن میں بھولا بھائی ڈیسائی، ڈاکٹر کاٹجو، ڈاکٹر تیج بہادر سپرو اور جواہر لال نہرو شامل تھے۔ بغیر فیس کے مقدمہ لڑا۔ پورے ملک میں ان بہادروں کی حمایت میں مظاہرے کئے گئے۔ پھر بھی ججوں نے انہیں قصور وار ٹھہراتے ہوئے موت کی سزا سنادی لیکن برٹش حکومت کو ملک کے حالات کو دیکھتے ہوئے اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ انہیں پھانسی دے سکے۔ تینوں جنرل رہا کر دیئے گئے۔ بعد میں آزاد ہند فوج کے اور بھی لوگ رہا کر دیئے گئے۔

آزاد ہند فوج کا قومی گیت یہ تھا۔

شبھ سکھ چین کی برسا برسے
بھارت بھاگیہ سے جاگا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا دراوڑ اتکل بنگا
چنچل ساگر، وندھ۔ ہمالیہ، نیلا، جمنا گنگا
تیرے نغیہ گروگائے
تجھ سے جیون پاوے
سب نت پائیں آشا
سورج بن کر جگ پر چمکے، بھارت نام سجاگا
جئے ہو، جئے ہو، جئے ہو
جئے جئے بھارت جئے ہو
شبھ کی دل میں پریت بسائے تیری میٹھی بانی
ہر صوبے کے رہنے والے ہر مذہب کے پرانی

اپنے آپ کو مسلمانوں کو ایک واحد نمائندہ تنظیم کی شکل میں قائم نہیں کر سکی۔ لیکن رفتہ رفتہ کانگریس کے ذریعہ اپنی حمایت میں متحد کرنے کی ناکامی نے مسلم لیگ کی قوت اور خواہشات کو بڑھا دیا۔ فرقہ وارانہ ذہنیت والے، ناراض اور قومی تحریک کے مین اسٹریم میں اپنی جگہ نہیں بنانے والے لیڈر مسلم لیگ کے ساتھ جڑنے لگے۔ اب لیگ خود کو مسلمانوں کے ایک واحد ادارہ کی شکل میں منظوری چاہتی تھی۔ لیکن یہ کانگریس کو منظور نہیں تھا۔ کیوں کہ اب بھی کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر مسلمان تھے۔ مسلم لیگ نے 1930ء کے عشرے میں ہی دو قومیت کا اصول تسلیم کر لیا تھا اس نے 1940ء میں مسلم اکثریتی شمال مغربی اور مشرقی علاقوں میں مسلمانوں کے لئے آزاد صوبوں کا مطالبہ کیا۔

1946ء کے صوبائی انتخاب میں الگ انتخابی حلقے میں لیگ کی بے جوڑ کامیابی نے پاکستان کے مطالبے کے تئیں انہیں اور طاقت دے دیا۔ برٹش حکومت نے پاکستان کے مطالبہ اور ہندوستان کی آزادی کے بارے میں تین ارکان پر مشتمل کیبنٹ مشن (Cabinate Mission) ہندوستان بھیجا۔ کیبنٹ مشن نے مسلم اکثریتی علاقے کو خودمختاری عطا کرتے ہوئے ڈھیلے ڈھالے اشتراک کی شکل میں غیر منقسم ہندوستان کا مشورہ دیا۔ کیبنٹ مشن کے کچھ مشوروں پر لیگ اور کانگریس دونوں کو اعتراض تھا۔ ان حالات میں اب ملک کی تقسیم کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ مسلم لیگ نے پاکستان کے مطالبے کی حمایت میں عوام سے براہ راست کاروائی کا دن 16 اگست 1946ء کو منانے کی آواز لگائی۔ اسی دن کولکاتہ میں فرقہ وارانہ تشدد بھڑک اٹھا۔ اس نے تیزی سے ہندوستان کے اکثر حصے کو اپنی چپیٹ میں لے لیا اور لاکھوں لوگ مارے گئے۔ کروڑوں لوگ ریفیوجی ہو گئے۔ برٹش حکومت نے کیبنٹ مشن کی ناکامی کے بعد حالات کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کو منقسم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ انگریزوں کے پھوٹ ڈالو والی پالیسی کی انتہا تھی۔ اپنے اسی مقصد کی تکمیل کے لئے سرکار نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان بھیجا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستانی آزادی قانون 1947ء کے تجاویز کے مطابق ہندوستان کو آزاد کر دیا۔ ہمارے قومی لیڈروں کو اسے منظور کرنا پڑا۔ تقسیم کے بعد ہندوستان کا جغرافیہ ہی بدل گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے نفرت سے بھرا ماحول بن گیا۔ اس طرح آزادی ہمارے لئے مسرت سے زیادہ درد لے کر آئی۔ رفتہ رفتہ ہمارے قومی لیڈروں کی سوجھ بوجھ سے حالات پر قابو پا لیا

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنیں:

(i) کانگریس کے قیام میں کن عناصر نے اہم رول نہیں نبھایا؟

(الف) شروعاتی سیاسی تنظیموں نے

(ب) ایک قومی ادارے کی تشکیل کی ضرورت نے

(ج) انگریزوں کی استحصالی پالیسی نے

(د) انگریزوں کی صاف ستھری انتظامیہ نے

(ii) قومیت کے جذبات کو فروغ ہوا۔

(الف) انتظامی اور عدالتی یکسانیت کی وجہ سے

(ب) مواصلاتی ذرائع کی ترقی کی وجہ سے

(ج) درج بالا دونوں کی وجہ سے

(د) ان میں سے کسی کی وجہ سے نہیں

(iii) آئی سی ایس کے امتحان میں شامل ہونے کے لئے عمر کی حد 21 سے گھٹا کر کتنا کیا گیا؟

(الف) 18 سال　　(ب) 19 سال

(ج) 20 سال　　(د) نہیں گھٹائی گئی

(iv) اخباروں نے کن کن خیالات کو مقبول بنایا؟

(الف) نمائندگی کا نظام　　(ب) آزادی اور جمہوری نظام

(ج) صرف 'الف' کو　　(د) 'الف' اور 'ب' دونوں کو

(x) 'کرو یا مرو' کا نعرہ گاندھی جی نے دیا—

(الف) عدم تعاون تحریک کے دوران

(ب) چمپارن میں

(ج) ہندوستان چھوڑو تحریک کے دوران

(د) سول نافرمانی تحریک میں

آیئے غور کریں :

(i) کیبنٹ مشن نے کیا مشورہ دیا؟

(ii) یوم براہ راست کاروائی کیوں منایا گیا؟

(iii) قومیت کے فروغ میں کن کن عناصر نے اہم رول نبھایا؟

(iv) کانگریس کی تشکیل نے قومیت کی ترقی میں اہم رول نبھایا کیسے؟

(v) بنگ بھنگ نے پورے ہندوستان کو مشتعل کردیا کیسے؟

آیئے کر کے دیکھیں :

(i) چمپارن سے ہی گاندھی جی نے اپنا سیاسی سفر کیوں شروع کیا؟ درجہ میں ساتھیوں سے مذاکرہ کریں۔

(ii) آزادی ہمارے لئے خوشی اور درد دونوں لے کر آئی۔ اس موضوع پر اسکول میں جشن آزادی تقریب کے موقع پر بحث و مباحثے کا انعقاد کریں۔

پر چلا اور بے شمار صدیوں نے اس کی کوشش اور شاندار کارناموں کی گواہی دی اور اس کی ناکامیوں کو بھی اچھے اور برے دن دونوں میں ہندوستان نے ان اصولوں اور نظریات کو کبھی نظر سے ہٹنے نہیں دیا۔ ان سے اس نے نئی طاقت پائی اور قوت لی آج بدقسمتی کا طویل عرصہ ختم ہوتا ہے اور ہندوستان اپنے آپ کو پھر سے پہچان رہا ہے جس فتح کو آج ہم منا رہے ہیں وہ صرف ایک قدم ہے۔ موقع ملنے کی ایک ابتدا ہے ان بڑی بڑی کامیابیوں اور حصولیابیوں کی طرف جو ہمارا انتظار کر رہی ہے کیا ہم میں اتنی ہمت ہے، اتنا علم ہے کہ اس موقع کو نہ جانے دیں اس کا فائدہ اٹھائیں اور مستقبل کے چیلنج کو قبول کریں۔

آزادی اور طاقت ذمہ داریاں لاتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کا بوجھ اس مجلس پر ہے جو جمہوری طاقتوں سے بھرپور ہے اور ہندوستان کی آزادی عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ آزادی سے قبل ہم نے مصائب جھیلے اور ہمارے دل ان غموں سے بھاری ہیں۔ کچھ غم آج بھی موجود ہے۔ مگر ماضی گزر چکا ہے اور مستقبل ہمیں بلاتا ہے۔

وہ مستقبل ابتدا کا نہیں ہے وہ برابر کوشش کا ہے، محنت کا ہے تا کہ ہم نے جو وعدے کیے تھے اور آج ہم جو عہد کریں گے انہیں پورا کر سکیں۔ ہندوستان کی خدمت کے معنی ان کروڑوں افراد کی خدمت کرنا ہے جو مصیبت زدہ ہیں۔ جس کے معنی ہیں استاد کے طور پر لاعلمی بیماری اور ناانصافی کو ختم کر دینا ہے۔ ہمارے زمانے کی سب سے بڑی ہستی کی خواہش رہی ہے کہ ہر انسان کا ہر آنسو پونچھ دیا جائے۔ یہ شاید ہماری طاقت کے باہر ہو مگر جب تک لوگوں کی آنکھوں میں غم کے آنسو ہوں اس وقت تک ہمارا کام ختم نہیں ہوگا۔

اس لئے ہم کو برابر محنت کرنی ہے تا کہ ہمارے خواب شرمندہ تعبیر ہو سکیں۔ یہ خواب ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے بھی ہے کیونکہ آج کل کے سارے ممالک اور دنیا کے لوگ آپس میں اتنے جڑے ہوئے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی الگ رہنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ کہتے ہیں کہ امن غیر منقسم ہے اور اسی طرح آزادی اور خوشحالی اور بدحالی بھی۔ کیونکہ اب اس ایک دنیا کے الگ الگ ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے۔

لئے آزادی کے بعد کھیتی کی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی کی بھی ضرورت تھی تا کہ روزگار کے حصول کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زندگی کا معیار بلند ہو سکے۔

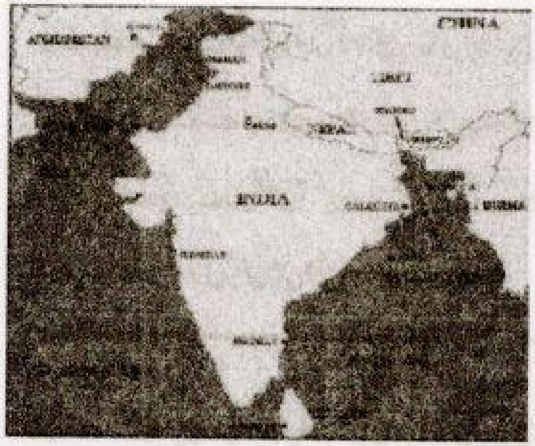

آزادی کے بعد منقسم ہندوستان اور نئے پاکستان کی تشکیل

آزادی کے ساتھ تقسیم کی وجہ سے مذہبی جوش (فرقہ پرستی) نے تقریباً پورے ہندوستان کو اپنے چپیٹ میں لے لیا تھا لیکن ملک کے کچھ دیہاتی علاقے بہار اور تقسیم سے متاثر ہونے والے علاقے کو چھوڑ کر پورا ملک فرقہ پرستی کے نظریات سے الگ رہا۔ ان حالات میں ہندوستان سیکولرازم کے بغیر ایک منظم اور مضبوط قوم نہیں بن سکتا تھا۔ ترقی اور اتحاد کے ساتھ قومی تعمیر کے عمل کو ساتھ ساتھ چلنے کے لئے اختلاف تشدد اور ٹکراؤ کو ختم کرنا ضروری تھا۔ فرقہ پرستی کے ساتھ ساتھ ذات پات، امیر غریب، شہر۔ دیہات وغیرہ کے بیچ گہرے اختلافات اور دوریاں تھیں ان دوریوں کو پاٹنا بھی آزادی کے لئے ایک چیلنج تھا۔

نئے دستور کی بناوٹ

آزادی کے پہلے ہی ہندوستانیوں نے کیبنٹ مشن کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہندوستان کے لئے اپنے آئین کے بنانے کی ذمہ داری سنبھالی۔ مجلس آئین ساز کی تشکیل کی گئی جس کے لگ بھگ 300 نمائندے ملک بھر سے چن کر آئے تھے ان ممبران کے بیچ دسمبر 1946ء سے نومبر 1949ء تک انتہائی غور و خوض کے بعد ہندوستان کا آئین لکھا گیا آئین کے کچھ حصے (شق) کو 26 نومبر 1949ء کو ہی نافذ کر دیا گیا اور 26 جنوری 1950ء کو اسے پورے طور سے نافذ کیا گیا۔

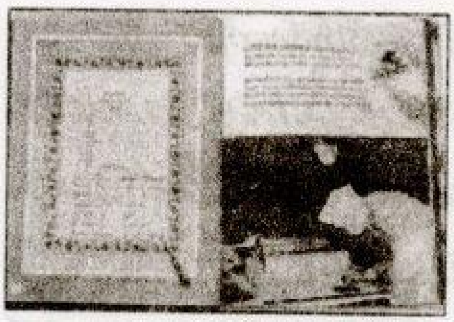

تصویر۔ 2 : نئے آئین پر دستخط کرتے ہوئے پنڈت نہرو

پر مرکز اور صوبہ دونوں کو قانون سازی کا اختیار ہے۔ ٹکراؤ یا اختلاف کی صورت میں مرکز کا قانون موثر ہوگا۔ مجلس آئین ساز میں بحث کے دوران کچھ لوگوں نے مرکز کے مفاد کو ترجیح دی اور کہا کہ جب مرکز مضبوط ہوگا تبھی وہ پورے ملک کے لئے سوچنے اور منصوبہ بنانے میں اہل ہوگا۔ کئی ممبروں نے صوبہ کو زیادہ خودمختار بنانے اور آزادی دینے کی حمایت میں دلیلیں دیں۔ ان کا کہنا تھا کہ موجودہ حالت میں جمہوریت دلی میں ہی مرکوز ہے۔ اس لئے ملک کے بقیہ حصوں میں اسی جذبہ اور مفہوم میں سامنے نہیں آ رہا ہے۔

مجلس آئین ساز میں زبان کے موضوع پر بھی طویل بحث ہوئی زیادہ تر لوگ انگریزی کی جگہ ہندی کو اپنانا چاہتے تھے۔ لیکن غیر ہندی زبان والوں نے اس کی مخالفت کی۔ ٹی ٹی کرشنم چاری نے دکھن کے لوگوں کی طرف سے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر ان پر ہندی تھوپی گئی تو بہت سارے لوگ ہندوستان سے الگ ہو جائیں گے۔ اس اختلاف سے بچنے کے لئے ہندی کو ہندوستان کی سرکاری زبان کا درجہ تو دیا گیا لیکن بشمولیت عدالت مختلف خدمات میں انگریزی کو کام کاج کی زبان کی شکل میں اپنایا گیا۔ دستور سازی میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کا رول کافی اہم تھا۔ یہ مجلس آئین ساز کے مسودہ کمیٹی کے صدر بھی تھے۔ انہوں نے مجلس آئین ساز میں سیاسی جمہوریت کے ساتھ ساتھ سماجی اور معاشی طور سے پسماندہ لوگوں کی ترقی کے لئے آواز بلند کی۔ ان کی ترقی کے لئے امبیڈکر نے سرکاری خدمات میں تحفظات (ریزرویشن) کی وکالت کی تا کہ یہ عام لوگوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں۔

ریزرویشن کے بارے میں ایچ۔ جے کھانڈیکر کے خیالات

اس عہد کی سیاست میں تحفظات (ریزرویشن) جیسے روشن موضوع پر آئین ساز اسمبلی میں بحث مباحثہ کے دوران 24 اگست 1949ء کو کھانڈیکر نے انتہائی پسماندہ ذاتوں کے ریزرویشن کے بارے میں جو سوال اٹھایا کہ پارلیامانی طریقہ میں زیر فہرست ذاتوں کو محفوظ شدہ انتخابی حلقوں میں دی جانے والی سیٹوں کو صحیح فائدہ اسی وقت ملے گا جب ان کے لئے ویسے ہی انتخابی حلقے محفوظ کئے جائیں جن میں ان

تصویر۔ 3 : آزادی کے دو معمار پنڈت نہرو اور سردار پٹیل

کی نئی تشکیل لسانی بنیادوں پر کی گئی جن میں روس، ترکی اور آسٹریا خاص تھے تو ہندوستانی قومی کانگریس نے بھی 1920ء کے عشرے میں لوگوں کے جذبات کو دیکھتے ہوئے آزادی کے بعد زبان کی بنیاد پر صوبوں کے لئے تشکیل کا بھروسہ دلایا۔ لیکن جب ہندوستان کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم اور فسادات کے بعد آزادی ملی تو قومی رہنماؤں کے دل میں یہ فکر ہوئی کہ اگر صوبوں کی نئی تشکیل زبان کی بنیاد پر کی گئی تو اور کئی پاکستان بن سکتے ہیں۔

انہیں حالات میں نہرو اور سردار پٹیل نے لسانی بنیاد پر صوبوں کی نئی تشکیل کا اختلاف کیا۔ جب لوگوں کے ذریعہ لسانی بنیاد پر صوبوں کی تشکیل کا مطالبہ ہوا تو پٹیل نے کہا۔ اس وقت ہندوستان کی پہلی اور آخری ضرورت یہ ہے کہ اسے ایک قوم بنایا جائے۔ قومیت کو بڑھاوا دینے والی چیز آگے بڑھنی چاہئے اور اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی ہر چیز کو درکنار کر دینا چاہئے۔ ہم نے یہی کسوٹی لسانی صوبوں کے سوال پر بھی اپنائی ہے۔ اس کسوٹی کے حساب سے ہمارے صوبے میں اس مانگ کو حمایت نہیں دی جا سکتی۔

قومی رہنماؤں کے ذریعہ 1920ء کے عشرے میں کئے گئے وعدے سے مکرنے کی وجہ سے علاقائی زبان بولنے والے جیسے تیلگو، تمل، مراٹھی اور کنڑ بولنے والوں میں ناراضگی پھیلنے لگی خاص طور سے تیلگو زبان کے لوگ 1952 کے پہلے انتخاب میں آندھرا پردیش کی مانگ کو لے کر کافی مشتعل تھے۔ آندھرا پردیش کی مانگ کو لے کر گاندھی وادی نیتا پوٹی شری رام لوراجو نے بھوک ہڑتال کیا جس میں 58 دنوں کے بعد 15 ستمبر 1952ء کو ان کی موت ہوگئی۔ ان کی موت کے بعد پورے آندھرا پردیش میں افراتفری پھیل گئی۔ اس مخالفت کو مرکز نے سنجیدگی سے لیا اور ان کے مطالبے مان لئے۔ اس طرح یکم اکتوبر 1953ء کو آندھرا پردیش کی شکل میں ایک نئے صوبے کی تشکیل ہوئی۔

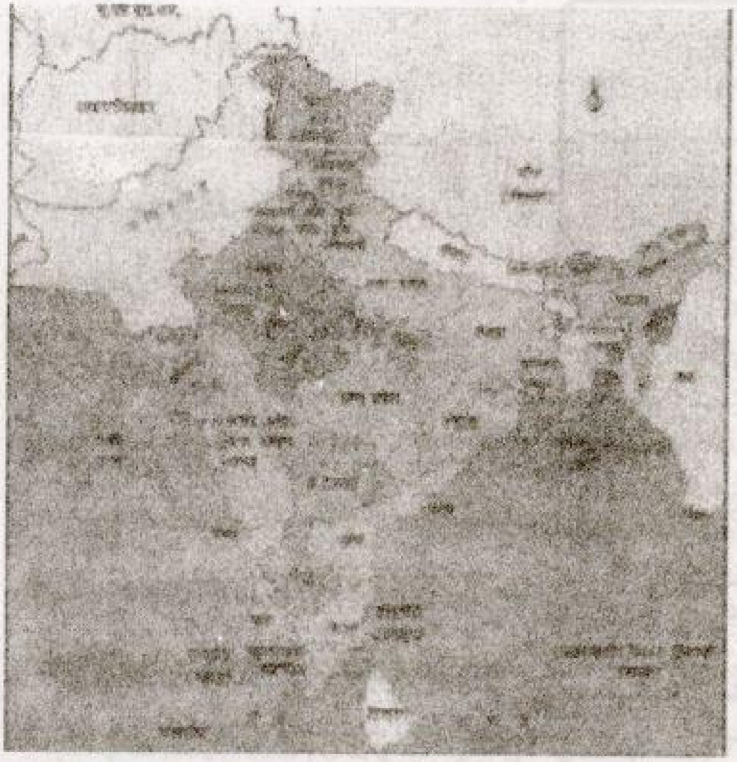

سابقہ ریاستیں
دیگر صوبے

جب ریاستوں کے حکمراں ہندوستان یا پاکستان سے جڑنے کے لئے تیار ہوگئے یا پھر ہرا دیے گئے تو ان کی ریاستیں ختم ہوگئیں۔ لیکن 31 اکتوبر 1956ء تک کئی ایسی ریاستوں کو انتظامی اکائی کی شکل میں باقی رکھا گیا۔ اس لئے 48-1947ء سے 31 اکتوبر 1956ء کے درمیانی مدت کے لئے انھیں سابقہ ریاستیں کہا گیا ہے۔

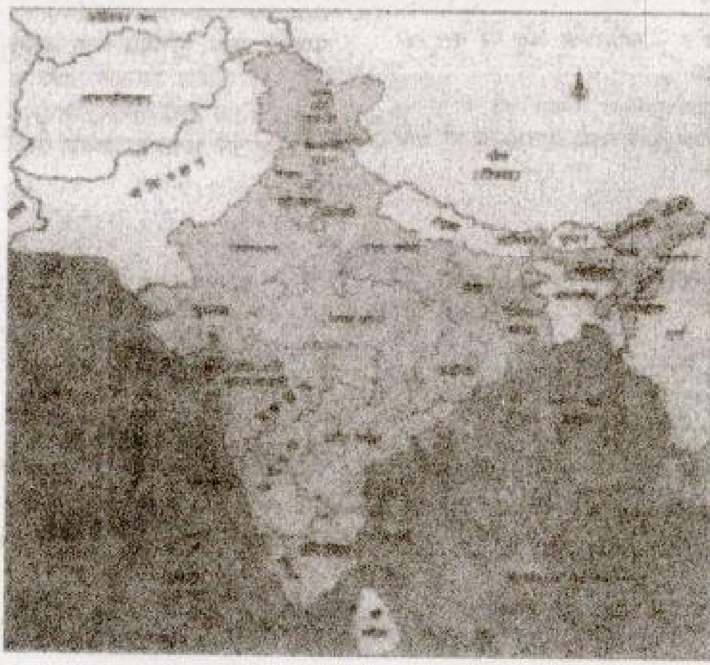

بالترتیب تینوں نقشوں کے جائزہ سے آپ صوبوں کی تشکیل کے مرحلہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ لسانی بنیاد یا دیگر وجوہات سے 1956ء اور اس کے بعد تشکیل شدہ صوبوں کی ایک فہرست بنائیں۔

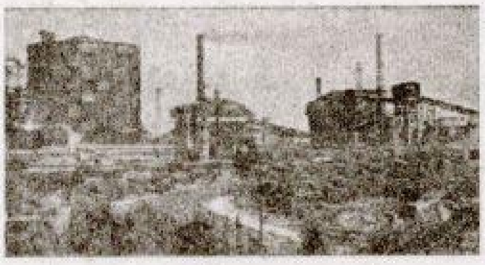

تصویر۔ 5 : بوکارو اسٹیل پلانٹ

دیا گیا۔ حالانکہ صنعتیں قائم تو ہوئیں لیکن کھیتی ابتدائی تعلیم، ماحولیات، صحت وغیرہ پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی۔ کیونکہ ہمارے پاس اس وقت وسائل محدود تھے اور ضروریات زیادہ تھیں۔ مستقبل میں ماحولیات کو ہونے والے نقصان کو پیش نظر رکھتے ہوئے گاندھی جی کی مقلد میرا بہن نے 1949 میں ہی کہا تھا۔ سائنس اور مشنری کے ذریعہ کچھ وقت زیادہ فائدہ تو ہوسکتا ہے لیکن آخر کار تباہی ہی ملے گی۔ ہمیں قدرت کے توازن کے پرانے اصولوں کے حساب سے اپنی زندگی چلانی چاہئے۔ تبھی ہم صحت مند اور اخلاقی طور سے مہذب نسل کی شکل میں زندہ رہ پائیں گے۔

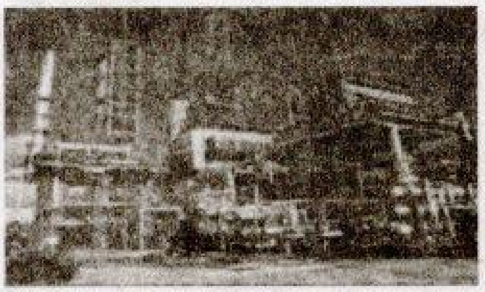

تصویر۔ 6 : برونی ریفائنری

ہماری سرکار نے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی مدد سے بھلائی، درگاپور، بوکارو راؤ کیلا وغیرہ مقامات پر بڑے بڑے صنعت لگائے۔ اسی طرح ہندوستان نے گیارہویں پنچ سالہ منصوبہ تک زراعت صنعت سائنس اور تکنالوجی تعلیم وغیرہ کے میدان میں نجی اور عوامی حلقوں کی حصہ داری سے کافی ترقی کرلی ہے۔ آج ہندوستان کی ترقی کی شرح چین کے بعد دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ہر شخص کو کام فراہم کرانے کے لئے مہاتما گاندھی نریگا، کوئی شخص بھوکا نہ رہے اس کے لئے خوراک تحفظ گارنٹی منصوبہ وغیرہ پر سرکار کافی سنجیدہ ہے۔

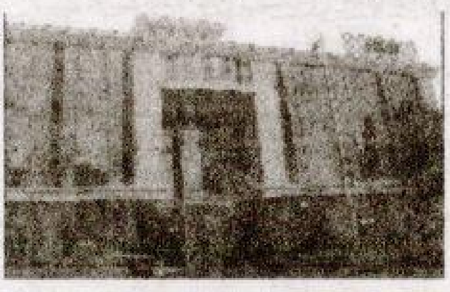

تصویر۔ 7 : حیدرآباد کا سافٹ ویر سنٹر

1990ء کے عشرہ میں تیز اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی حلقے میں ساختیاتی تبدیلی ہوئی اطلاعات اور مواصلات کے

پابندی، شہری اختیارات پر پابندی، نس بندی کے ذریعہ شرح پیدائش پر قابو۔ جھگی جھونپڑی کا خاتمہ، کرمچاریوں کے اضافہ پر روک اور سخت وغیر جمہوری قدم اٹھائے گئے۔ ایمرجنسی کی مخالفت میں جے پرکاش نارائن نے مکمل انقلاب کا نعرہ دیا۔

جئے پرکاش نارائن کے مکمل انقلاب کا مفہوم

جئے پرکاش نارائن کے مکمل انقلاب کا تصور ان کی سیاسی فکر کا آخری پڑاؤ تھا۔ جئے پرکاش نارائن نے طلبہ اور نوجوانوں کو سیاسی پارٹیوں سے الگ رہ کر ملک کی سماجی اور سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی لانے کا مشورہ دیا۔ طلبہ اور نوجوانوں کی قوت کے نمود کی وجہ سرکار میں بدعنوانی، ملک کی خراب اقتصادی حالت اور نوجوانوں میں پھیلی بے روزگاری ہے۔ 5 جون 1974ء کو پٹنہ کے گاندھی میدان میں جئے پرکاش نارائن نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے مکمل انقلاب کا تصور رکھا۔ انہوں نے کہا آج آزادی کے 27 سالوں کے بعد بھی لوگ بھوک، بڑھتی ہوئی قیمتوں اور بدعنوانی سے پریشان ہیں۔ رشوت دیئے بغیر کہیں کام نہیں ہوتا۔ لوگ ناانصافیوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ لاکھوں طلبہ اور نوجوانوں کا مستقبل تاریک ہے۔ غریبی بڑھ رہی ہے کسانوں کی حالت خراب ہے۔ اس صورت سے نجات پانے کے لئے انہوں نے مکمل انقلاب کے تصور کو سامنے رکھا اور اس کے لئے حکومت کی تبدیلی کو ضروری بتایا۔ انہوں نے کہا کہ مکمل انقلاب، ایک ایسا وسیع انقلاب ہے جس کے تحت سماجی اقتصادی، ثقافتی فکری اور دانشوری، تعلیمی اور روحانی انقلابات شامل ہیں۔ یہ تعداد کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے آگے کہا کہ حکومت کی تبدیلی ہمارا مقصد نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ جب ہمارے نمائندے بدعنوان، نااہل اور بھائی بھتیجہ واد کے شکار ہیں تو انہیں حکومت سے ہٹانا ہی پڑے گا۔ اس کے بعد فرد اور سماج میں تبدیلی کے لئے کام کرنا ہوگا۔

اس سرکار کے سامنے کئی مسائل کھڑے تھے۔ ملک اقتصادی اعتبار سے بدحالی کے دور سے گزر رہا تھا۔ اجودھیا مندر مسجد تنازعہ اور وی پی سرکار کے ذریعہ عوامی حلقے کی ملازمت میں پسماندہ ذات کے لوگوں کو ریزرویشن عطا کرنے کی وجہ سے ملک میں قانون و انتظامیہ کا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا۔ کشمیری انتہا پسندوں کی بھی سرگرمیاں بڑھنے لگی تھیں۔ اسی دوران 6 دسمبر 1992ء کو بابری مسجد انہدام کے حادثہ نے بھی پورے ملک کے باشندوں کو خوفزدہ کر دیا۔ کانگریس کی سرکار نے ان داخلی اور بیرونی حالات کا سامنا کامیابی سے کیا اور ملک کے اقتصادی نظام کو معاشی اصلاحات کے وسیلہ سے پٹری پر لایا۔ اس سرکار نے پنچایتی راج نظام کو آئینی ترمیم کے ذریعہ نافذ کرنے کا بھی تاریخی کام کیا۔

تصویر۔ 9 پوکھرن۔ 1 ایٹم......اندرا گاندھی کی حکومت میں 1974ء میں ہوا۔

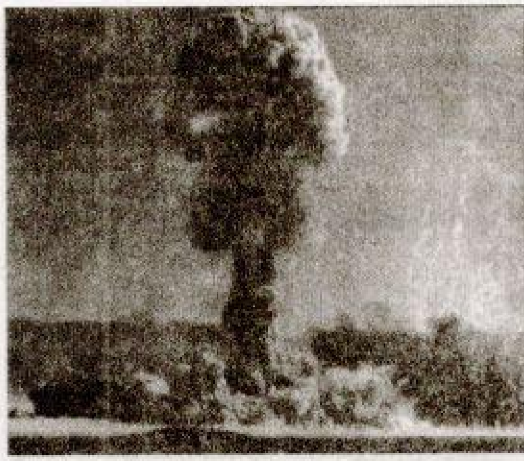

تصویر۔ 10 پوکھرن 2 ۔ایٹمی......باجپئی جی کی حکومت میں 1998ء میں ہوا۔

اگلے انتخاب میں بھاجپا کی سرپرستی میں شراکت کی سرکار بنی۔ اس سرکار نے کامیابی کے ساتھ اقتصادی رواداری کے دوسرے دور کو بھی نافذ کر دیا اور قومی تحفظ اور تکنیک کو استحکام دیتے ہوئے پوکھرن۔2 کا دھماکہ بھی کیا۔ یہ سرکار فیل گوڈ اور درخشاں ہندوستان کے نعروں کے ساتھ انتخاب میں اتری۔ لیکن کسانوں کے خراب حالت کی وجہ سے یہ نعرہ پھیکا پڑ گیا اور سرکار کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کانگریس گٹھ بندھن کی جیت ہوئی۔ مورچے کی سیاست کا واضح علامت سامنے آیا کانگریس کی قیادت والی مورچہ یو پی اے اور بھاجپا قیادت والے مورچہ راجگ (قومی جمہوری اتحاد) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

کچھ ماہرین کو ایسا لگتا تھا کہ چونکہ ہندوستان پسماندہ اور کمی سے دوچار ملک ہے۔ اس لئے یہاں فوجی حکومت قائم ہوجائے گی۔ لیکن ایسے تمام شکوک اب تک ہندوستان میں کامیابی کے ساتھ ایوان زیریں (لوک سبھا) کے 14 عام انتخابات اور سینکڑوں اسمبلی اور مقامی اکائیوں کے انتخابات ہو چکے۔ ملک کی انتظامیہ، عدلیہ، عاملہ کے ساتھ تال میل کر کے کام کر رہی ہے۔ آزاد پریس ہماری رہنمائی کر رہا ہے۔ اس طرح ہمارے قومی اتحاد اور ترقی کی راہ میں لسانی اور ثقافتی تضادات بھی رکاوٹ نہیں ڈال رہی ہے۔ لیکن سماجی حلقے میں ذات پات پر مبنی خلیج اب بھی حائل ہے۔ آج بھی ہمارے دلت فرقہ کے لوگ، بھید بھاؤ اور چھوا چھوت کے شکار ہیں۔ انہیں دیہاتی علاقوں میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے لئے زندگی کی جو کمترین ضروریات ہیں اس کی بھی کمی ہے۔ ہمارے آئین کے سیکولر اصولوں کے برخلاف کئی مقامات پر مذہبی فرقوں کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارا ملک اقتصادی طور سے تو خوشحال ہو رہا ہے۔ لیکن غریبوں اور امیروں کے بیچ خلیج بڑھتی جا رہی ہے۔ کچھ لوگ اچھے اچھے گھروں میں تمام سہولیات سے بھرپور زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو کچھ لوگوں کو جی توڑ محنت کے باوجود بھی دونوں وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا ہے۔ امیر لوگ اپنے بچوں کے ساتھ صحت بنانے کے لئے پہاڑوں پر چھٹیاں گزارنے جاتے ہیں لیکن غریبوں کو علاج کے لئے ڈاکٹر تک دستیاب نہیں ہے۔ امیر اپنے بچوں کو غیر ممالک میں پڑھاتے ہیں اور بے حساب دولت خرچ کرتے ہیں۔ لیکن غریب اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے میں بھی نااہل پاتے ہیں۔

> تذکرہ کریں — کچھ لوگ اپنے بچوں کو اسکول کیوں نہیں بھیج پاتے۔ اس موضوع پر اپنے استاد سے بھی مدد لیکتے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہمارا آئین ہندوستان کے تمام شہریوں کو مساوی اختیار عطا کرتا ہے۔ سماجی اور اقتصادی حلقے میں پسماندہ لوگوں کو طاقتور بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن آزادی کے وقت ہمارے رہنماؤں نے جو خواب دیکھا تھا۔ کیا ہم اسے حاصل کر پائے ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ ہم ہر میدان میں کامیاب ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے پھر بھی ہم ناکام نہیں ہیں۔

مشق

آیئے پھر سے یاد کریں :

1. صحیح متبادل کو چنیں:

(i) 'سالوں پہلے ہم نے مستقبل کو وعدہ کیا تھا' کس کی تقریر کا حصہ ہے؟

(الف) مہاتما گاندھی (ب) جواہر لال نہرو

(ج) راجندر پرساد (د) ولبھ بھائی پٹیل

(ii) آزادی کے وقت ہندوستان کے پاس کون سا مسئلہ نہیں تھا؟

(الف) ملکی ریاستوں کا انضمام (ب) ریفیوجی کا مسئلہ

(ج) دوبارہ آباد کرنے کا مسئلہ (د) قیادت کا مسئلہ

(iii) ان میں سے کون صحیح نہیں ہے؟

(الف) آزادی کے وقت ملک کی آبادی تقریباً 34.5 کروڑ تھی

(ب) ہندوستان خوراک کے میدان میں خود کفیل تھا

(ج) 90 فیصد عوام زراعت پر منحصر تھی

(د) ہندوستان میں صنعت کی کمی تھی

(iv) تقسیم کے وقت سب سے بڑا مسئلہ کیا تھا؟

(الف) مذہبی جوش (ب) غریبی (ج) ذات پرستی (د) بجلی

(v) زبان کی بنیاد پر سب سے پہلے کس صوبہ کی تشکیل ہوئی؟

(الف) اتر پردیش (ب) ہماچل پردیش (ج) آندھرا پردیش (د) تمل ناڈو

(vi) 'اگر ہندی ان پر تھوپی گئی تو بہت سارے لوگ بھارت سے الگ ہو جائیں گے۔' کس نے کہا؟

(الف) راج گوپال آچاریہ (ب) سردار پٹیل (ج) رادھا کرشنن (د) کرشنم آچاریہ

(vii) 'مکمل انقلاب' کا نعرہ کس نے دیا؟

باب-14

ہمارے مورّخ

کالی کنکر دت (1905-1982ء)

آپ گذشتہ درجوں میں ہندوستان کے قدیم اور عہد وسطیٰ کی تاریخ سے متعلق بہار کے چند عظیم مورّخوں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔اس درجہ میں آپ جدید ہندوستان کی تاریخ نویسی پر کام کرنے والے مورخ ڈاکٹر کالی کنکر دت کے بارے میں پڑھیں گے۔

بہار میں تاریخ کے موضوع پر تحقیق کرنے کی جدید روایت کا آغاز سر جادو ناتھ سرکار کے وقت سے ہی ہے۔اسی تسلسل میں ڈاکٹر سودیمل چندر سرکار کی ہدایت میں تحقیقی کام کرنے والے کالی کنکر دت نے مستقبل میں اپنے آپ کو عظیم مورّخ کی شکل میں نمایاں کیا۔ڈاکٹر دت نے بہار اور بنگال کے آخری تین صدیوں کی تاریخ کا گہرا مطالعہ اور تحقیق کی۔ان کی کاوشوں کی وجہ سے بہار کی جدید تاریخ صحیح شکل میں سب کے سامنے آئی۔

تصویر 1: تاریخ نگار کے.کے.دت

ڈاکٹر کالی کنکر دت کی پیدائش پاکڑ ضلع کے جھکیر پاٹی گاؤں میں 1905ء میں ہوئی تھی۔ان کے والد ہائی اسکول کے استاد تھے۔اپنے والد کے اسکول مہیش پور ا ہائی اسکول سے ہی انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔انہوں نے 1927ء میں کولکاتہ یونی ورسٹی سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔انہوں نے ڈاکٹر ایس سی سرکاری کی نگرانی میں پٹنہ کالج کے شعبہ تاریخ میں بنگال کے اقتصادی تاریخ پر کام کرنا شروع کیا۔اس کام کے لئے انہیں بہار اور اڑیسہ سرکار کی طرف سے وظیفہ بھی ملا۔اسی کام کے لیے کولکاتہ یونی ورسٹی سے 1931ء میں انہیں پریم چند